U100214 16-12-?

itle - ALIF LAILA; EK HAZAAR AUR EK RAATEIN (Jild - HAFTAM).

uthor - Mutarjuma Abdul Kareem

ublisher - Urdu Academy (Karachi).

ate - 1966.

ages - 347.

subject - Alif Laila - Tarajum; Arabi Adab - Tarajum - Alif Laila.

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر ۲۲۴

الف لیلہ و لیلہ

جلد ہفتم

مترجمہ

ڈاکٹر ابو الحسن منصور احمد صاحب (مرحوم)
پروفیسر مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

شائع کردہ
انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

طبع اول سنہ ۱۹۴۶ء قیمت مجلد ... یا ...
(مطبوعہ دہلی پرنٹنگ پریس دہلی)

ایک اندھے اور ایک لولے لنگڑے کی کہانی

اس کی مثال ایک اندھے اور ایک لولے لنگڑے کی ہے جنھیں ایک باغ والا اپنے باغ میں لے گیا اور ان سے کہا کہ دیکھو اسے خراب نہ کرنا نہ تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جس سے باغ کو نقصان پہنچے جب باغ میں پھل پکنے لگے تو لولے لنگڑے نے اندھے سے کہا مجھے پکے پکے پھل دکھائی دیتے ہیں اور میرا جی للچا رہا ہے لیکن میں کھڑا نہیں ہو سکتا کہ جا کر انھیں کھاؤں۔ تیرے دونوں پاؤں ٹھیک ہیں، تو جا کر پھل توڑ لا تاکہ ہم کھائیں۔ اندھے نے کہا کہ مجھے تو اس کی خبر بھی نہ تھی تو نے ان کا ذکر کر کے مجھے بے چین کر دیا مگر میں مجبور ہوں کہ وہ مجھے دکھائی نہیں دیتے اور انھیں توڑنے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ باغ کا پاسبان آیا جو سمجھ دار آدمی تھا۔ لولے لنگڑے نے اس سے کہا اے پاسبان، میرا جی چاہتا ہے کہ کچھ پھل توڑ کر کھاؤں لیکن تو دیکھتا ہے کہ میں لولا لنگڑا ہوں اور یہ میرا ساتھی اندھا ہے جسے کچھ دکھائی نہیں دیتا، پھر کیا ترکیب کریں؟ پاسبان بولا افسوس ہے تم پر! تمھیں یاد نہیں تم نے باغ کے مالک سے کیا وعدہ کیا ہے کہ تم کوئی ایسی بات نہ کرو گے جس سے باغ میں خرابی پیدا ہو لہٰذا مان جاؤ اور ایسی بات نہ کرو۔ دونوں نے جواب دیا ہمیں اتنے پھل تو ضرور مل جانے چاہییں کہ ہم کھائیں، تو ہی کوئی تدبیر نکال دے۔ جب وہ اپنے خیال پر اڑے رہے تو پاسبان نے کہا اس کی ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ اندھا کھڑا ہو کر تجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا لے اور اس درخت کے پاس لے جائے جس کے پھل تجھے پسند ہوں پھر جب تو اس درخت کے پاس پہنچ جائے تو جو

پھل تیرے ہاتھ لگیں انھیں چن لے۔ یہ سُن کر اندھا اٹھا اور لولے لنگڑے کو اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ لولا لنگڑا اسے راہ بتاتا جاتا یہاں تک کہ وہ ایک درخت کے پاس پہنچا اور اس میں سے پھل پسند کر کے توڑنے لگا۔ ان کا ہمیشہ یہی دستور رہا یہاں تک کہ انھوں نے درختوں کو اُجاڑ ڈالا۔ اس کے بعد باغ کا مالک آیا اور کہنے لگا ستیاناس ہو تمھارا! یہ تم نے کیا کیا؟ کیا میں نے تم سے یہ نہ کہا تھا کہ باغ کو اُجاڑنا نہیں؟ انھوں نے کہا تجھے معلوم ہے کہ ہم کہیں چل پھر نہیں سکتے کیوں کہ ہم میں سے ایک لولا لنگڑا ہے اُٹھ نہیں سکتا اور دوسرا اندھا قریب کی چیز بھی اسے دکھائی نہیں دیتی، اس لیے ہمارا کیا جرم؟ باغ والے نے کہا شاید تمھارا یہ گمان ہے کہ میں جانتا نہیں کہ تم نے کیا کیا اور میرا باغ کیوں کر اُجاڑا۔ میں اس طرح جانتا ہوں گویا میں تمھارے ساتھ تھا۔ اے اندھے، تو نے لولے کو اپنی پیٹھ پر بٹھایا اور وہ تجھے راہ بتاتے بتاتے ایک درخت کے پاس لے گیا۔ یہ کہہ کر اس نے انھیں پکڑا اور خوب مار کر باغ سے باہر نکال دیا۔

یہاں اندھے کی مثال جسم کی ہے جو بغیر نفس کے دیکھ نہیں سکتا اور لولے لنگڑے کی مثال نفس کی ہے جو بغیر جسم کے حرکت نہیں کر سکتا۔ باغ وہ عمل ہے جس پر بندے کو جزا سزا ملتی ہے، پاسبان عقل ہے جو نیکی کی طرف اُبھارتی اور برائی سے روکتی ہے۔ اس لیے جسم اور روح دونوں ثواب و عذاب میں برابر ہیں۔ شماس نے کہا بہت ٹھیک اور میں تیری بات تسلیم کرتا ہوں۔ اب یہ بتا کہ تیرے نزدیک کون سا عالم سب سے زیادہ تعریف کے قابل ہے؟ لڑکے نے کہا جسے اللہ کا علم ہو اور اس علم سے اسے فائدہ پہنچتا ہو۔ شماس نے پوچھا وہ کون شخص ہے؟ لڑکے نے جواب

دیا جو شخص اپنے پروردگار کی خوشنودی چاہتا ہو اور اس کی ناخوشی سے بچتا ہو۔ شماس نے پوچھا ان میں سے افضل کون ہو؟ لڑکے نے جواب دیا جس کا علم اللہ کے متعلق زیادہ ہو۔ شماس نے پوچھا کس کا علم زیادہ ہو؟ لڑکا بولا جو علم پر ثابت قدمی کے ساتھ عمل کرتا ہو۔ شماس نے پوچھا ان میں سے کس کا دل زیادہ رقیق ہو؟ لڑکے نے کہا جو شخص موت کے لیے زیادہ تیار، اس کی یاد زیادہ کرتا ہو اور امید کم رکھتا ہو کیوں کہ جو شخص موت کے مصائب کا ہمیشہ خیال رکھتا ہو اس کی مثال اس شخص کی سی ہو جو صاف آئینے میں دیکھ رہا ہو کیوں کہ وہ اپنی شکل ہو بہو دیکھے گا اور آئینے سے اس کی صفائی اور چمک اور بڑھ جائے گی۔ شماس نے پوچھا کون سے خزانے سب سے اچھے ہیں؟ اس نے کہا آسمان کے خزانے۔ شماس بولا آسمان کے خزانوں میں سے کون سا بہترین ہو؟ اس نے کہا خدا کی تعظیم اور تحمید۔ شماس نے کہا دُنیا کے خزانوں میں سے کون سا افضل ہو؟ لڑکے نے کہا کہ نیکی کرنا، اور شہرزاد کو صبح ہو تی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نوسو گیارھویں رات

نوسو گیارھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب لڑکے نے جواب دیا کہ نیکی کرنا تو شماس نے کہا ٹھیک ہو میں تیری بات مانتا ہوں۔ اب تین مختلف چیزوں علم، رائے اور ذہن کے بارے میں اپنی رائے دے اور بتا کہ کون سی چیز انھیں اکٹھا کرتی ہو؟ لڑکے نے کہا علم پڑھنے سے حاصل ہوتا ہو رائے تجربے سے، ذہن سوچنے سے اور عقل انھیں

مضبوط اور بیک جارکھتی ہو۔ جس میں یہ تینوں چیزیں ہوں وہ کامل ہوتا ہو اور جو شخص ان کے ساتھ خدا کا تقویٰ بھی شامل کرلے وہ ہدایت پاتا ہو۔ شماس نے کہا ٹھیک ہو میں نے مان لیا، اب بتا کہ ایسے عالم کو جو بڑا علم والا، سمجھ دار اور ذہین و فطین ہو خواہش اور شہوت اُن حالات سے بدل دیتی ہو جن کا تو نے ذکر کیا یا نہیں ؟ لڑکے نے جواب دیا جب یہ دونوں خصلتیں انسان میں سرایت کر جاتی ہیں تو وہ اس کے علم، فہم، سمجھ اور ذہانت کو بدل دیتی ہیں اس کی مثال اس درندے شاہین کی ہو جو اپنے شکار سے دور اپنی نگاہ کی تیزی کی وجہ سے آسمان پر اُڑ رہا ہو اور اسی حالت میں اس نے دیکھا کہ چڑی مار نے جال بچھایا اور اس میں گوشت کا ٹکڑا رکھ دیا ہو۔ گوشت دیکھ کر شاہین پر خواہش نے اتنا غلبہ کیا کہ وہ جال کو بھی بھول گیا ان چڑیوں کے برے حال کو جو اس میں پھنستی ہیں وہ آسمان سے جھپٹا اور گوشت کے ٹکڑے کے پاس آتے ہی جال میں پھنس گیا۔ چڑی مار نے دیکھا کہ جال میں شاہین پھنسا ہوا ہو تو وہ بڑے تعجب سے کہنے لگا میں نے تو یہ جال اس لیے لگایا تھا کہ کبوتر یا ایسا ہی کوئی اور کم زور پرندہ پھنسے لیکن یہ شاہین کیسے پھنس گیا!۔

کہا جاتا ہو کہ جب نفسانی خواہش کسی سمجھ دار شخص کو کسی بات کی طرف لے جاتی ہو تو وہ پہلے اسے عقل کی کسوٹی پر کستا ہو اس کے برے نتیجے سوچ کر اس سے کنارہ کش ہو جاتا ہو اور اپنی نفسانی خواہش کو دبا دیتا ہو۔ لہٰذا اگر کسی شخص کو نفسانی خواہش کسی کام کی طرف مائل کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی عقل سے ایسے شہسوار کا کام لے جو شہسواری میں ماہر ہو ایسا شہسوار منہ زور گھوڑے پر سوار ہوتا ہو تو لگام زور سے کھینچتا ہو یہاں تک کہ گھوڑا

سیدھا ہو جاتا ہے اور سوار کو اس کی مرضی کے مطابق لے چلتا ہے۔ مگر جو شخص ناسمجھ ہوتا ہے نہ علم رکھتا ہے نہ رائے، ٹھیک فیصلہ نہیں کر سکتا اور نفسانی خواہشات اس پر غالب ہوتی ہیں تو وہ خواہشات کے کہنے پر چل کر تباہ ہو جاتا ہے اور اس سے بدتر حالت کسی کی نہیں ہوتی۔ شماس بولا تو نے ٹھیک کہا، میں تیری بات مانتا ہوں، اب بتا کہ علم کس وقت فائدہ پہنچاتا ہے اور عقل کب نفسانی خواہشات کو روک سکتی ہے؟ لڑکے نے جواب دیا جب ان کا مالک انھیں آخرت کی طلب میں صرف کرتا ہے، عقل اور علم دونوں مفید چیزیں ہیں لیکن انسان کو چاہیے کہ ان سے محض اس قدر دُنیا کا طالب ہو جس سے اس کی روزی چل سکے اور وہ اس کے شر سے بچ سکے باقی آخرت کے کاموں میں صرف کرے۔ شماس نے کہا کون سی بات اس کی سب سے زیادہ مستحق ہے کہ انسان اس میں لگا رہے اور اس کا دل اس میں مشغول رہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ نیک کام۔ شماس نے کہا اگر انسان نے یہ کیا تو روزی کمانے میں ہرج ہوگا، پھر روزی کمانے کی کیا ترکیب ہوگی جو اس کے لیے ضروری ہے؟ لڑکا بولا اس کا دن چوبیس گھنٹے کا ہے اس لیے اُسے چاہیے کہ اس کا ایک حصّہ روزی کمانے میں صرف کرے ایک حصّہ آرام کرنے میں اور جو باقی رہے اُس میں علم حاصل کرے کیوں کہ اگر انسان عاقل ہے لیکن علم سے بے بہرہ تو اس کی مثال بنجر زمین کی سی ہے جس میں نہ کھیتی ہو سکتی نہ باڑھ لگائی جا سکتی ہے نہ گھاس اُگ سکتی ہے، جب تک وہ زمین کام کی نہ بن جائے کہ اس میں کھیتی ہو سکے اور درخت لگائے جا سکیں تو کسی قسم کا بھی بیج اُس میں کارآمد ثابت نہ ہوگا جب وہ کھیتی کے لیے تیار ہو جائے اور اس کے بعد اس میں پود لگائی جائے تو

اس کی پیداوار اچھی ہوگی۔ یہی مثال بے علم انسان کی ہے کہ جب تک اس میں علم کی پود نہ لگائی جائے تو وہ بے سود ہے، اور جب اس میں علم بو دیا جائے تو پھل آنے لگیں گے۔ شماس نے پوچھا علم بے عقل کے کیسا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا جیسے جانور کا علم جو اس سے کھانے پینے اور جاگنے کے اوقات سیکھ لیتا ہے لیکن اس میں عقل نہیں ہوتی۔

اس پر شماس بولا کہ اس کا جواب تو نے بہت مجمل دیا لیکن میں اسے تسلیم کرتا ہوں، اب بتا میں اپنے آپ کو بادشاہ سے کیوں کر محفوظ رکھ سکتا ہوں؟ لڑکے نے جواب دیا اُسے اپنے خلاف کوئی موقع نہ دے۔ شماس بولا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اسے اپنے خلاف موقع نہ دوں حالاں کہ وہ میرے اوپر حاکم ہے اور میرے ہر کام کی باگ اس کے ہاتھ میں ہے؟ لڑکے نے جواب دیا اس کی حکومت تیرے اوپر ان حقوق کی وجہ سے ہے جو اس کے تیرے اوپر ہیں، جب تو نے اس کے حقوق ادا کر دیے تو پھر اس کی کوئی حکومت تیرے اوپر باقی نہیں رہی۔ شماس نے پوچھا بادشاہ کا حق وزیر پر کیا ہے؟ لڑکے نے کہا نصیحت ظاہر و باطن میں اس کی خدمت کرنا، نیک رائے دینا، اس کے بھیدوں کو پوشیدہ رکھنا اس سے کوئی ایسی بات نہ چھپانا جس کے جاننے کا اسے حق ہو اور جس حاجت کے پورا کرنے کا بادشاہ نے اسے حکم دیا ہو اس میں غفلت نہ کرنا، ہر طرح سے اسے راضی رکھنا اور اس کے غصے سے بچنا۔ شماس بولا وزیر کو بادشاہ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ لڑکے نے جواب دیا اگر تو بادشاہ کا وزیر ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی برائی سے بچتا رہے تو تیرا سننا اور کہنا اس سے زیادہ ہونا چاہیے جو وہ تجھ سے امید رکھتا ہے اور تجھے اس سے وہی چیز طلب کرنی چاہیے جو تیری شان کے شایاں

ہو خبردار اپنا رُتبہ اتنا نہ بڑھا ئیو کہ وہ تجھے اس کا اہل نہ سمجھے ورنہ وہ سمجھے گا کہ تو اس کے اوپر رعب ڈالنا چاہتا ہے۔ اگر تو اس کی بردباری کی وجہ سے مغرور ہو گیا اور اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھنے لگا جس کا وہ تجھے اہل نہیں سمجھتا تو تیری مثال اس شکاری کی سی ہو گی جس نے جانوروں کا شکار کر کے ان کی کھالیں اپنی ضرورت کے لیے اُتاریں اور گوشت پھینک دیا۔ پھر شیر آ کر ان جانوروں کو کھاتا رہا اور وہاں اکثر آنے جانے کی وجہ سے شیر شکاری سے مانوس ہو گیا شکاری روز اس کے آگے گوشت پھینکتا اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا اور شیر اپنی دُم ہلاتا رہا۔ اب جب کہ شکاری نے دیکھا کہ شیر اس سے مانوس ہو گیا ہے اور اس کے آگے دُم ہلاتا ہے تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ شیر مجھ سے ہل گیا ہے میں اس کا مالک بن گیا ہوں اور اب کوئی وجہ باقی نہیں کہ میں اس پر سوار ہو کر دوسرے جانوروں کی طرح اس کی کھال بھی نہ کھینچ لوں۔ اس کے بعد شکاری ہمت کر کے اُس پر چڑھ بیٹھا، لیکن جب شیر نے شکاری کی یہ حرکت دیکھی تو وہ تیش میں آ گیا اور اُس پر ایسا پنجہ مارا کہ وہ اس کے پیٹ میں گیا اُس نے شکاری کو اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر چیر پھاڑ ڈالا۔ اس سے تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وزیر کو چاہیے کہ اپنے رُتبے کے موافق بادشاہ کے پاس رہے اور اپنے آپ کو بڑا یا قابل سمجھ کر اس کے ساتھ گستاخی نہ کر بیٹھے ورنہ بادشاہ اس کی بُری گت بنائے گا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نوسو بارھویں رات

نوسو بارھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ جلی عاد کے بیٹے نے وزیر سے کہا اگر تو نے بادشاہ کے ساتھ گستاخی کی تو وہ تیری بُری گت بنائے گا۔ شماس نے پوچھا وہ کیا چیز ہے جس سے بادشاہ کے نزدیک وزیر کی شان بڑھ جاتی ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ اس امانت کے ادا کرنے سے جو اس کے سپرد کی گئی ہے مثلاً نصیحت، ٹھیک رائے اور اس کے حکموں کی تعمیل۔ شماس نے کہا تو نے پہلے بیان کیا تھا کہ بادشاہ کا حق وزیر پر یہ ہے کہ وہ اس کی ناراضگی سے پرہیز کرے اور اس کی رضامندی ڈھونڈے لیکن اگر بادشاہ کی رضامندی ہی جور و ظلم کرنے میں ہو؟ لڑکے نے جواب دیا اگر وزیر ان باتوں میں بادشاہ کا کہنا مانے تو غلطی ہے۔ ایسی حالت میں وزیر کو چاہیے کہ وہ بادشاہ کو عقل و انصاف کی راہ پر لائے، جور و ظلم سے ڈرائے، رعیّت کے ساتھ خوش اخلاقی کرنا بتائے اور ان سے جو ثواب و عذاب ہوتا ہو آگاہ کرے۔ اگر بادشاہ وزیر کی باتوں کی طرف مائل ہوگیا تو مطلب پر آیا ورنہ وہ عمدہ طرح سے بادشاہ سے جُدا ہو جائے کیوں کہ اس جُدائی میں دونوں کے لیے فائدہ ہے۔ وزیر نے کہا بادشاہ کا حق رعیّت پر اور رعیّت کا بادشاہ پر کیا ہے؟ اس نے جواب دیا بادشاہ انھیں حکم دے اسے وہ سچّی نیت سے پورا کریں اور جس بات سے وہ خدا اور اس کا رسول راضی ہو بجا لائیں۔ رعیّت کا حق بادشاہ پر یہ ہے کہ وہ ان کے مال اور عزت کی حفاظت کرے۔ رعیّت کا حق بادشاہ پر زیادہ ضروری ہے بہ نسبت بادشاہ کے حق کے کیوں کہ اگر رعیّت کا حق ضائع ہو جائے تو بادشاہ کے مُلک و دولت کا زوال ہے اور خود بادشاہ

تباہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے جس کے پاس بادشاہت ہو اُسے تین چیزوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ دین کی اصلاح، رعیت کی اصلاح اور سیاست کی اصلاح۔ ان تین چیزوں کا لحاظ رکھنے سے اس کی حکومت قائم رہتی ہے۔

اس کے بعد وزیر نے پوچھا وزیر کا حق بادشاہ پر کیا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کسی شخص کا حق بادشاہ پر اتنا ضروری نہیں ہے جتنا کہ وزیر کا۔ اس کے تین سبب ہیں: پہلے یہ کہ غلط رائے کی وجہ سے بادشاہ پر آفت آتی ہے اور ٹھیک رائے سے بادشاہ اور رعیت دونوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر رعایا کو معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کے نزدیک وزیر کا بڑا رتبہ ہے تو وہ بھی وزیر کو عزّت کی نظر سے دیکھیں گے اور اس کی فرماں برداری کریں گے۔ تیسرے یہ کہ جب وزیر دیکھے گا کہ بادشاہ اور رعایا کے نزدیک اس کا یہ رتبہ ہے تو وہ بُری باتوں کو ان کے پاس آنے سے روکے گا اور اچھا سلوک ان کے ساتھ کرے گا۔

وزیر نے کہا زبان کو جھوٹ اور بیہودہ گوئی سے روکنے، کسی کی بے عزّتی کرنے اور زیادہ باتیں کرنے کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ لڑکے نے جواب دیا انسان کو چاہیے کہ محض نیکی اور بھلائی کی باتیں زبان سے نکالے، جس بات سے اس کا تعلّق نہ ہو وہ زبان پر نہ لائے، چغلی نہ کھائے، کسی کے پاس وہ باتیں نہ لے جائے جو اس کے دشمن نے کہی ہوں، اپنے دوست یا دشمن کسی کی بُرائی بادشاہ کے سامنے نہ کرے، اور سوا خدا کے کسی کی پروا نہ کرے خواہ اس سے فائدے کی امید ہو یا نقصان کا ڈر کیوں کہ دراصل نفع اور نقصان پہنچانے والا خدا ہی ہے، کسی کا عیب نہ بیان کرے، اور جہالت کی باتیں نہ کرے تاکہ وہ خدا کے عذاب اور آدمیوں کی دشمنی سے بچا رہے۔ بات کی مثال تیر کی سی ہوتی ہے، جب نکل جائے تو کوئی اسے واپس نہیں

لا سکتا۔ اور اپنا بھید ایسے شخص سے جو اسے ظاہر کر دے، اپنا بھید دشمن کی نسبت دوست سے زیادہ چھپانا چاہیے۔ شماس بولا کہ عزیز و اقارب کے ساتھ خوش خلقی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ لڑکے نے کہا انسان کو سوا خوش خلقی کے اور کسی چیز میں راحت نہیں۔ عزیز و اقارب کے ساتھ واجبی خوش خلقی سے پیش آنا چاہیے جس کے وہ مستحق ہیں۔ وزیر نے پوچھا رشتے داروں سے کیا سلوک کرنا چاہیے؟ لڑکے نے جواب دیا۔ ماں باپ کے ساتھ فرماں برداری شیریں کلامی، اطاعت اور عزت و احترام، بھائی بندوں کے ساتھ نصیحت، مال سے ان کی مدد کرنا، ان کی خوشی پر خوش ہونا اور ان کی غلطیوں کی پردہ پوشی۔ اگر تجھے کسی اپنے بھائی پر اعتماد ہو تو اس کے ساتھ محبت، ہر بات میں اس کا مددگار رہو، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ... ...

نو سو تیرھویں رات

نو سو تیرھویں رات، ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! مذکورہ باتوں کا جواب پانے کے بعد وزیر شماس نے جلی عاد بادشاہ کے بیٹے سے کہا بھائی بند دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو سچے، دوسرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے۔ سچے بھائی بندوں کے بارے میں تو تو کہہ چکا ہے اب ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے بھائی بندوں کے متعلق بتا۔ لڑکے نے کہا ان سے تجھے لذت، خوش خلقی، شیریں کلامی اور صحبت کے آداب ملتے ہیں، اس لیے ان سے الگ تھلگ نہ رہنا چاہیے بلکہ ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہیے جو وہ تیرے ساتھ کرتے ہیں اور جس خندہ پیشانی اور خوش کلامی سے وہ تیرے ساتھ پیش آتے

ہیں تو بھی ان کے ساتھ پیش آ۔ اس طرح سے تیری زندگی مزے سے گزرے گی اور تو ان میں مقبوٗل ہوگا۔ شماس نے کہا اب یہ بتا کہ جو رزق خدا کی طرف سے مقدر ہے کیا وہ ساری زندگی کے لیے ہے؟ اور اگر یہ واقعہ ہے تو روزی کا طالب یہ جاننے کے بعد بھی کیوں محنت و مشقت کرتا ہے؟ پھر اگر مقدر نہیں ہے تو وہ کتنی ہی کوشش کرے اسے نہیں ملے گا۔ ایسی حالت میں کیا اسے کوشش چھوڑ دینی واجب ہے اور خدا پر بھروسا کر کے اپنے جسم کو آرام دینا چاہیے؟ لڑکے نے کہا یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہر ایک کا رزق مقدر اور موت لابدی ہے تاہم ہر رزق کے لیے راستے اور اسباب ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اگر روزی کا طالب تلاش چھوڑ دے تو اسے آرام ملے گا لیکن باوجود اس کے اُس کے لیے تلاش ضروری ہے۔ اور طالب کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جسے روزی مل جاتی ہے اور دوسرا جو محروم رہتا ہے۔ پہلے کی دو حالتیں ہیں، اس کی روزی کا ملنا اور اس کی تلاش کا نتیجہ اچھا ہونا۔ محروم کو تین طرح سے آرام مل سکتا ہے، روزی کی تلاش کی قابلیت سے، لوگوں پر بار نہ ہونے سے اور ملامت کا شکار نہ بننے سے۔ شماس بولا روزی کی تلاش کا طریقہ کیا ہے؟ لڑکا بولا جو کچھ خدا نے حلال کر رکھا ہے اُسے حلال سمجھے اور جو حرام کر دیا ہے اس سے بچا رہے۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد ان کے درمیان سوال و جواب بند ہو گئے۔ شماس اور دوسرے علما نے جو وہاں موجود تھے اُٹھ کر لڑکے کے آگے سجدہ کیا، اس کی تعظیم کی، اسے سراہا، باپ نے اسے سینے سے لگا لیا اسے شاہی تخت پر بٹھایا اور کہنے لگا شکر ہے خدا کا کہ اس نے میری زندگی میں مجھے ایسا بیٹا دیا جس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ اب لڑکے نے تمام علما کے روٗبروٗ شماس سے کہا اے عالم اور روٗحانی مسئلوں کے ماہر، اگرچہ خدا نے

مجھے تھوڑا ہی سا علم دیا ہر لیکن میں تیرا شکرگزار ہوں کہ تو نے میرے جوابوں کو مان لیا خواہ جواب ٹھیک تھے یا غلط اور غلطیوں کو معاف کردیا۔ اب میں تجھ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں جن کے سمجھنے سے میری عقل عاجز، استطاعت ناکافی اور زبان گونگی ہر۔ ان کا سمجھنا میرے لیے ایسا ہی مشکل ہر جیسے کالے برتن میں صاف پانی، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تو ان کی تشریح کردے تاکہ مجھ جیسا شخص بھی انھیں سمجھ لے جس طرح خدا نے پانی میں زندگی کھانے میں قوت اور طبیب کے علاج میں مریض کے لیے شفا رکھی ہر اسی طرح عالم کے علم میں جاہل کے لیے روشنی، لہٰذا کان دھر کر میری بات سُن۔

شماس نے کہا اے روشن عقل اور عمدہ مسائل کے ماہر، میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تو پوچھے گا اس میں تیری رائے زیادہ صائب ہوگی کیوں کہ جو علم خدا نے تجھے دیا ہر کسی اور کو نہیں دیا، بہ ہر حال کہہ کہ تو مجھ سے کیا پوچھنا چاہتا ہر؟

لڑکے نے کہا یہ بتا کہ خدا نے کس چیز سے مخلوقات کو پیدا کیا کیوں کہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ تھی لیکن اس دُنیا میں نظر یہی آتا ہر کہ ایک چیز کسی دوسری چیز سے پیدا ہوئی ہر؟ وزیر شماس نے جواب دیا کمھار اور دوسرے کاریگر اس قابل نہیں کہ بغیر ایک چیز کے دوسری چیز پیدا کرسکیں کیوں کہ وہ خود مخلوق ہیں لیکن اگر اس خالق کی قدرت جاننا چاہتا ہر جس نے تمام چیزیں ایجاد کی ہیں تو طرح طرح کی مخلوقات کو خوب غور سے دیکھ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اس کی قدرت اس درجے ہر کہ وہ چیزوں کو بے کسی چیز کے پیدا کرسکتا ہر بلکہ انھیں خالص عدم سے وجود میں لا سکتا ہر کیوں کہ عناصر جن سے چیزیں بنتی ہیں کچھ نہ تھے۔ اس کا ثبوت تجھے دن اور

رات سے مل سکتا ہے، جب دن چھپ جاتا اور رات آجاتی ہے تو ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ دن کہاں چلا گیا۔ اسی طرح جب رات کا اندھیرا اور وحشت دور ہو جاتی ہے اور دن نکل آتا ہے تو ہمیں اس کا پتا نہیں چلتا کہ رات کہاں گئی ۔ اسی طرح جب سورج نکلتا ہے تو ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی روشنی کہاں لپٹی ہوئی ہے اور جب وہ ڈوب جاتا ہے تو ہمیں یہ پتا نہیں چلتا کہ غروب کے وقت وہ کہاں ہے۔ اسی طرح کی مثالیں اور بہت سی ہیں جن سے عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ لڑکے نے کہا کہ عالِم! تو نے خدا کی قدرت اس اچھے پیرائے میں بیان کی کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا، اب یہ بتا کہ خدا نے مخلوقات کو ایجاد کس طرح کیا؟ شماس نے جواب دیا اس کلمے سے جو عالم کی پیدائش سے پہلے موجود تھا اسی سے اس نے تمام چیزیں پیدا کیں۔ لڑکے نے کہا کہ کیا خدا نے چیزوں کے وجود سے پہلے انھیں پیدا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا؟ شماس نے جواب دیا ہاں اور اسی ارادے کے ساتھ اس نے انھیں ایک کلمے سے پیدا کر دیا، اگر اس میں گویائی نہ ہوتی اور منھ سے کوئی بات نکال نہ سکتا تو آج مخلوقات کا وجود نہ ہوتا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ......

نو سو چودھویں رات

نو سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! ان سوالوں کا جواب دینے کے بعد شماس نے کہا پیارے بیٹے! جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کے خلاف کوئی شخص کچھ نہیں کہہ سکتا بہ شرطے کہ وہ شریعت کی باتوں کی تاویل توڑ مروڑ کر نہ کرے اور سچی باتوں کو جھٹلا نہ کرے۔ اور اگر تو

کہے کہ کلمے میں قوت ہے تو خدا اس عقیدے سے بچائے، بلکہ ہمارا یہ کہنا کہ
خدا نے مخلوقات کو اپنے ایک بول سے پیدا کیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا
اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے نہ یہ کہ اس کے بول میں قدرت ہے۔ قدرت
تو خدا کی ایک صفت ہے جس طرح کہ باتیں کرنا وغیرہ جو مکمل صفتیں ہیں خدا
ہی کی صفتیں ہیں، لہٰذا خدا کی صفت میں اس کے کلام کا لانا ضروری ہے جس
طرح اس کے کلام کی صفت میں خدا کا لانا۔ خدا نے اپنے کلام سے ہر چیز
کو پیدا کیا اور بے کلام کے کچھ نہیں۔ ہر چیز کو وہ اپنے سچ کلام سے وجود
میں لایا اس لیے ہم بھی سچ سے پیدا ہوے ہیں۔ لڑکے نے کہا تو نے کہتا ہے کہ
خدا نے مخلوقات کو اپنے سچ کلام سے پیدا کیا اور حق باطل کا مخالف ہے،
پھر باطل کہاں سے آیا؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ باطل حق سے مل کر مشتبہ
اور لوگوں کو دونوں میں فرق کرنا مشکل ہو گیا یہاں تک کہ انھیں دونوں میں
فرق کرنے کی ضرورت پڑ گئی؟ دوسرے یہ کہ خدا اس باطل کو پسند کرتا ہے
یا اس کے خلاف؟ اگر تو کہے کہ وہ حق کو پسند کرتا ہے اس نے اسی سے
ساری خلقت پیدا کی ہے اور وہ باطل کا دشمن ہے تو پھر یہ کیسے ہوا کہ باطل
جس سے خدا کو بغض ہے حق میں جا کر شامل ہو گیا جس سے خدا کو محبت ہے؟
شماس نے جواب دیا یہ سچ ہے کہ خدا نے انسان کو حق سے پیدا کیا اور انسان
کو اس وقت تک توبہ کی ضرورت نہ پڑی جب تک باطل حق میں مل جل نہ گیا،
اس حق میں جس کے ساتھ انسان اس وجہ سے پیدا کیا گیا تھا کہ اس میں ایک
استطاعت ہے جس کا نام ارادہ ہے اور ایک میل ہے جسے کسب کہتے ہیں۔ اس
لحاظ سے جب باطل حق سے مل گیا تو حق اور باطل میں امتیاز باقی نہ رہا اس
کی وجہ انسانی ارادہ، استطاعت، کسب اور اس کی طبیعت کی کمزوری ہے۔

یہاں پہنچ کر خدا نے توبہ پیدا کی تاکہ باطل کو اس سے پھیر دے اور حق پر لا جمائے۔ پھر اگر وہ باطل پر مُصر رہا تو اس کے لیے عذاب پیدا کیا۔ لڑکے نے پوچھا آخر اس باطل کو حق کے سامنے پیش کرنے کی کیا ضرورت پڑی کہ دونوں گڈمڈ ہو گئے اور انسان عذاب کا کیوں مستحق ہوا کہ اسے توبہ کی ضرورت پڑی؟ شماس نے جواب دیا جب خدا نے انسان کو حق کے ساتھ پیدا کیا تو اسے اس نے اپنا محبوب بنایا، اس وقت تک نہ عذاب کا وجود تھا نہ توبہ کا۔ یہ حالت اس وقت تک رہی کہ خدا نے انسان کے لیے نفس پیدا نہ کیا جو ایک طرف تو انسانیت کا کمال ہے اور دوسری طرف اس پر خواہشات کے میل کی مہر لگی ہوئی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ باطل اس حق سے مل کر گڈمڈ ہو گیا جس کے ساتھ انسان پیدا کیا گیا تھا اور اس کی فطرت پر خدا کی محبّت کی مہر لگائی گئی تھی۔ اس منزل پر پہنچ کر انسان حق سے مڑ کر گناہ میں جا پڑا اور یہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص حق سے منہ موڑے گا باطل میں جا پڑے گا۔

اب لڑکے نے پوچھا کیا گناہ، اور مخالفت کی وجہ سے باطل نے حق پر قابو پالیا؟ شماس نے جواب دیا یہی بات ہے کیوں کہ خدا انسان کو چاہتا ہے اور اسی محبّت کی زیادتی کی وجہ سے خدا نے اسے اپنا محتاج بنایا ہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان بھٹک جاتا ہے کیوں کہ نفس کا میلان خواہشات کی طرف ہے وہ پیچھے ہٹتا ہے، گناہ کے سبب باطل میں جا پڑتا ہے اور اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا ہے لہٰذا وہ عذاب اور سزا کا مستحق ٹھیرتا ہے، لیکن جب وہ توبہ کر کے باطل کو دور کر دیتا ہے اور حق کی محبّت کی طرف رجوع کرتا ہے تو ثواب کا مستحق ٹھیرتا ہے۔ لڑکے نے کہا گناہ کی ابتدا کیا ہے، حالاں کہ ساری خلقت اپنی ابتدا آدم سے بتاتی ہے، اور اللہ نے انھیں حق۔

پیدا کیا ہے۔ پھر یہ کیوں کر ہوا کہ انھوں نے گناہ کو جلب کر لیا اور پھر اس کے بعد توبہ کو جس کا نتیجہ ثواب ہو سکتا ہے یا عذاب ؟ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ گناہ کی طرف مائل ہیں جو خدا کی ناراضگی کی وجہ ہے اور بعض لوگ خدا کی رضامندی اور طاعت کی طرف جس کی وجہ سے وہ اس کی رحمت اور ثواب کے مستحق ہیں۔ اس اختلاف کا سبب کیا ہے؟ شماس نے کہا دنیا میں یہ معصیت سب سے پہلے ابلیس کی وجہ سے آئی جو شروع میں فرشتوں اور جن و انس سب سے بزرگ تھا، اس پر محبت کی مہر تھی، اس کے سوا وہ کچھ نہ جانتا تھا۔ جب اس کی یہ تخصیص ہو گئی تو اس میں غرور، بڑائی، گھمنڈ، ایمان اور خدا کی طاعت سے تکبر سرایت کر گیا، اس لیے خدا نے اسے ساری مخلوقات سے پست کر دیا اور اسے محبت نکال کر معصیت میں ڈال دیا۔ جب ابلیس نے دیکھا کہ خدا معصیت کو دوست نہیں رکھتا اور آدم حق، محبت اور خدا کی طاعت کا پتلا ہے تو وہ حسد کرنے لگا اس نے آدم کو حق سے باہر کرنے کے لیے ایک چال چلی تاکہ وہ باطل میں ان کا شریک ہو جائے، اس لیے آدم پر بھی عذاب لازم آیا مگر چوں کہ خدا جانتا تھا کہ انسان کم زور ہے جلدی سے دشمن کے کہے میں آ جاتا ہے اور حق کو چھوڑ دیتا ہے تو خدا نے اپنی رحمت سے اس کے لیے توبہ پیدا کی تاکہ وہ معصیت کے بھنور سے نکل آئے اور توبہ کے ہتھیار سے اپنے دشمن ابلیس کو زیر کر کے حق کی طرف آ جائے جو اس کی سرشت ہے۔ ابلیس کو معلوم ہوا کہ خدا نے اس کی رسّی ڈھیلی کر رکھی ہے تو وہ انسان کے خلاف لڑائی کرنے کے لیے تیار ہو گیا اور اس پر ایسی ایسی چالیں چلا کہ وہ خدا کی رحمت سے نکل کر خدا کی ناراضگی کا مستحق ہو جائے جس میں ابلیس اور اس کا لشکر مبتلا ہے۔ اس کے جواب

میں خدا نے انسان کو توبہ کی استطاعت دے دی اور اسے حکم دیا کہ وہ حق سے ملا رہے، اس پر مداومت کرے، معصیت اور خدا کی خلاف ورزی سے منع کیا اور اسے الہام کیا کہ زمین پر تیرا ایک جنگ جو دشمن ہے، اس سے دن رات کبھی بے خبر نہ ہو جیو۔ یہی وجہ ہے کہ اگر انسان حق کا ساتھ دے تو وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اگر اس کا نفس اس پر غالب آکر اُسے نفسانی خواہشوں کی طرف لے جائے تو عذاب کا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔ ۔ ۔ ۔

نوسو پندرھویں رات

نوسو پندرھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! ان سوالوں کے بعد لڑکے نے پوچھا انسان کے پاس ایسی کون سی قوت ہے جس کے برتے پر اس نے اپنے خالق کی مخالفت کی حالانکہ وہ اتنا زبردست ہے کہ کوئی چیز اسے نیچا نہیں دکھا سکتی نہ اس کے ارادے سے باہر قدم رکھ سکتی ہے۔ کیا تیرا یہ خیال نہیں کہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ اپنی مخلوق کو اس معصیت سے پھیر دے اور انھیں ہمیشہ محبت میں لگا رکھے؟ شماس نے جواب دیا خدا ان پر مہربان ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں، اس نے انھیں نیکی کا راستہ دکھا دیا ہے اور جو نیکی وہ کرنا چاہیں اس کی قدرت اور استطاعت انھیں دے رکھی ہے، اگر وہ اس کے خلاف کریں تو ہلاکت اور معصیت میں جا پڑتے ہیں۔ لڑکے نے کہا اگر خدا ہی نے انھیں استطاعت دی جس کی وجہ سے وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں تو خدا ان کے اور ان کے باطل کے درمیان حائل کیوں نہیں ہو جاتا تاکہ وہ انھیں حق کی طرف پھیر دے؟ شماس نے جواب دیا اس کی وجہ خدا کی بڑی رحمت

اور مکمل حکمت ہے، وہ ایک بار ابلیس پر ناراض ہوا اور اسے معاف نہیں کیا، اسی طرح اس نے ایک بار اپنی رحمت سے آدم کو توبہ عطا کی اور ناراضگی کے بعد راضی ہوگیا۔ لڑکا بولا یہ واقعی ٹھیک ہے کیوں کہ خدا ہر ایک کے عمل کا بدلہ دیتا ہے اور سوا اس کے کوئی ایسا خالق نہیں جو ہر چیز پر قادر ہو۔ لیکن یہ بتا کہ آیا خدا نے وہ سب چیزیں پیدا کیں جو اسے پسند تھیں اور ناپسند یا فقط وہی جو اُسے پسند تھیں۔ شماس بولا پیدا تو اس نے سب چیزیں کی ہیں مگر راضی انھی سے ہے جو اُسے پسند ہیں۔ لڑکے نے پوچھا یہ دو چیزیں کیسی ہیں؛ ایک وہ جن سے خدا راضی ہوتا ہے اور ثواب دیتا ہے، دوسری وہ جن سے خدا ناراض ہوتا ہے اور عذاب نازل کرتا ہے؟ وہ خیر اور شر ہیں جو جسم اور روح دونوں میں مرکب ہیں۔ شماس نے کہا خیر اور شر وہ اعمال ہیں جو جسم اور روح سے صادر ہوتے ہیں، ان میں سے خیر کو اس لیے خیر کہتے ہیں کہ اس میں خدا کی رضامندی ہے اور شر کو شر اس لیے کہ اس میں خدا کی ناراضگی ہے۔

اس کے بعد لڑکے نے کہا یہ بتا کہ پانچوں حواس خیر کے لیے پیدا کیے گئے ہیں یا شر کے لیے؟ شماس بولا خدا نے انسان کو حق پر پیدا کیا ہے اور اسے محض عدل و انصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے لیکن اس کے نفس میں خواہشات کی طرف بھی میلان ہے اور یہ پانچوں حواس محض سبب ہیں ثواب یا عذاب کے۔ خدا نے ان پانچوں کو قدرت عطا کی ہے کہ وہ عمل اور حرکت کر سکیں اور حکم دیا ہے کہ کوئی کام ایسا نہ کریں جو اس کی مرضی کے خلاف ہے۔ گویائی میں وہ سچ سے راضی ہے اور اس کے خلاف جھوٹ سے ناراض، نظر اس چیز کی طرف اسے پسند ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے نہ کہ اس چیز کی طرف جو اسے ناپسند ہے مرغوب نہیں۔ کان کی یہ بات اسے بھلی معلوم ہوتی ہے کہ وہ سوا حق کے اور کچھ نہ سنے

مثلاً نصیحت اور جو کچھ خدا کی کتابوں میں مذکور ہے اور جس چیز سے خدا ناراض ہوتا ہے اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ یہی حالت دونوں ہاتھوں اور دونوں پانوؤں کی ہے۔ ان کے علاوہ جو باتیں انسان کرتا ہے وہ اس طرح صادر ہوتی ہیں کہ روح جسم کو حکم دیتی ہے۔ شہوت جو جسم سے صادر ہوتی ہے دو قسم کی ہے: تناسل کی شہوت اور پیٹ کی شہوت۔ اگر تناسل کی شہوت حلال ہو تو وہ خدا کو پسند ہے اگر حرام ہو تو ناپسند۔ پیٹ کی شہوت کھانا پینا ہے، ان میں سے خدا کو یہ پسند ہے کہ وہ حلال کھائے اور خدا کا شکر کرے اور ناپسند یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو کھائے پیے جن کا حق اُسے نہیں ہے۔ ان کے سوا جتنے احکام ہیں سب باطل ہیں۔ لڑکے نے کہا کیا خدا کو پہلے سے معلوم تھا کہ آدم اس درخت کا پھل کھا کر جسے خدا نے منع کیا ہے طاعت سے نکل کر معصیت میں جا پڑے گا؟ شماس نے جواب دیا ہاں آدم کے پیدا ہونے سے پہلے خدا کو یہ معلوم تھا اس لیے اس کا بھنور میں پھنس جانا اور اُس کی غلطی اُس کی نسل میں چلی آ رہی ہے۔ اس کے بعد خدا نے نبی اور رسول بھیجے، انھیں کتابیں عطا کیں، انھوں نے ہمیں شریعتیں سکھائیں اور ان کتابوں میں جو احکام اور نصائح تھے انھیں تفصیل کے ساتھ ہمیں سمجھایا اور یہ بتایا کہ ہم کو کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہیے۔ جو ان حدود کے اندر رہا وہ کامیاب ہوا اور فائدے میں رہا مگر جس نے ان حدود سے تجاوز کیا ان نصیحتوں کے خلاف عمل کیا وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نامراد رہا۔ بس یہی ہے راستہ نیکی اور بدی کا۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے اور جو خواہشات اس نے ہمارے لیے پیدا کی ہیں اپنی مرضی اور ارادے سے کی ہیں اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم حلال طور پر ان سے فائدہ اٹھائیں، اگر ہم حرام طریقے سے انھیں استعمال کریں گے تو اس میں ہمارے لیے بُرائی ہے۔ لہٰذا جو نیکی ہمیں ملے

وہ خدا کی طرف سے ہے اور بدی خود ہماری ذات سے ہے نہ کہ خدا کی طرف سے،
اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . . .

نوسوسولھویں رات

نوسو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! اس سوال و جواب کے بعد جلیعاد بادشاہ کے بیٹے نے شماس وزیر سے پوچھا مجھے اس بات پر تعجب آتا ہے کہ بنی آدم آخرت سے بے خبر، اس کی یاد سے غافل اور دنیا سے لو لگائے رہتے ہیں حالاں کہ انھیں معلوم ہے کہ وہ اسے ایک دن ذلت سے چھوڑ کر باہر جانے والے ہیں۔ شماس نے جواب دیا بدترین شخص وہی ہے جو دنیا کے فریب میں آکر آخرت کو بھول گیا ہو۔ اگر انسان کو معلوم ہوتا کہ موت کے وقت اس پر کیا مصیبت آتی ہے اور کن کن لذتوں اور عیشوں سے اسے ہاتھ دھونا پڑتا ہے تو دنیا کو ہرگز منہ نہ لگاتا اور اسے یقین ہوتا کہ آخرت ہمارے لیے بہتر اور زیادہ فائدہ مند ہے۔ اس کے بعد ایک عالم نے جو وہاں موجود تھا کہا میں نے آج تم لوگوں سے وہ وہ مسئلے سنے ہیں جو میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنے تھے۔ اس لیے مجھے ہمت ہوئی ہے کہ میں بھی تم سے کچھ پوچھوں۔ بتاؤ کہ دنیا کی بہترین نعمتیں کیا ہیں؟ لڑکے نے کہا تن درستی، حلال رزق اور نیک اولاد۔ عالم نے کہا وہ چار چیزیں کیا ہیں جو تمام مخلوق میں مشترک ہیں؟ لڑکے نے کہا کھانا پینا، سونا، عورت کی خواہش اور موت کی تکلیف۔ عالم نے کہا کہ سب سے احمق کون ہے؟ لڑکے نے کہا جو پیٹ کے دھندے میں ہمیشہ پڑا رہتا ہے۔

اب شماس نے بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا ای بادشاہ! تو ہمارا بادشاہ ہی اور ہم چاہتے ہیں کہ تو اپنے بعد اپنے بیٹے کو بادشاہ بنا دے اور ہم فرماں بردار رعایا رہیں۔ بادشاہ نے تمام علما اور دوسرے حاضرین سے کہا یہ بات سن رکھو، یاد رکھو اسی پر عمل کرنا اور میرے بیٹے کا حکم ماننا کیوں کہ میں اسے اپنا نائب اور خلیفہ بناتا ہوں۔ جس وقت بادشاہ زادے کی عمر سترہ برس کی ہوئی تو بادشاہ بیمار پڑا اور اتنا بیمار کہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ موت کا پیغام آگیا ہی تو اس نے گھر والوں سے کہا کہ یہ بیماری موت کی بیماری ہی، میرے عزیزوں اور بیٹے کو بلاؤ میری رعایا کو حاضر کرو۔ لوگوں نے جا کر دوُر اور نزدیک ڈھنڈورا پیٹا سب کے سب بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوے اور کہا جہاں پناہ! تیرا مزاج کیسا ہی؟ اس نے جواب دیا یہ آخری مرض ہی اور قضا کا تیر ٹھیک آکر میرے لگا ہی، آج دُنیا میں میرا آخری دن اور آخرت کا پہلا دن ہی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے سے کہا قریب آ۔ لڑکا قریب آیا اور اتنا رویا کہ فرش تر ہو گیا، بادشاہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور تمام حاضرین رو پڑے۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے سے کہا بیٹا! رو نہیں، میں پہلا شخص نہیں ہوں جسے یہ دن دیکھنا پڑا ہی بلکہ یہ دن تو تمام لوگوں کے لیے لابدی ہی۔ بیٹا! خدا سے ڈرتا رہیو اور بھلے کام کیجیو تاکہ وہ پہلے سے اُس جگہ پہنچ جائیں جہاں سب کو ایک روز جانا ہی۔ خواہشات کی پیروی نہ کیجیو اور کھڑے بیٹھے سوتے جاگتے خدا کی یاد کرتے رہیو اور سچ بولنے کو اپنا دستور بنائیو، بس یہ میری آخری نصیحت تیرے لیے ہی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔۔۔۔۔۔

نوسوسترھویں رات

نوسوسترھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ جلی عاد اپنے بیٹے کو وصیت کر چکا تو بیٹے نے کہا ابا جان! تو جانتا ہے کہ میں ہمیشہ تیرا فرماں بردار رہا ہوں، تیری نصیحتیں مانی ہیں، تیرے حکموں کی تعمیل کی ہے، تجھے خوش رکھنے کی کوشش کی ہے اور تو نے بھی میرے ساتھ بہترین باپ ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ بہترین تربیت دینے کے بعد اب تو مجھے چھوڑ رہا ہے اور میں تجھے روک نہیں سکتا۔ اگر میں نے تیری وصیت پر عمل کیا تو میں نیک بخت ہو جاؤں گا اور مجھے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ بادشاہ اس وقت سخت سکرات کی حالت میں تھا کہنے لگا پیارے بیٹے! دس عادتوں کو مت چھوڑیو تاکہ تجھے دین و دنیا میں فائدہ پہنچے: تجھے غصہ آئے تو پی جائیو، مصیبت پڑے تو صبر کیجیو، بات کیجیو تو سچ بولیو، وعدہ کرے تو پورا کیجیو، فیصلہ کیجیو تو انصاف کے ساتھ، کم زور کو معاف کیجیو، اپنے حکام کی تعظیم کیجیو، دشمنوں کو معاف کیجیو، بلکہ ان کے ساتھ نیکی کیجیو، ایذا نہ پہنچائیو۔ اس کے بعد تمام علما اور امرا کو جو حاضر تھے مخاطب کر کے کہا خبردار اپنے بادشاہ کی مخالفت نہ کرنا نہ اپنے بڑوں کی نافرمانی ورنہ تمھارا ملک تباہ ہو جائے گا، تم تتر بتر ہو جاؤ گے، تمھیں جانی اور مالی نقصان پہنچے گا اور تمھارے دشمن تم پر قابو پائیں گے۔ تمھیں معلوم ہے کہ تم نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا، بس وہی عہد و پیماں تمھارا اس لڑکے کے ساتھ ہونا چاہیے۔ تمھیں اس کی فرماں برداری کرنی چاہیے کیوں کہ اس میں تمھاری بھلائی ہے، اس کے ساتھ ایسی ہی ثابت قدمی دکھانا جیسی تم میرے ساتھ دکھاتے رہے ہو، اس سے تمھاری حالت سدھری رہے گی۔

لو یہ تمھارا بادشاہ اور تمھارا آقا، والسلام۔

اس کے بعد موت کی تکلیف اور بڑھ گئی، بادشاہ کی زبان بند ہو گئی اس نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگالیا، اُسے بوسہ دیا اور خدا کا شکر ادا کیا، پھر اس کی روح نکل گئی تمام لوگ رونے پیٹنے لگے اور اسے کفن پہنا کر بڑی شان و شوکت سے دفن کیا۔ دفن کر کے وہ لڑکے کے ساتھ لوٹے، اُسے شاہی پوشاک پہنا کر باپ کا تاج اس کے سر پر رکھا، اُنگلی میں انگوٹھی پہنائی اور شاہی تخت پر اُسے بٹھا دیا۔ تھوڑے دنوں تک تو لڑکا علم و عدل اور احسان میں اپنے باپ کے قدم بہ قدم چلتا رہا پھر دنیاوی خواہشات نے اُسے اپنی طرف کھینچا وہ اس کی لذتوں میں پڑ گیا اور باپ کی نصیحتیں بھلا دیں، حکومت کے کاروبار چھوڑ دیے اور خوب صورت عورتوں کی اُسے ایسی لت پڑ گئی کہ جہاں کہیں اسے حسین صورت کا پتا چلتا اُسے بلا کر نکاح میں لے آتا۔ اس طرح سے اس کے پاس اتنی عورتیں اکٹھی ہو گئیں جتنی بنی اسرائیل کے بادشاہ سلیمان بن داؤد کے پاس بھی نہ ہوں گی۔ وہ ان کی صحبت سے ایک ایک مہینے تک باہر نہ نکلتا نہ اپنے ملک کا حال پوچھتا نہ رعیّت کی فریاد سنتا، اگر وہ اسے لکھتے تو جواب تک نہ دیتا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ وہ ان کے کاموں سے اس درجے پہلوتہی کرتا ہے تو انھیں یقین ہو گیا کہ عنقریب ان پر کوئی آفت آنے والی ہے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور ان کی یہ رائے ہوئی کہ چلو بڑے وزیر شماس کے پاس چل کر اُس کے آگے اپنا دکھڑا روئیں تاکہ وہ بادشاہ کو سمجھائے ورنہ ہم پر جلد کوئی بلا نازل ہونے والی ہے۔ دنیا کے مزوں نے بادشاہ کے حواس معطل کر دیے ہیں اور اُسے اپنے جال میں پھانس لیا ہے۔

یہ فیصلہ کرکے وہ شماس کے پاس آئے اور کہنے لگے اے عالم حکیم! اس بادشاہ کی آنکھیں دنیا کی اندھا بنانے والی روشنیوں سے چندھیا گئی ہیں اور لذّتوں نے اس کو اپنے جال میں پھانس رکھا ہے۔ وہ باطل کی طرف مائل ہے اور اپنے مُلک کو تباہ کررہا ہے۔ مُلک کی تباہی کے ساتھ رعایا بھی تباہ ہوجائے گی اور ہم سب برباد ہوجائیں گے۔ ہم مہینوں تک اس کی راہ دیکھتے رہتے ہیں لیکن وہ نظر نہیں پڑتا نہ ہمارے لیے وزیر کے پاس کوئی حکم بھیجتا ہے نہ کسی اور کے پاس۔ اب ہم تیرے پاس اس لیے آئے ہیں کہ تجھے حقیقت سے آگاہ کریں کیوں کہ تو ہمارا بڑا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس مُلک میں تو ہو اُس پر آفت نازل ہو؟ اگر تو بادشاہ کو سدھار نہیں سکتا تو پھر کوئی اسے سدھار نہیں سکتا۔ لہٰذا جاکر اس سے بات کر، ممکن ہے کہ وہ تیری بات مان لے اور خدا کے احکام کی تعمیل کرنے لگے۔ شماس اٹھ کر ایک غلام کے پاس گیا جس کے ذریعے سے اُسے بادشاہ سے ملنے کی امید تھی اور کہا اچھے لڑکے، مہربانی کرکے بادشاہ سے اجازت لے آکہ میں اس کے پاس جاسکوں کیوں کہ مجھے اس سے ایک ایسا کام ہے کہ چار آنکھیں کیے اور جواب لیے بغیر چارہ نہیں غلام نے جواب دیا اے میرے آقا! خدا کی قسم ایک مہینے سے اس نے کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دی بلکہ اس اثنا میں میں نے بھی اس کی شکل نہیں دیکھی لیکن میں تجھے بتا سکتا ہوں کہ کون تجھے اس تک پہنچا سکتا ہے۔ وہ فلاں غلام ہے جو بادشاہ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتا ہے اور باورچی خانے سے اس کے لیے کھانا لاتا ہے۔ جب وہ کھانا لینے باورچی خانے جائے تو اس سے درخواست کیجیو، وہ تیرا کام کردے گا۔ شماس باورچی خانے کے دروازے پر جاکر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد غلام آیا اور باورچی خانے میں جانے لگا

شماس نے اس سے کہا بیٹا! میں بادشاہ سے ایک خاص بات کہنے کے لیے ملنا چاہتا ہوں تجھ سے درخواست ہے کہ جب وہ ناشتا کر چکے اور اس کی طبیعت بحال ہو تو میری خبر کر کے میرے لیے اندر آنے کی اجازت مانگ لیجیو۔ غلام نے کہا سر آنکھوں پر۔ غلام کھانا لے کر بادشاہ کے پاس گیا وہ کھا چکا اور اس کی طبیعت بحال ہو گئی تو غلام نے کہا شماس دروازے پر کھڑا ہے اور تجھ سے اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے تاکہ چند خاص باتیں عرض کرے۔ یہ سن کر بادشاہ سہم گیا اور گھبرا کر غلام سے کہا اُسے بلا لا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ......

نو سو اٹھارھویں رات

نو سو اٹھارھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ نے غلام سے کہا کہ شماس کو بلا لا۔ شماس نے اندر آ کر بادشاہ کے آگے سجدہ کیا اس کے ہاتھ چومے اور اُسے دعا دی۔ بادشاہ نے کہا شماس! تجھے ایسی کون سی ضرورت آ پڑی کہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے؟ شماس نے کہا ایک زمانے سے میں نے اپنے آقا بادشاہ کی صورت نہیں دیکھی تھی دیدار کا بہت مشتاق تھا، یہ خوش قسمتی مجھے حاصل ہو گئی پھر ایک بات اور بھی عرض کرنی تھی۔ بادشاہ بولا کہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ شماس نے کہا اے بادشاہ! خدا نے تجھے بچپن سے اتنا علم اور اتنی عقل دی ہے کہ تجھ سے پہلے کسی بادشاہ کو نہ اتنی عقل دی ہوگی نہ اتنا علم اُس پر تجھے بادشاہی دے کر اپنا فضل و احسان مکمّل کر دیا لیکن خدا چاہتا ہے کہ تو نافرمانی کر کے اپنے آپ کو اس احسان کے ناقابل نہ ٹھیرا۔ اپنے خزانوں

اور مال کے برتے پر خدا سے جنگ نہ کر اس کے حکموں کی تعمیل سے منھ نہ پھیر۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ دنوں سے تو اپنے باپ اور اس کی وصیتوں کو بھول گیا ہے، اس کے عہد و پیماں کو چھوڑ دیا ہے، اس کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے، اس کے عدل و احکام سے دُور جا پڑا ہے، خدا کی نعمتوں کو ٹھکرا رہا ہے اور ان کے احسان سے واسطہ نہیں رکھا ہے۔ بادشاہ نے پُوچھا یہ کیوں کر؟ یہ تو کس وجہ سے کہتا ہے؟ شماس بولا اس وجہ سے کہ تو نے حکومت اور رعایا کے کاروبار جو خدا نے تیرے سپرد کیے ہیں چھوڑ رکھے ہیں اور دُنیا کی کم مایہ خواہشات میں لگ گیا ہے جو تیرے نفس کو پسند ہیں۔ اے بادشاہ! میرا مشورہ یہ ہے کہ تو اپنے انجام پر خوب غور کر تاکہ تجھے وہ روشن راستہ دکھائی دینے لگے جس میں نجات ہے اس تھوڑی اور فانی لذّت سے دل نہ لگا ورنہ تو بربادی کے بھنور میں جا پھنسے گا اور تیرا وہی حشر ہوگا جو ماہی گیر کا ہوا۔ بادشاہ نے پُوچھا وہ کیا؟

لالچی ماہی گیر کی کہانی

شماس نے کہا ایک بار ایک ماہی گیر اپنے دستور کے موافق دریا پر مچھلیاں پکڑنے گیا۔ وہ ابھی پُل کو طے کر رہا تھا کہ اسے ایک بہت بڑی مچھلی دکھائی دی اپنے دل میں کہنے لگا کہ مجھے یہاں کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں بلکہ جہاں وہ جائے گی میں اس کا پیچھا کروں گا اور جب میں اسے پکڑ لوں گا تو پھر کئی روز تک مجھے مچھلیاں پکڑنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ کہہ کر اس نے کپڑے اُتارے اور مچھلی کے پیچھے کود پڑا پانی کا دھارا اسے بہا کر لے چلا

یہاں تک کہ اس نے مچھلی کے پاس پہنچ کر اُسے پکڑ لیا۔ پھر کر جو دیکھا تو وہ کنارے سے دُور جا پڑا تھا لیکن اس نے مچھلی کو نہ چھوڑا بلکہ دھارے کے ساتھ ساتھ بہنے لگا، بہتے بہتے ایک بھنور میں پھنس گیا جہاں پہنچ کر کوئی زندہ نہیں لوٹ سکتا تھا اور وہ چلّانے لگا کہ ڈُوبتے ہوئے کو بچاؤ۔ یہ سُن کر دریا کے پہرے داروں نے پُوچھا تجھ پر ایسی کیا مصیبت پڑی تھی کہ تو اس خطرناک جگہ پر گیا؟ اس نے جواب دیا میں نجات کا روشن راستہ چھوڑ کر نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ کر مارا گیا۔ انھوں نے کہا آخر تو نے یہ کیوں کیا؟ تجھے خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ وہاں جا کر کوئی شخص صحیح و سالم نہیں لوٹا ہے۔ تو نے مچھلی پھینک کر اپنی جان کیوں نہ بچائی تاکہ اس مصیبت سے تجھے نجات ملتی؟ اب ہم میں سے کوئی تجھے اس تباہی سے بچا نہیں سکتا۔

ای بادشاہ! یہ مثال میں نے اس لیے بیان کی ہے کہ تو حقیر لہو و لعب کی باتوں کو چھوڑ کر اپنی رعیت کے کاروبار اور حکومت کے انتظام کی طرف توجہ کر تاکہ تجھ میں کوئی عیب نہ نکال سکے۔ بادشاہ بولا اب تو مجھے کیا مشورہ دیتا ہے؟ شماس نے کہا کل تو خیر و عافیت کے ساتھ لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے ان کی خیریت پوچھ، ان سے معذرت کر، انھیں قول دے کہ تو ان کے ساتھ بھلائی اور خوش سلوکی سے پیش آئے گا۔ بادشاہ نے کہا ای شماس! تو ٹھیک کہتا ہے خدا نے چاہا تو میں کل تیرے کہنے کے مطابق عمل کروں گا۔ شماس نے باہر جا کر لوگوں کو اس کی خبر دی اور جب دن نکلا تو بادشاہ نے حرم سرا سے نکل کر لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دی ان سے معذرت کی اور وعدہ کیا کہ جیسا تم چاہتے ہو میں کروں گا۔ یہ سُن کر لوگ خوش ہو گئے اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اب بادشاہ کی ایک بیوی جو سب سے زیادہ چہیتی

اور معز زنھی آئی دیکھا کہ اس کا چہرہ اُترا ہوا ہی کیوں کہ وہ بڑے وزیر کی باتوں کی وجہ سے سوچ میں پڑ گیا تھا اور کہنے لگی ای بادشاہ! تو پریشان معلوم ہوتا ہی، کیا تجھے کوئی شکایت ہی؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ عیش و عشرت میں پڑ کر میں اپنے فرائض اور رعیت کی حالت سے بے خبر ہو گیا ہوں۔ اگر میں یوں ہی رہا تو ملک میرے ہاتھ سے نکل جائے گا بیوی نے کہا ای بادشاہ! میں دیکھتی ہوں کہ تیرے عمّال اور وزرا نے تجھے دھوکے میں ڈال رکھا ہی ان کا مقصد صرف اتنا ہی کہ وہ تجھے تکلیف اور دھوکے میں رکھیں تاکہ تجھے تیری حکومت سے تھوڑی سی بھی لذت نہ ملے نہ تجھے عیش میسر ہو نہ راحت۔ وہ بس یہی چاہتے ہیں کہ تو عمر بھر ان کی تکلیف دور کیا کرے، تیری زندگی اسی محنت و مشقت میں رائگاں جائے اور لڑکے اور چوروں کے قصّے کے مطابق تیرا حال لڑکے کی طرح ہو جائے جو دوسروں کے فایدے کے لیے مارا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا قصّہ ہی؟

لڑکے اور چوروں کی کہانی

بادشاہ کی بیوی نے کہا کسی جگہ سات چور تھے۔ ایک بار ساتوں اپنے دستور کے موافق چوری کرنے نکلے۔ ان کا گزر ایک باغ کے پاس سے ہوا جس میں پکے پکّے اخروٹ لگے ہوئے تھے باغ کے اندر گئے۔ وہاں ان کی نظر ایک لڑکے پر پڑی کہنے لگے ای لڑکے! کیا تو ہمارے ساتھ باغ کے اندر چلنا چاہتا ہی تاکہ اس درخت کے اوپر چڑھ کر خوب اخروٹ کھائے اور ہمارے لیے بھی تھوڑے سے گرا دے۔ لڑکے نے منظور کر لیا اور ان کے ساتھ اندر جا پہنچا

اور شہرزاد کو صبح ہوتی ....

نوسوانیسویں رات

نوسوانیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! لڑکا چوروں کے ساتھ باغ میں گیا تو ایک نے دوسرے سے کہا ہم میں سے جو سب سے زیادہ ہلکا اور چھوٹا ہو وہ درخت پر چڑھے۔ سب یک زبان ہوکر بولے اس لڑکے سے زیادہ ہلکا ہمیں اور کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ انھوں نے لڑکے کو اوپر چڑھا دیا تو اس نے کہا ای لڑکے! درخت کا کوئی پھل نہ چھوئیو کیوں کہ اگر کسی نے تجھے دیکھ لیا تو تجھے نقصان پہنچائے گا۔ لڑکے نے پوچھا پھر کیا کروں؟ انھوں نے کہا درخت میں چھپ کر بیٹھ جا اور ہر شاخ کو اتنے زور سے ہلا کہ اس کے سارے پھل جھڑ جائیں اور ہم انھیں چن لیں۔ تمام پھل جھڑ چکیں تو اُتر آئیو اور اپنا حصّہ لے لیجیو۔ لڑکے نے درخت پر چڑھ کر ایک ایک شاخ ہلا ڈالی اخروٹ گرنے اور چور انھیں اکٹھا کرنے لگے۔ وہ اسی میں لگے ہوئے تھے کہ درخت کا مالک آ پہنچا اور ان سے کہنے لگا تم کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا ہم یہاں سے گزر رہے تھے کہ دیکھا ایک لڑکا درخت پر بیٹھا ہوا ہے یہ خیال کر کے کہ وہ اس کا مالک ہوگا ہم نے اس سے کہا کچھ پھل ہمیں کھانے کو دے۔ اس نے چند ڈالیاں ہلائیں اور اخروٹ جھڑ پڑے۔ مالک نے لڑکے سے کہا تو کیا کہتا ہے؟ وہ بولا یہ لوگ جھوٹے ہیں، میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں ہم سب ایک ساتھ یہاں آئے تھے انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اس درخت پر چڑھ کر شاخیں ہلا تا کہ اخروٹ

جھڑ پڑیں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ درخت والے نے کہا کہ تو نے اپنے آپ کو بڑی آفت میں ڈال دیا، لیکن یہ بتا کہ تو نے کچھ کھایا بھی؟ لڑکے نے جواب دیا کچھ نہیں۔ درخت والا بولا اب مجھے معلوم ہو گیا کہ تو بے وقوف بھی ہے اور ناسمجھ بھی کیوں کہ تو نے دوسروں کے فائدے کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی۔ اس کے بعد اس نے چوروں سے کہا چلتے بنو، تم سے میری کوئی غرض نہیں، اور لڑکے کو پکڑ کر خوب مارا۔

یہی حال تیرے وزیروں اور حکام کا ہے کہ وہ اپنے فائدے کے لیے تجھے ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہیں اور تیرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہتے ہیں جو چوروں نے لڑکے کے ساتھ کیا۔ بادشاہ بولا تو ٹھیک کہتی ہے، میں نہ اُن کے پاس جاؤں گا نہ اپنے مزوں سے دست کش ہوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے رات بھر اپنی بیوی کے ساتھ بڑے مزے اُڑائے۔ صبح ہوئی تو وزیر، حکام اور رعایا کو لے کر خوش خوش بادشاہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا لیکن بادشاہ نے نہ تو دروازہ کھولنے کی اجازت دی نہ باہر آیا اور نہ انھیں اندر بلایا۔ جب ناامید ی ہوگئی تو انھوں نے وزیر سے کہا اے فاضل اور ماہر حکیم، دیکھا کہ اس کم سن اور کم عقل لڑکے نے کیا کیا، گنہ گار تو تھا ہی اب جھوٹا بھی ہو گیا، وعدہ کر کے پھر گیا۔ اب تو ایک بار اور اس کے پاس جا اور دیکھ کہ وہ کیوں نہیں باہر آیا۔ اب ہمیں اس کی بدطینتی کا یقین آگیا ہے اور اس کی سخت دلی کی انتہا ہوگئی ہے۔ الغرض شماس دوبارہ بادشاہ کے پاس گیا اور اُسے سلام کر کے کہا اے بادشاہ! تو نے پھر تھوڑی سی لذت کے پیچھے بڑے بڑے کام چھوڑ دیے۔ تیری مثال اُس شخص کی سی ہے جس کے پاس ایک اونٹنی تھی اور وہ اس کا دودھ دوہا کرتا تھا۔ ایک روز اس کا دودھ اسے اتنا بھلا معلوم ہوا

مگر اس کی ڈوری ڈھیلی چھوڑ دی اونٹنی بھاگ کر جنگل میں چلی گئی اور اسے اونٹنی اور دودھ دونوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اے بادشاہ! تجھے ایسی بات کرنی چاہیے جس میں تیرا بھی فائدہ ہو اور رعیت کا بھی بھلا ہو۔ انسان کو یہ زیبا نہیں کہ اگر اُسے کھانے کی ضرورت ہو تو وہ دن رات باورچی خانے کے دروازے پر بیٹھا رہے، اسی طرح اگر اُسے عورتوں کی طرف میلان ہو تو ہمیشہ ان کے ساتھ صحبت رکھے۔ جس طرح کھانے کا یہ مقصد ہے کہ بھوک کی تکلیف دور ہو جائے اور پینے کا مقصد یہ ہے کہ پیاس بجھ جائے اسی طرح سمجھدار آدمی کو چاہیے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں دو گھنٹے عورتوں کے ساتھ گزارے، باقی وقت اپنی رعایا کی اصلاح میں صرف کرے، ورنہ عقل اور تن درستی دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ آدمی کو یہ بھی چاہیے کہ ان کے قول و فعل پر بھروسا نہ کرے۔ بہت لوگ اپنی عورتوں کی وجہ سے تباہ اور برباد ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو اس وجہ سے ہلاک ہوا کہ وہ اپنی بیوی کی ہر بات میں اطاعت کرتا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کیسے؟

ایک میاں بیوی کی کہانی

شماس نے کہا ایک شوہر کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی اس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس کی ہر بات سنتا اور اُس کی رائے پر عمل کرتا۔ اس کا ایک باغ تھا جسے اس نے نیا نیا لگایا تھا ہر روز باغ کی کاٹ چھانٹ کرنے اور اسے سینچنے جاتا۔ ایک روز اس کی بیوی نے پوچھا تُو نے باغ

ہیں کیا بویا ہے؟ مرد نے جواب دیا وہی چیزیں جو تجھے پسند ہیں اور میں بڑی تندہی سے اُسے سینچتا اور کاٹ چھانٹ کرتا ہوں۔ بیوی بولی مجھے بھی وہاں سیر کرانے لے چل میں اُسے دیکھ کر تجھے بڑی اچھی دُعا دوں گی۔ کیوں کہ میری دُعا قبول ہو جاتی ہے۔ میاں نے کہا اچھا میں کل تجھے لے چلوں گا۔ دوسرے دن صبح کے وقت وہ اپنی بیوی کو باغ میں لے گیا۔ اسی وقت اتفاق سے دو نوجوانوں کی نظر ان پر پڑی، ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ دونوں بدکار معلوم ہوتے ہیں اور یہ بدکاری کرنے باغ میں آئے ہیں۔ یہ کہہ کر دونوں جوان ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے کہ دیکھیں وہ کیا کرتے ہیں اور باغ کے ایک کونے میں چھپ گئے۔ میاں بیوی باغ میں پہنچ کر بیٹھے۔ میاں نے کہا جس دُعا کا تو نے وعدہ کیا تھا کر۔ بیوی بولی میں اسی وقت تک دُعا کروں گی جب تک تو میری وہ حاجت پوری نہ کر دے جو عورتوں کو مردوں سے ہوا کرتی ہے۔ میاں نے کہا یہ بُری بات ہے کیا میں نے گھر میں تیری کافی حاجت روائی نہیں کی! یہاں مجھے بدنامی کا ڈر ہے۔ علاوہ اس کے میرا کام رہا جاتا ہے۔ کیا تو ڈرتی نہیں کہ کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟ بیوی بولی اس کی ہمیں پروا نہیں ہم کوئی بدکاری تو کرتے نہیں، اور باغ سینچنے کے لیے تو ابھی کافی وقت پڑا ہے۔ غرض کہ اس نے میاں کا کوئی عذر نہ سُنا برابر اصرار کرتی رہی یہاں تک کہ وہ آ کر اس کے ساتھ لیٹ گیا۔ یہ دیکھتے ہی دونوں جوانوں نے دوڑ کر انھیں پکڑ لیا اور کہا کہ ہم تمھیں نہیں چھوڑیں گے تم بدکار معلوم ہوتے ہو، اگر ہم بھی اس عورت کے ساتھ نہ لیٹ لیں تو ہم تمہاری نالش کر دیں گے۔ مرد نے کہا ہوش سنبھالو، یہ میری بیوی ہے

میں اس باغ کا مالک ہوں۔ جوانوں نے اس کی ایک نہ سُنی بلکہ عورت کی طرف لپکے۔ وہ چلاّنے اور اپنے شوہر کی دُہائی مانگنے لگی کہ ان لوگوں کو میری آبرو نہ لینے دے۔ وہ مدد مدد چلاّتا ہوا ان کی طرف بڑھا لیکن ایک جوان نے اس کی طرف بڑھ کر خنجر مارا اور وہ مر گیا پھر دونوں نے اطمینان سے عورت کی آبرو لی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی .....

نوسو بیسویں رات

نوسو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! یہ قصّہ سُن کر شماس نے کہا اے بادشاہ! میں نے یہ کہانی اس لیے سُنائی ہے کہ مرد کو عورت کی بات سُننی یا اس کا کہنا ماننا نہیں چاہیے۔ اس کے مشورے پر ہرگز نہ چلے خبردار حکمت اور علم کا لباس اُتار کر جہل کا لباس نہ پہن! نہ سیدھی اور مفید رائے جاننے کے بعد فاسد رائے کی پیروی کر۔ شماس کی یہ باتیں سُن کر بادشاہ نے کہا خدا کو منظور ہے تو کل ضرور میں ان سے ملوں گا۔ شماس باہر گیا اور حاضرین کو بادشاہ کا پیغام سُنا دیا۔ جب عورت کو بادشاہ کی باتوں کا پتا چلا تو بادشاہ کے پاس گئی اور کہا رعیّت تو بادشاہ کی غلام ہوتی ہے لیکن میں دیکھتی ہوں کہ تو رعیّت کا غلام ہے تو ان سے ڈرتا ہے۔ وہ محض تیرے دل کا امتحان لے رہے ہیں، اگر انھیں معلوم ہو گیا کہ تو کم زور ہے تو وہ تجھے ذلیل کر ڈالیں گے اور اگر وہ دیکھیں گے کہ تو بہادر ہے تو تجھ سے ڈریں گے۔ وزیر لوگ اپنے بادشاہ کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں کیوں کہ وہ بڑے جاں باز ہوتے ہیں۔ میں نے ان کی چالوں کا کچّا چٹھا تجھ سے کہہ دیا ہے، اگر تو

ان کے کہنے پر چلا تو وہ تیری حکومت چھین کر مطلب حاصل کریں گے اور تجھے لگاتار اِدھر سے اُدھر دھکیلتے رہیں گے یہاں تک کہ تو ہلاک ہو جائے گا اور تیری مثال سوداگر اور چوروں کی سی ہو جائے گی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟

سوداگر اور چوروں کی کہانی

اس نے کہا ایک سوداگر تھا جس کے پاس بہت دولت تھی۔ ایک بار وہ تجارت کا سامان لے کر کسی شہر میں پہنچ گیا وہاں پہنچ کر ایک مکان کرائے پر لیا اور اس پر چند چوروں کی نظر پڑی جو سوداگروں کا مال چُرانے کی غرض سے ان کی گھات میں لگے رہا کرتے تھے۔ وہ سوداگر کے گھر پر پہنچے اور اندر گھُسنے کی بہت ترکیبیں کیں لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ان کے سرغنہ نے کہا اچھا میں اس کا بیڑا اُٹھاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے طبیبوں کا بھیس بدلا اور دواؤں کی ایک تھیلی کندھے پر رکھ آواز لگانی شروع کی کہ ہر کسی کو طبیب کی ضرورت ہے؟ آواز لگاتے لگاتے سوداگر کے گھر پہنچا دیکھا کہ وہ کھانے پر بیٹھا ہوا ہے اور کہنے لگا تجھے طبیب کی ضرورت تو نہیں ہے سوداگر بولا نہیں لیکن آ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا۔ چور اس کے سامنے بیٹھ گیا اور کھانا کھانے لگا۔ یہ سوداگر خوب کھانے والا تھا، چور نے اسے دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ اب میرا داؤ چل گیا اور اس نے سوداگر کی طرف مخاطب ہو کر کہا چونکہ میرے اوپر تیرے نمک کا احسان ہے میرا فرض ہے کہ تجھے نصیحت کروں اور وہ یہ ہے کہ تو بڑا پیٹو ہے اس لیے تیرا

معدہ صحیح نہیں۔ اگر تو نے جلد اس کا علاج نہ کیا تو مر جائے گا۔ سوداگر بولا
میں تن درست ہوں اور میرا معدہ نہایت قوی ہے، اگرچہ میں بہت کھاتا
ہوں تاہم میرے جسم میں کوئی بیماری نہیں، اور میں خدا کا شکر گزار ہوں۔
چور نے کہا تجھے ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے مگر میں جانتا ہوں کہ تجھے پوشیدہ
مرض ہے، میرا کہنا مان اور اپنا علاج کر۔ سوداگر بولا ایسا طبیب کہاں سے
لاؤں جو میرا علاج کرے؟ چور نے کہا اصل علاج کرنے والا تو خدا ہے
لیکن مجھ سا طبیب بھی حتی الامکان بیمار کا علاج کر سکتا ہے۔ سوداگر نے کہا
اگر میری دوا تیرے پاس ہے تو دکھا اور اس میں سے کچھ مجھے دے۔ چور
نے اسے ایک سفوف دیا جس میں ایلوا ملا ہوا تھا اور کہا آج رات
کھا لیجیو۔ سوداگر نے دوا لے لی رات کے وقت اُسے کھایا دیکھا کہ وہ
کڑوی اور بدمزہ ہے لیکن اسے کچھ شک نہ ہوا۔ دوا کھانے کے بعد اُسے
ہلکا پن معلوم ہوا دوسرے دن رات کو پھر چور آیا اور اسے ایک اور
خوراک دی جس میں پہلی دوا سے زیادہ ایلوا ملا ہوا تھا۔ اسے کھانے
کے بعد سوداگر کو دست آنے لگے لیکن اس نے صبر کیا اور بُرا نہ مانا۔ اب
جب کہ چور نے دیکھا کہ سوداگر کو اس پر بھروسا ہو گیا ہے اور جو دوا اسے
دے گا وہ کھا لے گا تو اس نے ایک قاتل دوا لا کر اُسے دی سوداگر نے
اُسے پی لیا اور اس کی آنتیں کٹ گئیں۔ صبح ہوتے ہوتے اس کی جان
نکل گئی اور چور تاجر کا سارا سامان لے اُڑا۔

اے بادشاہ! میں نے یہ کہانی محض اس وجہ سے کہی ہے کہ تو اس دغا
باز کا کہنا نہ سن ورنہ تباہ ہو جائے گا۔ بادشاہ بولا تو سچ کہتی ہے میں
ہرگز ان سے ملنے نہ جاؤں گا۔ صبح ہوتے ہی تو لوگ بادشاہ کی ڈیوڑھی پر

آئے اور دن کا بڑا حصّہ وہاں بیٹھے بیٹھے گزار دیا۔ جب انھیں نا امیدی ہوگئی تو وہ پھر شماس کے پاس گئے اور کہا دیکھو یہ جاہل لڑکا ہمارے ساتھ جھوٹ پر جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے، بہتر ہے کہ ملک اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کی جگہ دوسرا بادشاہ ہو تاکہ ہمارا انتظام اچھا ہو سکے۔ لیکن ایک بار اور اس کے پاس جا اور اسے سمجھا دے کہ محض اس کے باپ کے احسانات اور عہد و پیمان کی وجہ سے ہم اس کے خلاف بلوا کرنے اور اس کا ملک چھین لینے سے درگزر کر رہے ہیں۔ کل ہم سب لوگ اپنے اپنے ہتھیار لے کر جمع ہوں گے اور قلعے کا دروازہ توڑ ڈالیں گے، اگر وہ نکلا اور جیسا کہ ہم چاہتے ہیں کیا تو خیر ورنہ ہم گھس کر اسے قتل کر ڈالیں گے اور کسی دوسرے کو بادشاہ بنا لیں گے۔ وزیر شماس نے بادشاہ کے پاس جاکر کہا تو اپنی شہوتوں اور کھیل کود میں مشغول ہو کر یہ کیا بلا اپنے سر لایا ہے! نہ معلوم کون تجھے اس پر ابھار رہا ہے اگر تو خود اپنے اوپر یہ ظلم ڈھا رہا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیری سمجھ پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کس نے تجھے علم کے بدلے جہالت میں، وفا کے عوض بے وفائی میں اور نرم دلی چھڑا کر سنگ دلی میں ڈال دیا ہے۔ ورنہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ میں تین بار نصیحت کروں اور تو نہ مانے، تجھے نیک مشورہ دوں اور تو اس کے خلاف کرے! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تیری رعیت اس پر تُلی کھڑی ہے کہ تیرے محل میں گھس کر تجھے قتل کر دے اور کسی اور کو بادشاہ بنا لے۔ اگر تجھے دنیا میں اور رہنا اور بادشاہت کرنا ہے تو ہوش میں آ ملک کا انتظام اور لوگوں پر اپنی قوت کا اظہار کر، معذرت کر کے انھیں سمجھا بجھا ورنہ وہ تیرے

ہاتھ سے ملک چھین لیں گے اور دوسرے کے سپرد کردیں گے کیوں کہ وہ نافرمانی اور مخالفت پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ تو کم سِن ہے لہو و لعب اور شہوت پرستی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ پتھر کتنے ہی زمانے تک کیوں نہ پانی میں پڑے رہیں جب تو انھیں نکال کر ایک دوسرے پر مارے گا تو ان میں سے آگ نکلے گی۔ تیری مثل اب لومڑی اور بھیڑیے کی سی ہونے والی ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نوسو اکیسویں رات

نوسو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب شماس نے کہا کہ تیری مثل لومڑی اور بھیڑیے کی سی ہونے والی ہے تو بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟

لومڑی اور بھیڑیے کی کہانی

شماس نے کہا ایک بار چند لومڑیاں کچھ کھانے کی چیز ڈھونڈ رہی تھیں کہ انھیں ایک مرا ہوا اونٹ ملا، وہ کہنے لگیں کہ اب ہمیں بہت دنوں کے لیے کھانا مل گیا ہے لیکن ہمیں ڈر ہے کہ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے لگے اور مضبوط کم زور کو نہ دبا لے۔ ایسا ہوا تو کم زور ہلاک ہو جائیں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ایک حاکم تلاش کریں جو ہمارا حصّہ مقرّر کر دیا کرے تاکہ پھر طاقت ور کی کم زور کے خلاف کچھ نہ چلے۔ ان میں یہی

صلاح مشورہ ہو رہا تھا کہ ایک بھیڑیا آ پہنچا۔ لومڑیاں آپس میں کہنے لگیں کہ اگر سب کی رائے ہو تو اس بھیڑیے کو اپنا حاکم بنالیں کیوں کہ وہ سب سے زیادہ طاقت ور ہے، پہلے بھی اس کا باپ ہمارا بادشاہ تھا، اور ہم خدا سے اُمید رکھیں کہ وہ ہمارے درمیان انصاف کرے۔ یہ کہ کر لومڑیاں بھیڑیے کے پاس گئیں اور کہا کہ ہم تجھے اپنا حاکم بناتے ہیں، تو ہم میں سے ہر ایک کو ضرورت کے موافق دے تاکہ ہم میں سے زبردست کم زور پر ظلم نہ کرے اور ہم آپس میں کٹ نہ مریں۔ بھیڑیے نے منظور کر لیا اور اُس دن کے لیے ان میں کافی حصّہ تقسیم کر دیا۔ لیکن دوسرے دن وہ اپنے دل میں کہنے لگا اگر میں اس اونٹ کو اسی طرح ان کم زوروں میں بانٹتا رہا تو مجھے بھی اتنا ہی ملے گا جتنا کہ انھوں نے میرے لیے مقرر کر رکھا ہے، اگر میں اکیلا اسے کھاؤں گا تو وہ میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتیں کیوں کہ وہ میرے اور میرے گھر والوں کے لیے ایسی ہیں جیسے بھیڑ بکریاں۔ میں کیوں نہ خود قبضہ کر لوں۔ غالباً خدا نے اپنی طرف سے یہ نعمت میرے لیے بھیج دی ہے، پھر میں ان کا احسان کیوں اٹھاؤں! بہتر ہے کہ میں اونٹ کو اپنے لیے مخصوص کر لوں اور انھیں کچھ نہ دوں۔

صبح ہوئی تو لومڑیاں دستور کے مطابق بھیڑیے کے پاس اپنا روزینہ لینے گئیں۔ بھیڑیے نے جواب دیا کہ میرے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ باقی نہیں۔ لومڑیاں پریشان ہو کر وہاں سے چل دیں اور کہنے لگیں کہ خدا نے ہمیں بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ یہ خبیث خائن خدا سے بھی نہیں ڈرتا اور ہم اس کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے۔ ایک لومڑی بولی آج وہ بہت بھوکا ہوگا، اسے پیٹ بھر کر کھا لینے دو اور کل ہم

پھر اس کے پاس چلیں۔ دوسرے دن لومڑیوں نے اس کے پاس جاکر کہا اے ابو سرحان! ہم نے تو تجھے اس لیے اپنے اوپر حاکم مقرر کیا تھا کہ تو ہم میں سے ہر ایک کو اُس کی روزی دے، طاقت ور کے مقابلے میں کم زور کا انصاف کرے، جب یہ اونٹ ختم ہو جائے تو ہمارے لیے اور کھانا تلاش کرے اور ہم ہمیشہ کے لیے تیرے فرماں بردار اور رعایا رہیں۔ ہم نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا ہے بھوکے ہیں، ہمارا کھانا دے اور باقی کا جو تیرا جی چاہے کر۔ بھیڑیے نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ اس کا دل اور زیادہ سخت ہو گیا۔ اُنھوں نے اُسے بہت منایا لیکن نہ ملنا تھا نہ منا۔ اب لومڑیوں کی یہ رائے ہوئی کہ ہم شیر کے پاس چل کر اپنے آپ کو اس کے سپرد کریں اور اونٹ اس کے حوالے کر دیں۔ اگر اس نے ہمیں اس میں سے کچھ دے دیا تو اس کی مہربانی ہے ورنہ اس خبیث سے تو وہی زیادہ مستحق ہے۔ چناں چہ شیر کے پاس جاکر انھوں نے بھیڑیے کا سارا قصہ سُنایا اور کہا ہم تیرے غلام ہیں اور تجھ سے مدد لینے آئے ہیں تو اس بھیڑیے سے ہماری جان چھڑا ہم ہمیشہ تیرے فرماں بردار رہیں گے۔ لومڑیوں کی یہ باتیں سُن کر شیر کی حمیت جوش میں آگئی اور وہ ان کے ساتھ ہو لیا۔ جوں ہی بھیڑیے کی نظر شیر پر پڑی وہ بھاگا لیکن شیر اس کے پیچھے دوڑا پکڑ کر اس کی تکے بوٹی کر ڈالی اور لومڑیوں کا شکار ان کے حوالے کر دیا۔

اس سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ بادشاہ کو رعیت کے معاملے میں پہلو تہی نہ کرنی چاہیے، لہذا میری نصیحت مان لے اور جو وعدہ تو نے ان کے ساتھ کیا ہے اُسے پورا کر۔ تیرے باپ نے مرنے سے پہلے

تجھے یہ وصیت کی تھی کہ نصیحت مانیو۔ یہی آخری بات ہے جو میں تجھ سے کہنا چاہتا تھا اور بس۔ بادشاہ بولا میں تیری بات تسلیم کرتا ہوں خدا نے چاہا تو کل ان سے ملوں گا۔ شماس نے باہر آ کر لوگوں سے کہا کہ بادشاہ نے میری نصیحت مان لی ہے اور وعدہ کیا ہے کہ کل باہر آ کر تم سے ملے گا اور بادشاہ کی بیوی نے جو شماس کو یہ کہتے سُنا اور اُسے یقین آ گیا کہ اب بادشاہ ضرور اپنی رعایا سے ملنے جائے گا تو وہ فوراً اس کے پاس دوڑی ہوئی گئی اور کہا کتنے تعجب کی بات ہے کہ تو اپنے غلاموں کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ یہ وزیر تو تیرے غلام ہیں، پھر تو نے انھیں کیوں اتنا سر پر چڑھا رکھا ہے وہ سمجھتے ہیں گویا انھی نے تجھے بادشاہت اور حکومت دے رکھی ہے اور وہی تیرے ساتھ بخشش کرتے ہیں حالاں کہ وہ تیرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ تجھے ان کی خوشامد کرنی نہیں چاہیے بلکہ انھیں چاہیے کہ تیری خوشامد کریں اور تیرا حکم مانیں، آخر تو کیوں اتنا ان کے رعب میں آ گیا ہے؟ اگر تیرا دل فولاد کی طرح نہیں تو تو بادشاہ ہونے کے قابل نہیں۔ تیری نرمی کی وجہ سے ان کی یہ ہمت ہو گئی ہے کہ وہ تجھے حکم دیتے ہیں حالاں کہ انھیں چاہیے کہ وہ تیری فرماں برداری کریں اور تیرا حکم مانیں۔ میری بات مان اور ان کا کہنا نہ سُن ورنہ تیری مثال بھی چرواہے اور چور کی سی ہو جائے گی۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا قصہ ہے؟

چرواہے اور چور کی کہانی

عورت نے کہا ایک چرواہا بھیڑوں کا گلہ جنگل میں چرایا اور

ان کی خوب حفاظت کیا کرتا تھا۔ ایک رات ایک چور بھیڑیں چُرانے آیا لیکن اس نے دیکھا کہ چرواہا ان کی حفاظت کر رہا ہی۔ رات بھر وہ گھات میں لگا رہا آخر ایک بھیڑ بھی چُرا نہ سکا۔ جب کوئی تدبیر نہ چلی تو اس نے جنگل میں جاکر ایک شیر مارا اس کی کھال اُتار کر اس میں بھُس بھر دیا اور اسے ایک ایسی اونچی جگہ لاکر رکھا کہ چرواہا دیکھ سکے اور یقین کر سکے کہ وہ شیر ہی۔ اس کے بعد چور نے چرواہے کے پاس آکر کہا، شیر نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہی تاکہ تو اُس کے رات کے کھانے کے لیے بھیڑیں دے۔ چرواہے نے پوچھا شیر کہاں ہی؟ چور بولا آنکھ اٹھاکر دیکھ، وہ کھڑا ہی۔ چرواہے نے آنکھ اُٹھاکر دیکھا سمجھا کہ واقعی شیر ہی اُسے دیکھ کر سہم گیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی .....

نو سو بائیسویں رات

نو سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! چرواہا اتنا ڈرا کہ چور سے کہنے لگا بھائی جو تیرا جی چاہے لے جا، مجھے کوئی عذر نہیں۔ چور جتنی بھیڑیں چاہتا تھا لے گیا۔ چرواہے کو خوف زدہ دیکھ کر اس کی اتنی ہمت بڑھ گئی کہ آئے دن آتا اور شیر کے نام سے اسے ڈرا کر جتنی بھیڑیں چاہتا لے جاتا یہاں تک کہ وہ اپنے گلّے کا بڑا حصّہ کھو بیٹھا۔

اے بادشاہ! میں نے یہ کہانی اس لیے سنائی ہی کہ کہیں تیرے امرا گھمنڈ میں آکر تیرے سر نہ چڑھ جائیں۔ اُن کی ان حرکتوں سے تو مر جانا

بہتر ہے۔ بادشاہ نے اس کا کہنا مان لیا اور کہا میں ان کی ہرگز نہ سنوں گا اور نہ جا کر ان سے ملوں گا۔ صبح کو سارے وزیر امیر اور شریف ہتھیار لے کر بادشاہ کے محل پر پہنچے تاکہ اس پر حملہ کرکے اسے قتل کر دیں اور دوسرا بادشاہ منتخب کریں۔ انھوں نے دربان سے کہا دروازہ کھول لیکن اس نے نہ کھولا انھوں نے آگ منگوائی کہ دروازوں کو جلا کر اندر گھس جائیں۔ دربان دوڑا ہوا بادشاہ کے پاس گیا اور کہا لوگ دروازے پر اکٹھا ہیں، مجھ سے انھوں نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تھا میں نے انکار کر دیا۔ تو انھوں نے آگ منگوائی ہے کہ دروازوں میں آگ لگا کر اندر گھس آئیں اور تجھے مار ڈالیں۔ اب تو کیا حکم دیتا ہے؟ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ بری مصیبت میں پھنسا اور عورت کو بلا کر کہا شماس نے جو کچھ کہا تھا سب ٹھیک نکلا خاص اور عام سب لوگ چاہتے ہیں کہ مجھے اور تم سب کو قتل کر دیں۔ جب دربان نے دروازہ نہیں کھولا تو انھوں نے آگ منگوائی ہے کہ محل میں آگ لگا دیں اور ہم ان کے اندر جل جائیں، اب تو کیا مشورہ دیتی ہے؟ عورت نے کہا ڈر نہیں آج کل کا زمانہ ہی ایسا ہے کہ رذیل لوگ اپنے بادشاہ کے سر پر چڑھ کر ناچتے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا اچھا تیری رائے میں اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

عورت نے کہا اپنے سر پر پٹی باندھ لے بیمار بن کر لیٹ جاؤ وزیر شماس کو بلا کہ وہ تیری حالت آکر دیکھ جائے۔ جب وہ آئے تو اس سے کہو کہ میں آج باہر نکل کر لوگوں سے ملنا چاہتا تھا لیکن بیماری کی وجہ سے مجبور ہوں۔ تو جا کر لوگوں سے میری حالت بیان کر دے اور کہہ دے کہ میں کل باہر آکر ان کی تمام ضرورتیں پوری کر دوں گا۔ اس سے ان کا

غصّہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ صبح ہو تو اپنے باپ کے دس موٹے تازے غلاموں کو بُلوائیو جن پر تجھے بھروسا ہو، جو تیرا حکم مانیں اور تیرا راز فاش نہ کریں۔ انھیں اپنے پاس کھڑا کر کے حکم دیجیو کہ وہ محض ایک ایک کو تیرے پاس اندر آنے کی اجازت دیں، جب ایک شخص داخل ہو تو اُن سے کہیو کہ اسے پکڑ کر قتل کر دو۔ اگر وہ اس بات پر راضی ہو جائیں تو صبح سویرے اپنی کُرسی دربار میں لا کر دروازہ کھلوا دیجیو۔ وہ دیکھیں گے کہ تُو نے دروازہ کھلوا دیا ہے تو خوش خوش اور نڈر ہو کر تیرے پاس آئیں گے، تو انھیں ایک ایک کر کے اندر بلائیو جیسا کہ میں نے کہا ہے اور اپنا مطلب پورا کیجیو۔ لیکن ابتدا شماس سے کیجیو کیوں کہ وہ بڑا وزیر ہے اور بڑا سردار، اسی کو سب سے پہلے قتل کیجیو پھر دوسروں کو جن کے متعلق تجھے گمان ہو کہ وہ تیری مخالفت کریں گے یا جن کی قوت سے تجھے اندیشہ ہو جب تو ایسا کر چکے گا تو پھر کسی کا زور تجھ پر نہ چلے گا تو اُن سے بے غم ہو جائے گا مُلک تیرے لیے صاف ہو جائے گا اور تو جو چاہے گا کر سکے گا۔ اس تدبیر سے زیادہ اور کوئی تدبیر مفید نہیں۔

بادشاہ نے کہا تیری رائے بالکل ٹھیک ہے اور میں ضرور ایسا ہی کروں گا۔ اس کے بعد اس نے ایک پٹی منگوا کر باندھ لی اور شماس کو اندر بلا کر کہا اے شماس! تُو جانتا ہے کہ میں تجھے بہت پیار کرتا اور تیری رائے مانتا ہوں تجھے اپنے بھائی بلکہ باپ کی برابر جانتا ہوں، تُو نے مجھ سے کہا ہے کہ میں نکل کر اپنی رعایا سے ملوں مجھے یقین ہے کہ تیری رائے ٹھیک ہے اور میں نے کل ارادہ کر لیا تھا کہ آج نکلوں گا لیکن میں بیمار پڑ گیا اٹھ کر بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ مجھے خبر ملی ہے کہ مُلک

والے مجھ سے ناراض ہیں اور میرے ساتھ ایسا بُرا سلوک کرنا چاہتے ہیں جو ان کی شان کے خلاف ہے انھیں معلوم نہیں کہ میں بیماری میں مبتلا ہوں۔ تو جا کر ان سے میرا حال بیان کر دے اور میری طرف سے معذرت کر میں ان کی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوں اور جو وہ پسند کریں وہی کروں گا۔ تو میری طرف سے انھیں سمجھا دے تو میرا بھی مشیر ہے اور میرے باپ کا بھی تو ہی مشیر تھا تو لوگوں میں ہمیشہ سمجھوتا کراتا رہا ہے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو میں کل باہر نکل کر ان سے ملوں گا اور اُمید ہے کہ اپنی نیک نیتی اور خیر خواہی کی بہ دولت میں آج رات ہی تن درست ہو جاؤں۔ شماس نے خدا کے آگے سجدہ کیا بادشاہ کو دُعا دی اُس کے ہاتھ چومے اور خوش خوش باہر نکل کر لوگوں سے سارا ماجرا بیان کر دیا انھیں ان کے ارادے سے روکا، بادشاہ کے نہ نکلنے کی وجہ سُنائی اور کہا اس نے کل نکلنے اور تمھارے کہنے پر عمل کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ سُن کر سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے، اور شہرزاد کو صبح ہو تی ۔ ۔ ۔ ۔

نو سو تینتیسویں رات

نو سو تینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! یہ سُن کر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اُدھر بادشاہ نے اپنے باپ کے غلاموں میں سے دس سٹنڈوں کو چھانٹ کر بُلوایا جو بڑے مضبوط اور بہادر تھے ان سے کہا تمھیں معلوم ہے کہ میرا باپ تمھاری کتنی عزت اور توقیر کرتا تھا اب میں تمھارا درجہ اور زیادہ کرنا چاہتا ہوں۔

لیکن پہلے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ آیا تم میرا ساتھ دوگے اور میرے بھید کو پوشیدہ رکھو گے۔ اگر تمھیں منظور ہو تو جتنا تم احسان چاہتے ہو میں اس سے زیادہ کروں گا۔ دسوں نے یک زبان ہو کر کہا جو کچھ ہمارے آقا کا حکم ہو گا اس کی ہم تعمیل کریں گے تیرا کہنا مانیں گے کیوں کہ تو ہمارا مالک ہے۔ اس نے کہا خدا تمھیں نیک بدلہ دے! اب سنو میں کیوں تم پر احسان کرنا چاہتا ہوں۔ تمھیں معلوم ہے کہ میرا باپ اپنی رعیت پر کتنا احسان و اکرام کیا کرتا تھا اس نے ان کے ساتھ عہد و پیماں باندھا تھا کہ وہ میرا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور میری نافرمانی نہ کریں گے۔ پھر تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ کل وہ مجھے قتل کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ان کی احسان فراموشی کے بدلے میں چاہتا ہوں کہ جس کی طرف میں اشارہ کروں اسے تم چپکے سے قتل کر دو۔ جب امرا اور روسا قتل ہو جائیں گے تو میرے ملک سے بلا دور ہو جائے گی۔ میں کل اسی جگہ کمرے میں بیٹھوں گا ایک ایک کر کے انھیں اندر بلاؤں گا اور حکم دوں گا کہ لوگ ایک دروازے سے اندر آئیں اور دوسرے سے باہر جائیں۔ تم لوگ میرے سامنے کھڑے رہنا میرا اشارہ سمجھنا جو اکیلا اندر آئے اسے اس کمرے میں لے جا کر قتل کر دینا اور اس کی لاش چھپا دینا۔ انھوں نے جواب دیا تیرا کہنا اور حکم سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد اس نے انھیں انعام دیا اور وہ اپنے اپنے گھر جا کر سو رہے۔

سویرا ہوا تو بادشاہ نے انھیں طلب کیا، تخت بچھوایا، شاہی لباس پہنا، فیصلوں کی کتاب ہاتھ میں لی حکم دیا کہ دروازہ کھول دیا جائے اور ایک ایک کر کے درجہ بہ درجہ انھیں اندر بلوایا۔ دستور

کے موافق سب سے پہلے شماس آیا وہ سب سے بڑا وزیر تھا اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا کہ یک بہ یک دسوں غلاموں نے اسے پکڑ لیا اور کمرے میں لے جا کر قتل کر دیا۔ یہی حشر باقی وزرا، علما اور صلحا کا ہوا ایک ایک کر کے قتل ہوتے رہے یہاں تک کہ سب ٹھکانے لگا دیے گئے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ تمام بہادروں اور شجاعوں کی بھی گردنیں اُڑا دی جائیں جلادوں نے چھانٹ چھانٹ کر انھیں بھی قتل کر دیا سوائے عوام الناس کے اور کوئی باقی نہ رہا اور بادشاہ سلامت اپنے عیش و عشرت میں مصروف ہو گئے اور اتنا ظلم و جور ہونے لگا کہ اس سے پہلے کسی نے سُنا بھی نہ ہوگا۔ اس بادشاہ کے مُلک میں سونے، چاندی، یاقوت اور جواہرات کی کانیں تھیں آس پاس کے سارے بادشاہ اس پر رشک کرتے اور چاہتے تھے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ ایک پڑوسی بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ اب میری من مانی مُراد پوری ہو گئی اور میں اس جاہل لڑکے کے ہاتھ سے یہ مُلک چھین لوں گا کیوں کہ اس نے حکومت کے سرداروں اور مُلک کے تمام بہادروں کو مروا ڈالا ہے یہ وقت غنیمت ہے وہ کم عمر ہے اُسے لڑائی کا بالکل تجربہ نہیں اور تجربہ کار کوئی باقی نہیں جو اُسے ٹھیک راہ پر چلائے اور اس کی مدد کرے۔ میں اس کے ساتھ ایک چال چلتا ہوں اُسے ایک خط لکھتا ہوں جس میں میں اسے لعنت ملامت کروں گا، دیکھوں وہ کیا جواب دیتا ہے۔

یہ کہہ کر اس نے ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: " بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مجھے خبر ملی ہے کہ تو نے اپنے وزیروں، عالموں اور بہادروں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور اپنے آپ کو کس بلا میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ

اگر کوئی تجھ پر دھاوا کر دے تو اُسے روک بھی نہیں سکتا۔ یہ خدا کا کرنا ہے کہ اس نے تجھے تیرے اوپر غالب کر دیا۔ لہٰذا میری بات سُن میرا حکم مان اور بیچ سمندر میں میرے لیے ایک عالی شان محل بنوا دے، اگر تو یہ نہیں کرتا تو اپنا مُلک چھوڑ دے اور اپنی جان لے کر بھاگ جا ورنہ میں ہند اقصیٰ سے بارہ رسالے بھیجوں گا جن میں بارہ بارہ ہزار جنگ جو ہوں گے، وہ تیرے مُلک میں گھُس کر تیری دولت لوٹ لیں گے مردوں کو مار ڈالیں گے اور عورتوں کو گرفتار کرلائیں گے۔ ان کا سردار میں اپنے وزیر بدیع کو بناؤں گا اور اسے حکم دوں گا کہ وہ تیرے شہر کا سخت محاصرہ کرے یہاں تک کہ وہ فتح ہو جائے۔ اس قاصد غلام کو میں نے حکم دیا ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ تیرے پاس نہ ٹھیرے۔ اگر تو نے میرا حکم مان لیا تو تو بچ جائے گا ورنہ میں تیرے اوپر چڑھائی کر دوں گا۔" جب بادشاہ نے یہ خط پڑھا تو اس کے ہاتھ پانو پھول گئے۔ عقل جاتی رہی، اپنی تباہی کا یقین ہو گیا اب کوئی ایسا نہ تھا جس سے وہ مشورہ لے یا مدد چاہے۔ اٹھ کر اپنی بیوی کے پاس گیا۔ اس کا چہرہ اُترا ہوا دیکھ کر بیوی نے پوچھا اے بادشاہ! خیر تو ہے؟ اس نے جواب دیا آج میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ ایک بادشاہ کا غلام۔ یہ کہہ کر اس نے خط کھولا اور پڑھ کر بیوی کو سُنا دیا۔ یہ سُنتے ہی وہ رونے پیٹنے اور اپنے کپڑے پھاڑنے لگی۔ بادشاہ نے کہا اس مشکل وقت میں کوئی رائے دے اور تدبیر نکال۔ اس نے جواب دیا لڑائیوں کے بارے میں عورتوں کے پاس کوئی تدبیر نہیں۔ عورتوں میں نہ قوت ہوتی ہے نہ ان کی کوئی رائے، ایسی باتوں میں تو مرد قوت والے، رائے اور تدبیر والے ہیں۔ بادشاہ نے اپنی بیوی کی یہ باتیں

تسبیں تو اسے بڑی پشیمانی، افسوس اور تکلیف ہوئی کہ اس نے اپنے مصاحبوں اور وزیروں کے ساتھ کیسا بڑا سلوک کیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے . . . . . .

نوسوچوبیسویں رات

نوسوچوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ کو بڑا افسوس ہوا کہ اس نے اپنے وزیروں اور رئیسوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہنے لگا کاش ایسی بڑی خبر آنے سے پہلے ہیں مر گیا ہوتا، اور وہ اپنی بیویوں سے بولا کہ تمھارے ساتھ میرا وہی حال ہوا جو تیتر کا کچھوؤں کے ساتھ۔ انھوں نے کہا وہ کیسے؟

تیتر اور کچھوؤں کی کہانی

بادشاہ نے کہا کسی جزیرے میں چند کچھوے رہتے تھے اس جزیرے میں بہت سے درخت، پھل اور نہریں تھیں۔ ایک بار ایک تیتر اُڑتا ہوا اودھر سے گزرا گرمی اور تھکن کے مارے اس جزیرے میں اُتر پڑا اور وہیں ٹھیر گیا جہاں کچھوے رہتے تھے۔ جب کچھوے چرتے چگتے اپنی جگہ آئے اور ان کی نظر تیتر پر پڑی تو وہ اس کی خوب صورتی پر ریجھ گئے۔ خدا کی پاکی بیان کرنے لگے انھیں تیتر سے بڑی محبت ہو گئی وہ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ سب سے خوب صورت

جانور ہے اس کے ساتھ نرمی اور تواضع برتنی چاہیے۔ تیتر کو بھی ان سے انس ہو گیا اور اگرچہ وہ صبح کو اُڑ کر جہاں چاہتا جاتا لیکن شام کے وقت لوٹ کر کچھووں کے پاس آجاتا۔ ایک مدّت تک یہی ہوتا رہا لیکن کچھووں کا تیتر کے چلے جانے سے دل گھبراتا وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہمیں اس تیتر سے محبّت ہو گئی ہے وہ ہمارا دوست بن گیا ہے اس کی جدائی ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔ کیا تدبیر ہو کہ وہ دن رات ہمارے ساتھ رہا کرے ؟ اب تک تو وہ اُڑ جاتا دن بھر غائب رہتا ہے اور صرف رات کے وقت ہم اُسے دیکھتے ہیں۔ ایک کچھوے نے کہا بھائیو ٹھہرو میں ایک ایسی ترکیب کرتا ہوں کہ وہ ہم سے دم بھر بھی جدا نہ ہو۔ سب بولے اگر تو نے ایسا کر دیا تو ہم سب تیرے غلام بن کر رہیں گے۔ جب تیتر چکر لگا کر لوٹا اور کچھووں کے بیچ میں آکر بیٹھا تو اس کچھوے نے آگے بڑھ کر اُسے دُعا دی اس کی سلامتی پر مبارک بادی اور کہا اے میرے آقا! خدا نے تیری محبّت ہمارے دل میں اور ہماری محبّت تیرے دل میں ڈال دی ہے اور اس بیابان میں تجھے ہمارا غم خوار بنایا ہے۔ دوستوں کا بہترین وقت وہ ہے جو ساتھ گزرے جدائی بڑی بُری بلا ہے۔ تو صبح کو چلا جاتا ہے اور شام سے پہلے لوٹ کر نہیں آتا، اس سے ہمیں بڑی پریشانی رہتی ہے۔ تیتر بولا مجھے بھی تم سے بڑی محبّت ہے تمہارا بہت اشتیاق رہتا ہے اور تمہاری جدائی میرے لیے آسان نہیں لیکن میرے پاس اس کا علاج نہیں کیوں کہ میں پرندہ ہوں ہمیشہ تمہارے ساتھ نہیں ٹھہر سکتا، یہ میری فطرت سے بعید ہے، پرندہ صرف رات کے وقت سونے کے لیے ایک جگہ ٹھہر سکتا ہے صبح ہوتے ہی

اُڑ جاتا ہے اور جہاں اس کا دل لگتا ہے چرتا چُگتا ہے۔

کچھوے نے کہا تو سچ کہتا ہے لیکن پرندوں کو اکثر آرام نہیں ملتا کیوں کہ جو کچھ انھیں ملتا ہے اس سے چوگنی ان کو محنت مشقت کرنی پڑتی ہے۔ حالاں کہ مقصد آرام اور راحت ہے۔ خدا نے ہمارے اور تیرے درمیان محبّت اور الفت پیدا کر دی ہے اس لیے ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا کوئی دشمن تجھے مار ڈالے اور پھر ہمیں تیرا دیدار نصیب نہ ہو۔ تیتر بولا تو سچ کہتا ہے لیکن پھر میرے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ کچھوے نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تو اپنے پر نوچ ڈال جن سے تو اتنا تیز اُڑ سکتا ہے آرام سے ہمارے ساتھ رہ اور اس گھنے اور میوے دار جنگل میں ہمارا کھانا کھا ہمارا پانی پی۔ اس طرح سے ہم سب اس زرخیز جگہ میں اکٹھے رہیں گے اور ایک دوسرے کی صحبت کا لطف اٹھائیں گے۔ تیتر نے اس کی بات مان لی آرام اٹھانے کے خیال سے ایک ایک کر کے اپنے سارے پر نوچ ڈالے اور کچھوؤں کے ساتھ رہنے لگا۔ وہ اسی حالت میں رہتے تھے کہ ایک نیولا اُدھر سے گزرا غور سے دیکھنے پر اُسے معلوم ہوا کہ تیتر کے پر نُچے ہوئے ہیں اور وہ اُڑ نہیں سکتا۔ یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا اس تیتر کے پر نہیں مگر ہے موٹا تازہ اور پاس جا کر اسے پکڑ لیا۔ تیتر چلّانے اور کچھوؤں سے مدد مانگنے لگا لیکن مدد دینا تو درکنار وہ اُسے نیولے کے پنجے میں دیکھ کر اور دور ہٹ گئے ایک دوسرے سے چمٹ گئے اور یہ دیکھ کر کہ نیولا اُسے تکلیف پہنچا رہا ہے روتے روتے ان کی آواز بند ہو گئی۔ تیتر نے اُن سے کہا سوائے رونے کے تم اور کچھ بھی کر سکتے ہو؟ وہ بولے بھائی!

نیولے کے آگے ہماری کچھ نہیں چلتی۔ جب تیتر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تو بچھوؤں سے کہنے لگا جرم تمھارا نہیں بلکہ میرا ہی کیوں میں نے تمھاری باتوں میں آکر پر نوچ ڈالے جن سے میں اُڑ سکتا تھا۔

ای عورتو! میں بھی تمھیں لعنت ملامت نہیں کرتا بلکہ کردنی خویش آمدنی پیش۔ قصور میرا ہی۔ میں یہ بھول گیا کہ تمھاری ہی وجہ سے ہمارے باپ آدم گناہ میں مبتلا ہوئے اور جنّت سے نکالے گئے اور یہ بات بھی میرے خیال سے بالکل اُتر گئی کہ ہر بُرائی کی جڑ تمھیں ہو، تمھارا کہنا مان کر میں نے اپنے وزیروں اور سرداروں کو قتل کر دیا جو مجھے ہر بات میں مشورہ دیتے تھے اور میری عزّت اور قوت کا سبب تھے۔ آج ان کی جگہ میرے پاس کوئی نہیں نہ کوئی ایسا دکھائی دیتا ہی جو ان کی جگہ لے سکے اور میں مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہوں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔ . . . .

نوسو پچیسویں رات

نوسو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا اور کہا کہ اگر خدا نے میرے لیے کوئی ایسا شخص نہ بھیج دیا جو اپنی صائب رائے سے مجھے ٹھیک راستے پر چلائے تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ اپنی خوابگاہ میں گیا اور اپنے وزرا اور حکما پر نوحہ کرنے لگا اور کہا کاش یہ عظیم الشان لوگ ایک پہر ہی کے لیے میرے پاس آ جاتے تاکہ میں ان سے معافی

مانگتا انھیں ایک نظر دیکھ لیتا ان سے اپنا دکھڑا روتا اور ان سے کہتا کہ تمھارے بعد میرے اوپر کیا گزر رہی ہے۔ دن بھر وہ اسی سوچ میں ڈوبا رہا۔ جب رات ہوئی تو اس نے اپنی پوشاک اُتار کر پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور بھیس بدل کر شہر میں گشت لگانے لگا کہ شاید کوئی ایسی بات اس کے کان میں پڑ جائے جس سے اس کا غم غلط ہو۔ وہ شہر کے گلی کوچوں میں پھر رہا تھا کہ اس کی نظر دو لڑکوں پر پڑی جو ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے، دونوں ہم سن تھے دونوں بارہ بارہ برس کے ہوں گے۔ بادشاہ ان کے قریب گیا تاکہ ان کی باتیں سُن سکے۔

بادشاہ نے سُنا کہ ایک لڑکا دوسرے سے کہ رہا ہے کہ بھائی سُن! کل رات میرے باپ نے مجھ سے پوچھا کھیت وقت سے پہلے کیوں سوکھ گئے ہیں۔ دوسرا بولا تو جانتا ہے کہ اس آفت کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، اگر تو جانتا ہے تو بتا۔ دوسرے نے کہا میرے باپ کے ایک دوست نے مجھ سے کہا تھا کہ ہمارے بادشاہ نے اپنے وزیروں اور امیروں کو محض عورتوں کی محبت میں آکر بے گناہ قتل کردیا ہے کیوں کہ وزیروں نے اسے ان باتوں سے منع کیا تھا جو اُسے نہیں کرنی چاہییں مگر وہ نہ مانا اور اپنی عورتوں کے کہنے پر انھیں قتل کر دیا حتیٰ کہ میرے باپ شماس کو بھی جو اس کا وزیر تھا اور اس سے پہلے اس کے باپ کا وزیر بھی رہ چکا تھا وہ اس کا مشیر تھا۔ لیکن دیکھ کر خدا اس کا بدلہ کس طرح لیتا ہے۔ پہلے لڑکے نے کہا ان کے مرجانے کے بعد اب خدا بادشاہ کے ساتھ کیا کرے گا؟ دوسرے لڑکے نے جواب دیا کہ ہندا اقصیٰ کے بادشاہ نے ہمارے بادشاہ کی توہین کی ہے

ایک خط میں اسے خوب جھاڑا ہے اور لکھا ہے کہ میرے لیے بیچ سمندر میں ایک محل بنوا، اور اگر تو نہ بنوائے گا تو میں بارہ رسالے بھیجوں گا جن میں ایک ایک لاکھ جنگ جو ہوں گے اور اس لشکر کا سردار میرا وزیر بدیع ہوگا، وہ تیرا ملک چھین لے گا تیرے مردوں کو قتل کر دے گا اور تیری عورتوں کو گرفتار کرلائے گا۔ ہند اقصی کے ایلچی کو جو خط لے کر آیا ہے ہمارے بادشاہ نے تین روز تک ٹھیرنے کے لیے کہا ہے۔ وہ بادشاہ بڑا زبردست قوت والا ہے اور اس کے ملک کی آبادی بہت بڑی ہے۔ اگر ہمارے بادشاہ نے کسی تدبیر سے اسے روک نہ دیا تو برباد ہو جائے گا، اور جب ہمارا بادشاہ ہلاک ہو جائے گا تو وہ بادشاہ ہماری روزی چھین لے گا ہمارے مردوں کو مار ڈالے گا اور ہماری عورتوں کو پکڑ لے جائے گا۔

بادشاہ نے ان دونوں کی یہ گفتگو سنی تو وہ اور زیادہ گھبرایا اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ لڑکا بڑا حکیم معلوم ہوتا ہے کیوں کہ جو خط ہند اقصی کے بادشاہ کے پاس آیا ہے وہ میرے پاس ہے اس کا بھید میں نے اب تک کسی اور سے نہیں کہا، پھر اس لڑکے کو اس کی کیوں کر خبر ہو گئی؟ یہ کہہ کر بادشاہ اس کے پاس گیا اور نرمی سے کہنے لگا اے پیارے لڑکے! ہمارے بادشاہ کے بارے میں تو کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے واقعی بڑا برا کیا کہ اپنے وزیروں اور امیروں کو قتل کر دیا۔ سچ مچ اس سے اسے اور اس کی رعیت کو بڑا نقصان پہنچا اور جو کچھ تو کہتا ہے بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن بیٹا، یہ تو بتا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ ہند اقصی کے بادشاہ نے اسے اس مضمون کا خط لکھا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ بزرگوں کے قول کے موافق خدا پر کوئی بات پوشیدہ نہیں اور انسانوں میں روحانیت

ہوتی ہے جس سے انھیں پوشیدہ بھید معلوم ہو جاتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا بیٹا! تو سچ کہتا ہے۔ اچھا اب یہ بتا کہ کوئی تدبیر ہو سکتی ہے جس سے یہ بلا اس کے اور اس کی رعیت کے سر سے ٹل جائے؟ لڑکے نے کہا ہاں، اگر بادشاہ مجھے بلائے اور پوچھے کہ کس تدبیر سے اس کا دشمن دور ہو سکتا ہے تو میں اسے بتا دوں گا۔ بادشاہ نے کہا کون جا کر بادشاہ کو اس کی خبر دے سکتا ہے تاکہ وہ تیرے پاس کسی کو بھیج کر تجھے بلائے؟ لڑکے نے کہا میں نے سنا ہے کہ وہ دانش مندوں کی تلاش میں ہے، اگر وہ مجھے بلائے گا تو میں اس کے پاس جا کر وہ تدبیر بتاؤں گا جس سے اسے فائدہ پہنچے اور اس کے سر سے یہ بلا ٹل جائے۔ اگر اس مشکل کام میں اس نے دیر لگائی، عورتوں کے ساتھ لہو و لعب میں مشغول ہو گیا اور میں خود اس کے پاس گیا تو ان لوگوں کی طرح وہ مجھے بھی مروا ڈالے گا اور اس کی ملاقات میری ہلاکت کا باعث ہو گی لوگ میرا مذاق اڑائیں گے مجھے ناسمجھ خیال کریں گے اور میں اس مثل کا مصداق بن جاؤں گا:

"جس عالم کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہو وہ اپنے جہل میں مارا جائے گا۔"

بادشاہ نے لڑکے کی باتیں سنیں تو اسے یقین آ گیا کہ وہ بڑا عقل مند اور فاضل ہے اس کی اور اس کی رعیت کی نجات اسی کے ہاتھوں ہو سکتی ہے۔ اس نے لڑکے سے پوچھا تو کہاں رہتا ہے اور تیرا گھر کہاں ہے؟ لڑکے نے کہا یہ دیوار میرے گھر سے ملی ہوئی ہے۔ بادشاہ نے اس مقام کو خوب پہچان لیا اور لڑکے سے رخصت ہو کر خوش خوش اپنے محل کو چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنا لباس پہنا کھانا پینا

منگوایا اور کہہ دیا کہ عورتیں اس کے پاس نہ آئیں۔ کھانے پینے کے بعد اس نے خدا کا شکر ادا کیا اس سے نجات اور مدد کی دُعا مانگی اور جو حرکت اس نے اپنے علما اور روسا کے ساتھ کی تھی اس کی معافی چاہی خدا کے آگے سچی توبہ کر کے روزہ نماز اور خیرات کا حتمی وعدہ کیا۔ پھر اس نے اپنے خاص غلام کو بُلا کر لڑکے کے مکان کا پتا دیا اور کہا کہ اسے نرمی کے ساتھ بلا لا۔ غلام نے لڑکے کے پاس جا کر کہا کہ بادشاہ تجھے انعام دینے کے لیے بُلا رہا ہے، وہ تجھ سے کچھ پوُچھے گا اور تجھے خیریت کے ساتھ تیرے گھر بھجوا دے گا۔ لڑکے نے پوُچھا بادشاہ کس لیے مجھے بُلاتا ہے؟ غلام نے جواب دیا کچھ پوُچھنے گچھنے کے لیے۔ لڑکے نے کہا بادشاہ کا حکم ہزار بار سر آنکھوں پر۔ لڑکا وہاں پہنچا تو پہلے خدا کے آگے سجدہ کیا پھر بادشاہ کو سلام کر کے اُسے دُعا دی۔ بادشاہ نے سلام کا جواب دیا اور بیٹھ جانے کو کہا وہ بیٹھ گیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی .....

نوسو چھبیسویں رات

نوسو چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! لڑکا بیٹھ گیا تو بادشاہ نے پوُچھا کل تجھ سے کس نے باتیں کی تھیں؟ اس نے کہا اُسی نے جو اس وقت باتیں کر رہا ہے۔ بادشاہ بولا پیارے! تو سچ کہتا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے اپنے پہلو میں کرُسی ڈلوا کر اسے بٹھایا کھانا منگوایا اور دونوں باتیں چیتیں کرنے لگے۔ بادشاہ نے

لڑکے سے کہا اے وزیر! تو نے کل مجھ سے چند باتیں کی تھیں منجملہ ان کے یہ کہ تیرے پاس ہندا قعی کے بادشاہ کی چال کا توڑ ہے۔ بتا وہ کیا تدبیر ہے کہ میں اس کی برائی سے بچ جاؤں اور تجھے اپنا وزیر بنالوں ہر معاملے میں تیری رائے پر چلا کروں اور تیری بڑی تنخواہ مقرر کردوں؟ لڑکے نے کہا تیری تنخواہ تجھے مبارک ہو ہے مشورہ اور رائے اپنی عورتوں سے لیا کر جن کے کہنے پر تو نے میرے باپ شماس اور دوسرے وزیروں کو قتل کروا دیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ پشیمان ہوگیا اور ایک آہ بھر کر کہا پیارے بیٹے! کیا شماس سچ مچ تیرا باپ تھا؟ لڑکا بولا شماس سچ مچ میرا باپ اور میں واقعی اس کا بیٹا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ نے سر نیچا کر لیا اس کے آنسو ڈبڈبا آئے وہ خدا سے معافی کا خواستگار ہوا اور کہنے لگا بیٹا! اس کی وجہ میری جہالت اور عورتوں کی بری رائے تھی ان کی چال بے ڈھب ہوتی ہے لیکن میں تجھ سے معافی کی درخواست کرتا ہوں تجھے تیرے باپ کا عہدہ بلکہ اس سے بھی بڑا رتبہ دیتا ہوں اور جب یہ بلا ٹل جائے گی تو تجھے سونے کا طوق پہناؤں گا سب سے زیادہ معزز سواری پر سوار کروں گا اور ڈھنڈورا پٹوا دوں گا کہ یہ معزز جوان بادشاہ کے بعد دوسری کرسی کا مالک ہے اور جو کچھ تو نے عورتوں کے بارے میں کہا ہے تو میں ان سے بدلہ لے کر رہوں گا۔ اب بتا کہ تو کیا تدبیر بتانا چاہتا ہے تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے؟ لڑکے نے جواب دیا پہلے وعدہ کر تو میری رائے کے خلاف نہ کرے گا اور جس چیز سے میں ڈرتا ہوں اس سے مجھے امان ملے گی۔ بادشاہ نے کہا میں خدا کو حاضر ناظر جان کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں تیری بات نہ ٹالوں گا تو میرا

میسر رہے گا جو تو کہے گا میں کروں گا اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کا گواہ خدا ہی۔ یہ سن کر لڑکے کا دل خوش ہو گیا اسے بات کرنے کی ہمت پڑی اس نے کہا ای بادشاہ! ترکیب یہ ہی کہ جو مہلت تو نے ایلچی کو دے رکھی ہی اس کے بعد جب وہ جواب لینے آئے تو ایک دن کے لیے اسے اور ٹال دیجیو۔ اس پر وہ یہ اعتراض کرے گا کہ اس کے بادشاہ نے اسے اتنی ہی مہلت دی ہی اور تجھ سے ضد کرے گا مگر تو اپنی بات پر اڑا رہیو وہ ناراض ہو کر تیرے پاس سے چلا جائے گا اور شہر میں جا کر لوگوں کے سامنے خفا ہو گا اور کہے گا کہ ای شہر والو میں ہند اقصی کے بادشاہ کا فرستادہ ہوں، وہ اتنا طاقت ور اور اور ارادے کا پکا ہی کہ اس سے لوہا بھی نرم ہو جاتا ہے۔ اس نے مجھے ایلچی بنا کر یہاں بھیجا ہی اور ٹھہرنے کی میعاد مقرر کر دی ہی اور مجھ سے کہا ہی کہ اگر تو مقررہ میعاد تک واپس نہ آیا تو میں تجھے سزا دوں گا۔ جب میں نے یہاں آ کر اس شہر کے بادشاہ کو خط دیا تو اس نے اسے پڑھ کر تین دن کی مہلت مانگی۔ آج تین دن گزر چکے اور میں جواب لینے گیا تو اس نے ایک دن کی مہلت چاہی۔ لیکن اب میں زیادہ ٹھیر نہیں سکتا اس لیے اپنے آقا ہند اقصی کے بادشاہ کے پاس واپس جا رہا ہوں اور اس سے سارا ماجرا بیان کروں گا، تم میرے اور اس کے درمیان گواہ رہنا۔

جب وہ اس قسم کی باتیں کرے گا تو اس کی خبر تجھے پہنچے گی، اس وقت تو اسے بلوائیو اور نرمی سے باتیں کیجیو اور کہیو کہ تو اپنی جان کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑا ہی کہ ہماری رعیت کے آگے ہمیں برا بھلا کہتا ہی؟ اس کی سزا تو یہ ہی کہ میں فوراً تجھے قتل کر دوں لیکن بزرگوں کا مقولہ

ہے کہ "بڑے لوگوں کا شیوہ معاف کرنا ہے"۔ جواب میں دیر کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں جواب نہیں دے سکتا بلکہ یہ کہ میں بہت مشغول ہوں۔ یہ کہہ کر خط منگوائیو اُسے دوبارہ پڑھیو۔ پڑھ کر خوب ہنسیو اور اس سے کہیو کہ اس کے علاوہ اور کوئی خط بھی تیرے پاس ہے تاکہ میں اس کا جواب بھی لکھ دوں؟ وہ جواب دے گا کہ اس کے علاوہ اور کوئی خط میرے پاس نہیں۔ پھر دوسری بار اور پھر تیسری بار تو اس سے یہی سوال کیجیو اور جب وہ انکار کرے تو اس سے کہیو کہ تمھارا بادشاہ بڑا ناسمجھ ہے وہ ایسی باتیں لکھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنا لشکر لے کر اس کے مُلک پر دھاوا بول دیں اور اس کی بادشاہت چھین لیں۔ لیکن اس بار ہم اس کی گستاخی معاف کرتے ہیں کیوں کہ وہ کم عقل اور پست ہمت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس بار اسے ڈرا دھمکا دیں کہ ایسی باتیں پھر نہ کرے ورنہ میں اس پر سخت بلا نازل کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ نہ تو اس کے پاس کوئی عقل مند وزیر ہے جو اسے مشورہ دے نہ خود اس میں اتنی سمجھ ہے کہ ایسی بیہودہ گوئی سے پہلے کسی وزیر سے مشورہ لیتا۔ میں بھی اس کے خط کا جواب ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھ کر دے سکتا ہوں۔ میں یہ خط مکتب کے کسی لڑکے کو دے دوں گا کہ وہ اس کا جواب لکھ دے۔

یہ کہہ کر تو مجھے بُلوائیو اور کہیو کہ اس خط کو پڑھ کر اس کا جواب لکھ دے۔ یہ سُن کر بادشاہ خوش ہو گیا لڑکے کی رائے کو بہت پسند کیا اسے انعام دے کر اس کے باپ کا رتبہ اسے عطا کیا لڑکا خوش خوش رخصت ہوا۔ جب تین دن گزر گئے تو ایلچی نے بادشاہ کے پاس آکر جواب مانگا بادشاہ نے ایک دن کے لیے اور ٹال دیا اس پر ایلچی نے محل سے نکل کر

ویسی ہی باتیں کیں جیسا کہ لڑکے نے کہا تھا اور بازار میں جاکر کہا اے شہر والو! میں ہندا قصی کے بادشاہ کے پاس سے تمھارے بادشاہ کے پاس خط لے کر آیا تھا مگر وہ جواب دینے میں آج کل کر رہا ہے۔ جو میعاد میرے بادشاہ نے مقرر کی تھی وہ ختم ہو چکی اور تمھارے بادشاہ کے لیے اب کوئی عذر باقی نہیں رہا لہٰذا تم گواہ رہنا جب بادشاہ کو یہ خبر ملی تو اس نے ایلچی کو بلوایا اور کہا تو' اپنی جان کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے کہ جو کچھ ایک بادشاہ نے دوسرے کو لکھا ہے تو' اسے کہتا پھرتا ہے حالاں کہ دو بادشاہوں کے درمیان جو باتیں ہوتی ہیں وہ راز ہے۔ لہٰذا تو' سزا کا مستحق ہے، لیکن ہم اس کا بُرا نہیں مانتے تاکہ تیرے بے وقوف بادشاہ کو جواب مل جائے۔ مناسب یہ ہے کہ اس خط کا جواب مکتب کا سب سے چھوٹا لڑکا دے۔ یہ کہہ کر اس نے لڑکے کو بُلوایا، لڑکے نے آکر خدا کے آگے سجدہ کیا اور بادشاہ کو عمر کی درازی اور عزّت کی ہمیشگی کی دُعا دی۔ بادشاہ نے خط لڑکے کی طرف پھینک کر کہا اسے پڑھ کر فوراً اس کا جواب لکھ دے۔ لڑکے نے خط لے کر پڑھا اور مسکرا کر بادشاہ سے کہا بس اسی خط کے جواب دینے کے لیے تو' نے مجھے بُلوایا ہے؟ بادشاہ نے کہا ہاں۔ لڑکے نے کہا سر آنکھوں پر۔ اور دوات قلم کاغذ نکال کر لکھنا شروع کیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی .....

نو سو ستائیسویں رات

نو سو ستائیسویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!

لڑکے نے دوات اور کاغذ لے کر لکھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سلامتی ہو اس پر جسے امن و امان اور خدا کی رحمت ملنے میں کامیابی ہو۔ اس کے بعد اے بادشاہ جس کا نام بڑا اور کام چھوٹا ہے، میں تجھے خبر دیتا ہوں کہ تیرا خط پہنچا میں نے پڑھا جو بیہودہ باتیں اور خرافات کا طومار تو نے لکھا ہے میں خوب سمجھا مجھے یقین آگیا کہ تو سخت جاہل اور بدتمیز ہے ایسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتا ہے جو تیری طاقت سے باہر ہے۔ اگر مجھے خلق اللہ کے ساتھ محبت نہ ہوتی تو میں فوراً تجھ پر چڑھائی کر دیتا۔ تیرے ایلچی نے بازار میں جاکر تیرے خط کا مضمون ہمہ شما سے بیان کیا، مجھے چاہیے تھا کہ اسے سزا دوں لیکن میں نے رحم کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ آگے چل کر جو کچھ تو نے وزیروں، عالموں اور حکومت کے بڑے لوگوں کے قتل کے بارے میں لکھا ہے درست ہے لیکن ہر ایک مقتول کی بجائے میرے پاس ایک ہزار اور ہیں جو ان سے زیادہ عالم سمجھدار اور عقلمند ہیں بلکہ میرے یہاں کا بچہ بچہ علم سے لبریز ہے اور میرا ہر سپاہی تیرے رسالے کے برابر ہے۔ اب رہی دولت میرے یہاں واقعی سونے اور چاندی کی کانیں ہیں ہیرے جواہرات ایسے جیسے کنکر پتھر۔ تیری یہ کیوں کر ہمت پڑی جو تو لکھتا ہے کہ میں تیرے لیے بیچ سمندر میں ایک محل بنوا دوں۔ یہ تیری حماقت کی دلیل ہے تاہم میں بنوا بھی دوں گا بہ شرطے کہ تو موجوں اور ہوا کو روک تھام لے۔ تیرا یہ گمان کہ تو مجھ پر فتح پا جائے گا غلط ہے بلکہ خدا مجھے تجھ پر فتح دے گا اس بدتمیزی کا جواب تو یہ تھا کہ تجھے سزا دی جاتی۔ خیر میں اس مرتبہ محض تجھے سمجھانے پر اکتفا کرتا ہوں۔ لہٰذا اس سال کا خراج جلد بھیج دے

ورنہ میں اپنے وزیر کے ساتھ گیارہ لاکھ ہاتھی سوار بھیج کر تین برس تک تیرا محاصرہ کروں گا اور تیرا ملک چھین لوں گا لیکن سوائے تیرے اور کسی کو قتل نہ کروں گا اور سوائے تیری عورتوں کے اور کسی کو گرفتار کروں گا۔"

یہ خط لکھ کر لڑکے نے اس کے نیچے اپنی تصویر بنا دی اور تصویر کے ایک طرف لکھ دیا کہ یہ خط مکتب کے سب سے چھوٹے بچے نے لکھا ہے۔ بعد ازاں اس نے خط پر مہر لگا کر بادشاہ کو دے دیا اور بادشاہ نے ایلچی کو۔ ایلچی نے اسے لے کر بادشاہ کے ہاتھ چومے خدا کا شکریہ ادا کیا بادشاہ کی بربادی کا شکر گزار ہوا اور لڑکے کے علم و فضل پر تعجب کرتا ہوا روانہ ہو گیا اپنے بادشاہ کے پاس تین دن دیر سے پہنچا۔ اس وقت بادشاہ دربار لگائے ہوئے تھا کیوں کہ ایلچی مقررہ میعاد پر واپس نہ آیا تھا۔ ایلچی دربار میں حاضر ہوا تو اس نے سجدہ کر کے خط بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ بادشاہ نے خط لے کر اس سے پوچھا تو نے کیوں دیر لگائی اور بادشاہ وردخاں کی کیا حالت ہے؟ ایلچی نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا کہہ دیا۔ بادشاہ کے ہوش اڑ گئے اور ایلچی سے کہنے لگا ستیاناس ہو تیرا! ایسے بادشاہ کے پاس سے تو ایسی خبر ہی لایا ہے! ایلچی نے جواب دیا ابھی میرے سامنے اس خط کو کھول تاکہ تجھے سچ اور جھوٹ میں فرق معلوم ہو جائے۔ اب بادشاہ نے خط کھول کر پڑھا اس میں لڑکے کی تصویر دیکھی جس نے خط لکھا تھا اور اُسے یقین آ گیا کہ اب اس کا ملک ہاتھ سے گیا اور نہ معلوم اس کا کیا حشر ہو گا! اس کے بعد اس نے اپنے وزیروں اور سرداروں

کے آ کے وہ خط پڑھا۔ ان سے سارا ماجرا کہا۔ وہ سب کے سب کانپ اُٹھے لیکن ظاہرا بادشاہ کو اطمینان دلاتے رہے۔ بڑے وزیر بدیع نے کہا ای بادشاہ! جو کچھ میرے بھائی وزرا تجھ سے کہہ رہے ہیں بے فائدہ ہی۔ میری رائے یہ ہی کہ تو اس بادشاہ کے نام ایک اور خط لکھ اس میں معذرت کر اور اسے جتا کہ میں تجھ سے محبت رکھتا ہوں اور تجھ سے پہلے تیرے باپ سے محبت رکھتا تھا۔ پہلا خط میں نے محض بہ طور امتحان کے لکھا تھا کہ دیکھوں تیری ہمت، بہادری، علم اور عمل کس درجے کے ہیں اب میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ تیرا ملک تجھے مبارک کرے، تیرا ملک اور زیادہ مضبوط کرے۔ یہ خط ایک دوسرے ایلچی کے ہاتھ بھیج دیا۔

بادشاہ نے کہا خدا کی قسم یہ بڑی عجیب وغریب بات ہی۔ یہ کیسے ہوا کہ وہ بادشاہ اپنے ملک کے علما، عقل مندوں اور سرداروں کے قتل کے بعد بھی اتنا بڑا ہی، اس کا ملک خوش حال ہی اور اس میں اتنی قوت ہی؟ سب سے زیادہ اچنبھے والی یہ بات ہی کہ مکتب کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اپنے بادشاہ کی طرف سے ایسا خط لکھ سکتے ہیں۔ میں نے لالچ میں آکر یہ آگ بھڑکا دی ہی اور اب سوائے میرے اس وزیر کے اُسے کوئی بجھا نہیں سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے قیمتی قیمتی تحفے تحائف، غلام باندیاں اور بڑا جلوس تیار کیا ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اس کے بعد معلوم ہو کہ ای میرے پیارے بھائی جلیعاد کے بیٹے (خدا اس پر رحم کرے!) زبردست بادشاہ وردخاں! میرے خط کا جواب ملا میں نے اُسے پڑھا اور

اس کا مطلب سمجھا، اس کا مضمون دیکھ کر بیٹ خوش ہوگیا کیوں کہ زیادہ سے زیادہ یہی خدا سے یہی اُمید رکھتا تھا۔ میری دُعا ہے کہ خدا تیرا مرتبہ اور بڑھائے تیری حکومت اور مضبوط کرے اور جو تیرے دشمن تیرا بُرا چاہتے ہیں اس پہ تجھے فتح دے۔ اے بادشاہ! سُن، تیرا باپ میرا بھائی تھا۔ جب تک وہ زندہ رہا میرے اور اس کے درمیان عہد و پیماں رہے اسے مجھ سے بھلائی ہی بھلائی ملا کی اور مجھے بھی اس سے۔ جب اس کا انتقال ہوگیا اور تو اس کی شاہی کرسی پر بیٹھا تو مجھے بڑی خوشی اور مسرت ہوئی لیکن جب مجھے یہ خبر ملی کہ تو نے اپنے وزیروں اور بڑے لوگوں کے ساتھ یہ حرکت کی تو میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو اس کی خبر کسی دوسرے بادشاہ کے پاس پہنچ جائے اور اس کے دل میں تیرے ملک کا لالچ پیدا ہو اور تو بے خبری کی حالت میں اس کا شکار ہو جائے۔ میرے خط کا مقصد تجھے آگاہ کرنا تھا لیکن تیرا جواب پڑھ کر مجھے اطمینان ہوگیا، خدا تیرا ملک تجھے مبارک کرے اور تیرا مرتبہ بڑھائے، والسلام۔ اس نے تحفے تحائف تیار کر کے سَو سواروں کے ہاتھ روانہ کیے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔ . . . . .

نو سو اٹھائیسویں رات

نو سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! ہند اقصیٰ کے بادشاہ نے تحفے تحائف تیار کر کے سَو سواروں کے ہاتھ روانہ کر دیے اور انھوں نے بادشاہ وردخان کے پاس پہنچ کر اُسے سلام کیا، خط دیا، وردخان نے خط پڑھا۔ اس کا مطلب سمجھا اور سواروں کے

رسالدار کو ایسی جگہ اُتارا جو اس کی شان کے شایاں تھا اس کی بڑی عزّت کی اور جو تحفے تحائف وہ لائے تھے انھیں بڑی خوشی سے منظور کیا اس کی خبر لوگوں میں مشہور ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے شماس کے بیٹے کو بلوایا اور اُسے انعام دے کر عزّت کے ساتھ رسالدار کے پاس بھیجا خط لڑکے کو دیا۔ لڑکے نے اُسے پڑھا، لڑکا رسالدار پر ناراض ہوتا رہا اور رسالدار اس کے ہاتھ چومتا معذرت کرتا اور اسے جان و مال کی دُعا دیتا رہا۔ بادشاہ نے اس کا شکریہ ادا کیا، اس کا احترام کیا، اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو ان کے رُتبے کے مطابق انعام دیے اور تحفے تحائف تیار کر کے لڑکے سے کہا کہ خط کا جواب لکھ۔ لڑکے نے جواب میں بہت اچھا آداب القاب لکھا مصالحت کا بھی ذکر کیا اور ایلچی اور اس کے سواروں کے ادب و آداب کی تعریف کی۔ خط ختم کرنے کے بعد اس نے بادشاہ کے سامنے پیش کیا، بادشاہ نے کہا اے پیارے بیٹے! پڑھ تاکہ میں سنوں کہ تو نے کیا لکھا ہے۔ لڑکے نے سب سواروں کے سامنے خط پڑھ کر سنایا، بادشاہ اور تمام حاضرین اس کا مطلب سمجھ کر متعجّب ہو گئے۔ اب بادشاہ نے اس پر مہر لگا کر رسالدار کے سپرد کر دیا اسے رخصت کیا اور اس کے ساتھ لشکر کا ایک حصّہ روانہ کیا تاکہ وہ انھیں ان کے ملک کی سرحد تک پہنچا آئے۔

یہ تو بادشاہ اور لڑکے کا ماجرا ہُوا، اب رسالدار کا قصّہ سنو۔ لڑکے کا علم و فضل دیکھ کر اس کی عقل دنگ ہو گئی اس نے اس کا شکریہ ادا کیا کہ اتنی جلد اس کا کام ہو گیا اور بادشاہ نے صلح منظور کر لی۔ ہند اقصیٰ پہنچ کر اس نے بادشاہ کو تحفے تحائف اور خط دیا اور جو کچھ دیکھا تھا کہا۔ بادشاہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ وہ خدا کا شکر بجالایا رسالدار

کا بڑا احترام کیا اس کی کارگزاری کا شکر گزار ہوا اس کا رتبہ بڑھا دیا اور بڑے اطمینان و بے فکری سے رہنے لگا۔

ہندا قصی کے بادشاہ کی کیفیت معلوم ہوگئی اب بادشاہ وردخان کا حال سنو۔ اس نے اپنی بُری عادتیں چھوڑ کر خدا کے آگے توبہ کی۔ عورتوں کی صحبت بالکل ترک کر کے ملک کی اصلاح کی طرف ہمہ تن مشغول ہوگیا شماس کی جگہ اس کے بیٹے کو وزیر بنا لیا اور حکم دیا کہ سات دن تک شہر میں چراغاں کیا جائے، رعیت خوش ہوگئی ان کے دل سے بادشاہ کی بُرائی کا ڈر نکل گیا اور اس کے عدل و انصاف سے سب خوش ہو گئے۔ بادشاہ کو بھی دُعا دی اور وزیر کو بھی جس نے بادشاہ اور رعیت کا غم غلط کر دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے وزیر سے پوچھا اب کیا تدبیر ہونی چاہیے کہ ملک ویسا ہی سرسبز و شاداب ہو جائے جیسا کہ اگلے رؤسا اور ریاست والوں کے وقت میں تھا؟ وزیر نے کہا اے عالی شان بادشاہ! میری رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے دل سے گناہوں کی جڑ کو کاٹ کر پھینک دے کھیل کود، جور و ظلم اور عورتوں سے انہماک چھوڑ دے کیوں کہ اگر تو گناہوں کی جڑ کی طرف دوبارہ مائل ہوا تو یہ دوسری گمراہی پہلی سے بھی بڑھ چڑھ ہوگی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ گناہوں کی جڑ کیا ہے جو مجھے کاٹ ڈالنی چاہیے؟ چھوٹی عمر اور بڑی عقل والے وزیر نے کہا اے عالی شان بادشاہ! گناہ کی جڑ عورتوں کی محبت، ان کی طرف میلان، ان کی رائے اور تدبیر کا قبول کرنا ہے کیوں کہ ان کی محبت صاف عقل کو گندہ اور سالم طبیعتوں کو پراگندہ کر دیتی ہے۔ اگر تو غور کرے تو اس بات کو خود سمجھ سکتا ہے میرے کہنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ خدا نے اپنے نبی موسیٰ کے ذریعے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ عورتوں

سے زیادہ میل جول نہ رکھنا چاہیے۔ ایک عقل مند بادشاہ نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ بیٹا! جب تو میرے بعد بادشاہ ہو تو عورتوں سے زیادہ میل جول نہ رکھیو ورنہ تیرا دل فاسد ہو جائے گا اور رائے گمراہ، ان کے زیادہ میل جول سے ان کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کی محبت سے رائے بگڑ جاتی ہے۔ اس کی دلیل حضرت سلیمان بن داؤد ؑ ہیں جنہیں خدا نے اتنا علم، حکمت اور حکومت دی تھی کہ کسی کو آج تک ملی بھی نہیں، ان کے باپ کی غلطی کا سبب بھی عورتیں ہی تھیں۔ اے بادشاہ! ایسی مثالیں بہت سی ہیں لیکن میں نے حضرت سلیمان ؑ کا ذکر اس لیے کیا کہ جیسی ان کی حکومت تھی کسی کی بھی نہ ہوئی یہاں تک کہ دنیا کے تمام بادشاہ ان کے فرماں بردار تھے۔ عورتوں کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے اور عقل تو ان میں سے کسی میں بھی نہیں ہوتی۔ انسان کو چاہیے کہ عورتوں سے میل جول جتنا کم ہو سکے رکھے بالکل الگ تھلگ کا ہو کر اپنے کو تباہی میں نہ گرائے۔ اے بادشاہ! اگر تو نے میرا کہنا مان لیا تو تیرے سب کام ٹھیک ہو جائیں گے ورنہ تو ایسا پچھتائے گا کہ پھر پچھتائے کچھ نہ بنے گا۔ بادشاہ نے کہا میں نے اب عورتوں کا رجحان بالکل ترک کر دیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ......

نوسو انتیسویں رات

نوسو انتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! وردخان نے کہا میں نے عورتوں کی طرف رجحان تو بالکل ترک کر دیا لیکن ان کی حرکتوں کی سزا کیا دینی چاہیے کیوں کہ تیرے باپ شماس کی موت

کا باعث یہی عورتیں ہیں، میرا مقصد ہرگز یہ نہ تھا مجھے معلوم نہیں کہ میری عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے کہ میں نے ان کی بات مان لی۔ اس کے بعد اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا چیخ ماری اور کہا ہائے افسوس! کیا ہوا میری وزیر کہاں گئی اس کی صائب رائے، کدھر گئے دوسرے وزیر اور حکومت کے بڑے بڑے لوگ! وزیر نے کہا جرم محض عورتوں کا نہیں، ان کی مثال محض ایک خوب صورت کھلونے کی سی ہے جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوتے ہیں، جو کوئی انھیں خریدنا چاہتا ہے وہ اس کے ہاتھ بک جاتی ہے اور جو انھیں خریدنا نہیں چاہتا اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا، لیکن جرم اُسی کا ہے جو خریدتا ہے بالخصوص جب کہ وہ اس کے نقصان کو جانتا ہو۔ میں بھی تجھے اس سے خبردار کرتا ہوں اور اس سے پہلے میرے باپ نے بھی تجھے خبردار کیا تھا لیکن تو نے اس کی نصیحت نہ مانی۔ بادشاہ بولا میں گناہ کا مرتکب ہو چکا ہوں اور میرے پاس سوا اس کے کوئی عذر نہیں کہ خدا کا یہی حکم تھا۔ وزیر نے کہا اے بادشاہ! خدا نے ہمیں پیدا کیا، ہمیں قوت دی، ارادہ اور اختیار دیا، اگر ہم چاہیں ایک کام کریں اگر نہ چاہیں نہ کریں۔ خدا نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم ایسا کام کریں جس میں نقصان ہو اور گناہ کے مرتکب ہوں۔ ہم اچھا کریں یا برا اپنے ارادے سے کرتے ہیں۔

یہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ تو بالکل سچ کہتا ہے، واقعی غلطی میری ہے کہ میں شہوتوں میں پڑا رہا۔ میں نے کئی بار اپنے آپ کو ڈرایا اور تیرے باپ شماس نے بھی بارہا ڈرایا لیکن میرا نفس عقل پر غالب آگیا۔ کیا تو مجھے ان غلطیوں سے روک سکتا ہے تاکہ میری عقل نفسانی شہوتوں پر غالب آجائے؟ وزیر نے جواب دیا ہاں، میں ایک بات بتا سکتا ہوں جس سے

تو پھر ایسی غلطیاں نہ کرے وہ یہ ہو کہ تو جہالت کو چھوڑ کر انصاف پسندی سے کام کرے اپنی خواہشات کی نافرمانی اور اپنے مالک کی فرماں برداری کر اپنی عادتیں ترک کر کے اپنے عادل باپ کی عادتوں کو اپنا رہ نما بنا، خدا اور اپنی رعیّت کے حقوق ادا کر، اپنے دین، اپنی رعیّت اور اپنی ذات کی حفاظت فرض جان، ہر بات کا انجام سوچ، ظلم و جور اور فساد سے دست کش ہو، عدل و انصاف اور خضوع و خشوع پر کاربند ہو، خدا کے احکام کی تعمیل سے منھ نہ موڑ، اس کی مخلوق کے ساتھ جو اس نے تیرے سپرد کی ہو مہربانی سے پیش آ، ان سے ایسا برتاؤ کر کہ وہ تجھے ہمیشہ دُعا دیں۔ اگر انھوں نے ہمیشہ تجھے دعا دی تو تیری زندگی خوشی سے گزرے گی خدا اپنی رحمت سے تجھے معاف کرتا رہے گا اور جو تجھے دیکھے گا تیرا رعب مانے گا تو اپنے دشمنوں کو نیچا دکھائے گا خدا ان کے لشکروں کو تباہ کرے گا اس کے نزدیک تو مقبول ہوگا اور خلق کے نزدیک محبوب۔ بادشاہ بولا تو نے سچ مچ میرے دل کو زندہ کر دیا، اپنی شیریں کلامی سے اس میں روشنی پیدا کر دی، میری اندھی آنکھیں نورانی کر دیں۔ خدا نے چاہا تو میں تیری تمام باتوں پر کاربند رہوں گا، جن خواہشات اور گناہوں میں مشغول ہوں انھیں چھوڑ دوں گا حتیٰ کہ تو مجھ سے خوش ہو جائے گا میں باوجود بڑی عمر کے مثل تیرے بیٹے کے ہوں اور تو باوصف کم عمری کے میرے باپ کی طرح۔ میرا فرض ہے کہ جو کچھ تو کہے اسے حتیٰ الامکان پورا کروں میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس نے تیری وجہ سے مجھے ایسے سیدھے راستے پر لگا دیا جس سے میرا رنج و غم دور ہو گیا۔ تیری معرفت اور تدبیر سے میری رعیّت سلامتی کے گنبد میں آ گئی۔ اس وقت تو میرے ملک کا منتظم

ہو تو ہمیشہ کرسی پر بیٹھا کرے گا اور جو کچھ تو کرے گا میں تسلیم کروں گا اور تیری بات کبھی نہ ٹالوں گا، اگرچہ تو کم سن ہو لیکن تیری عقل اور تیرا علم بہت بڑا ہو۔

وزیر بولا ای نیک بخت بادشاہ! نصیحت سے مجھے تجھ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی کیوں کہ تیری بخششوں کی وجہ سے یہ مجھ پر فرض ہو، اور یہ حال میرا ہی نہیں بلکہ میرے باپ پر بھی تیری نعمتیں حد سے زائد تھیں۔ ہم سب تیرے احسانوں اور مہربانیوں کو تسلیم کرتے ہیں اور کیوں تسلیم نہ کریں تو ہمارا چرواہا اور حاکم ہو ہمارے دشمنوں کو مار کر ہم سے بھگا دیتا ہو، ہمارا پہرے دار اور ہماری حفاظت کا ضامن ہو، ہماری سلامتی کی جان توڑ کوشش کرتا ہو۔ اگر ہم فرماں برداری میں اپنی جانیں بھی دے دیں تو بھی تیرا شکر یہ ادا نہیں کر سکتے لیکن ہم دل سے خدا کے شکر گزار ہیں کہ اس نے تجھے ہمارا اولی اور حاکم بنایا اور اس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تیری عمر دراز کرے تجھے ہر کام میں کامیابی دے، مشکل میں ڈال کر تیرا امتحان نہ لے، تیری مراد بر لائے، تمام عمر لوگوں پر تیرا دبدبہ قائم رکھے، تجھے اتنی قوت عطا کرے کہ تو ساری دنیا کا سرتاج بن جائے، تمام دشمنوں کو نیچا دکھائے، تجھے یہ توفیق دے کہ تو عالموں اور بہادروں کو اپنے ملک میں اکٹھا کرے جاہلوں اور بزدلوں کو نکال باہر کرے اور اپنی رعیت سے گرانی اور تکلیفوں کو دوُر رکھے ان میں الفت اور محبّت پیدا کرے، خدا اپنے کرم و مہربانی سے تجھے دنیا میں بہبودی اور آخرت میں نیکی عطا کرے، آمین! وہ ہر چیز پر قادر ہو اس کے لیے کوئی بات دشوار نہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ وزیر کی یہ دعا سُن کر بادشاہ باغ باغ ہو گیا اس سے

بے حد محبت کرنے لگا اور کہا اے وزیر اشن، تو میرے نزدیک مثل بھائی، بیٹے اور باپ کے ہے، سوا موت کے اب ہمیں کوئی چیز جدا نہیں کر سکتی میری تمام ملکیت پر تجھے خرچ کرنے کا اختیار ہے اور اگر میرے کوئی اولاد نہ ہوئی تو میرے بعد تو تخت پر بیٹھے گا کیوں کہ تجھ جیسا میرے تمام ملک میں کوئی نہیں۔ میں ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے آگے تجھے اپنا جانشین بنا دوں گا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ....

نو سو تیسویں رات

نو سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! میں ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے آگے تجھے اپنا جانشین بنا دوں گا۔ اس کے بعد اس نے اپنے کاتب کو بلا کر کہا ملک کے تمام بڑے آدمیوں کے نام لکھ کر وہ حاضر ہوں اور شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ سب خاص و عام آئیں۔ بادشاہ نے ایک بڑا دربار منعقد کیا اور ایسا دسترخوان بچھوایا کہ اس سے پہلے کبھی نہ بچھا ہوگا خاص و عام سب کو دعوت دی سب آکر ایک مہینے تک کھایا پیا کیے۔ بادشاہ نے اپنے تمام نوکر چاکروں اور فقیروں کے پہننے کے لیے کپڑے بخشے پڑھے لکھوں کو بڑے بڑے انعام دیے، تمام عالموں اور حکیموں کا شماس کے بیٹے سے تعارف کرایا اور اس سے کہا کہ ان میں سے سات کو منتخب کر کے اپنے ماتحت وزیر بنا لے۔ شماس کے بیٹے نے چھ کو منتخب کر لیا جو عمر میں سب سے بڑے، عقل میں سب سے زیادہ کامل تھے اور انھیں بادشاہ کے

پاس لے جاکر وزارت کے خلعت پہنائے۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ تم ابن شماس کے ماتحت میرے وزیر ہو۔ اگرچہ وہ عمر میں تم سے چھوٹا ہے لیکن عقل میں تم سب سے بڑھا ہوا ہے لہٰذا وہ جو کچھ تم سے کہے تمھیں ماننا ہوگا اور جو کچھ حکم دے اس کی تعمیل کرنی ہوگی۔ اس کے بعد بادشاہ نے انھیں وزرا کے دستور کے موافق زردوز کرسیوں پر بٹھایا ان کا روزینہ اور تنخواہیں مقرر کیں پھر ان سے کہا کہ مُلک کی خدمت کے لیے ان لوگوں میں سے منتخب کرلیں جو دعوت میں حاضر تھے ہزار ہزار، سو سو اور دس دس کے سردار بنالیں۔ بادشاہ نے ان کے بھی روزینے اور تنخواہیں مقرر کردیں جیسے کہ سرداروں کی ہوتی ہیں اور ان سے کہا کہ تمام حاضرین کو بڑے بڑے انعامات دیں اور انھیں عزّت و احترام سے ان کے وطن بھیج دیں۔ پھر اس نے اپنے والیوں کو حکم دیا کہ رعیت کے ساتھ انصاف کریں اور امیروں غریبوں سب کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں۔ وزیروں نے دُعا دی کہ اس کی عزّت ہمیشہ قائم رہے اور عمر دراز ہو! بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر تین دن تک چراغاں کیا جائے۔

یہ تو مُلک کے انتظام کے بارے میں بادشاہ، اس کے وزیر ابن شماس، امرا اور والیوں کا قصّہ ہوا، اب بادشاہ کی ان چہیتی عورتوں کا حال سنو جن کی چالوں اور فریب کی وجہ سے وزیر مارے گئے تھے اور مُلک تباہ ہو گیا تھا۔ جب سب لوگ رخصت ہو گئے اور مُلک کا انتظام ٹھیک ٹھاک ہو گیا تو بادشاہ نے اپنے بڑے وزیر کو جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا حکم دیا کہ باقی وزیروں کو بُلا جب وہ حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے تنہائی میں کہا تمھیں معلوم ہے کہ میں اب تک سیدھے

راستے سے پھرا ہوا، جہالت میں غرق، نصیحتوں اور نصیحت کرنے والوں سے برگشتہ اور عہد و پیماں کو توڑا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ان عورتوں کے ساتھ کھیل کود میں لگا رہتا وہ مجھے اپنی بیہودہ گوئی سے مکروہ فریب میں رکھتی تھیں اور میں ان کی باتوں میں آجاتا تھا کیوں کہ میں ان کی شیریں بیانی اور نرم کلامی کو نصیحت سمجھتا تھا لیکن وہ قاتل زہر نکلیں۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ محض میری ہلاکت اور بربادی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی تھیں، اس لیے میرا فرض ہے کہ انصاف کی بنا پر میں انھیں سزا دوں تاکہ اور لوگ ان سے عبرت پکڑیں۔ بتاؤ کس طرح سے انھیں سزا دینی چاہیے؟

وزیر ابن شماس نے کہا اے عالی شان بادشاہ! میں تجھ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جرم محض عورتوں کا نہیں بلکہ اس میں وہ مرد بھی شامل ہیں جنھوں نے ان کا کہنا مانا۔ بہرحال عورتوں کو سزا دینی واجب ہے۔ اس کے دو سبب ہیں، ایک یہ کہ تو بڑا بادشاہ ہے تیرا حکم ماننا چاہیے، دوسرے یہ کہ انھوں نے تیرے ساتھ بڑی دیدہ دلیری کی، تجھے دھوکا دیا، ایسی باتوں میں دخل اندازی کی جن سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا اور جن کے متعلق باتیں کرنے کا انھیں کوئی حق نہ تھا۔ وہ سزا کی مستحق ضرور ہیں لیکن جو سزا انھیں مل چکی ہے کافی ہے، اب انھیں محض نوکرنیاں بنا کر رکھ۔ آیندہ تجھے اختیار ہے۔

بعض دوسرے وزیروں نے بھی وہی مشورہ دیا جو ابن شماس نے دیا تھا مگر ایک وزیر نے آگے بڑھ کر بادشاہ کو سجدہ کیا اور کہا خدا بادشاہ کی عمر میں برکت دے! اگر تو ان کی بربادی پر تلا ہوا ہے تو میرا کہنا مان اور اپنی ایک چہیتی عورت سے کہہ کہ جن جن عورتوں نے تجھے دھوکا دیا ہے انھیں وہ اس کوٹھری میں لے جائے جہاں وزرا اور حکما قتل کیے گئے ہیں تو

انھیں وہاں قید کردے اور انھیں بہت تھوڑا کھانا پینا دے، بس اتنا کہ وہ زندہ رہ سکیں انھیں وہاں سے نکلنے کی بالکل اجازت نہ ہو اور جو کوئی ان میں سے مر جائے اسے وہیں پڑا رہنے دے یہاں تک سب مر جائیں۔ یہ کم از کم ان کی سزا ہے کیوں کہ اس تمام فتنے کی وجہ وہی ہیں اور ان پر یہ مقولہ ٹھیک اُترتا ہے کہ جو اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ بادشاہ نے اس کی رائے مان لی اور اپنی چار حبشی عورتوں کو بلاکر مجرم عورتیں ان کے حوالے کیں اور کہا انھیں مقتولوں کی کوٹھری میں لے جاکر قید کردو۔ بادشاہ نے ان کے لیے تھوڑا تھوڑا اور خراب کھانا پینا مقرر کر دیا۔ وہ اپنی کرتوت پر بہت پچھتائیں بے حد افسوس کرنے لگیں خدا نے انھیں دنیا میں نامرادی دی اور آخرت میں عذاب۔ وہ برابر اس اندھیری اور بدبودار جگہ میں پڑی رہیں، ہر روز ان میں سے دو چار مر جاتیں یہاں تک کہ سب مر گئیں اور اس کی خبر تمام مُلکوں میں پھیل گئی۔ یہ تھا انجام بادشاہ، اس کے وزیروں اور رعیت کا۔ سب تعریفیں ہیں واسطے خدا کے جو قوموں کو مارتا سڑی ہڈیوں کو جِلاتا اور ابد تک عزت و احترام اور پاکی کا مستحق ہے۔

رنگریز ابو قیر اور نائی ابو صیر کی کہانی

اسکندریہ میں دو شخص رہتے تھے، ایک کا نام ابو قیر تھا دوسرے کا ابو صیر۔ ابو قیر رنگریز تھا اور ابو صیر نائی۔ دونوں کی دکانیں بازار میں پاس پاس تھیں۔ رنگریز بڑا اچال باز جھوٹا اور شریر تھا کسی بُرائی سے نہ جھجکتا۔ اس کی عادت تھی کہ جب کوئی گاہک اس کے پاس کپڑے رنگوانے آتا تو

وہ رنگائی پہلے لے لیتا اور گاہک سے کہتا کہ میں ان داموں سے رنگ مول لاؤں گا مگر انھیں کھانے پینے میں خرچ کر دیتا پھر کپڑے بھی بیچ ڈالتا اور ان کے دام کھا پی جاتا۔ ہمیشہ اچھے سے اچھا کھاتا کھاتا اور جب کپڑے والا آتا تو اس سے کہتا کہ کل دھوپ نکلنے سے پہلے آئیو تو تیرے کپڑے رنگے ہوئے ملیں گے۔ یہ سن کر کپڑے والا چلا جاتا اور اپنے دل میں کہتا کہ کل کا دن بھی دور نہیں۔ جب وہ دوسرے دن آتا تو رنگریز کہتا کل آ کر لے جائیو کیوں کہ کل میں رنگنے سے فارغ نہ ہو سکا، میرے ہاں مہمان آ گئے تھے میں ان کی خدمت میں لگا رہا، کل تم کو کپڑے رنگے رنگائے تیار ملیں گے۔ گاہک چلا جاتا اور پھر تیسرے دن آتا۔ رنگریز کہتا کل میں مجبور تھا کیوں کہ رات کو میری بیوی کے بچہ پیدا ہوا اور دن بھر اس کے لیے میں ضروری چیزیں مہیا کرتا رہا، کل ضرور اپنے کپڑے لے جائیں۔ گاہک پھر آتا اور رنگریز کوئی اور بہانہ نکال دیتا قسمیں کھاتا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔ . . .

نو سو اکتیسویں رات

نو سو اکتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!

جب گاہک رنگریز کے پاس آتا تو وہ کوئی نہ کوئی بہانہ نکال دیتا اور قسمیں کھاتا یہاں تک کہ گاہک تنگ آ جاتا اور کہتا کہ تو کب تک کل کل کرتا رہے گا، میرے کپڑے واپس دے دے میں رنگوانا نہیں چاہتا۔ رنگریز کہتا کہ بھائی، خدا کی قسم میں تجھ سے شرمندہ ہوں لیکن کیا بتاؤں۔ بس یہ سمجھ لے کہ جو شخص لوگوں کو دق کرتا ہے خدا اسے دق کرتا ہے۔ گاہک کہتا بتا تو

سہی کیا ہوا ؟ رنگریز جواب دیتا میں نے تیرے کپڑے ایسے رنگے تھے جس کا جواب نہیں اور رسّی پر لٹکا دیے تھے کوئی کم بخت انھیں چرالے گیا اور مجھے پتا بھی نہ لگا کہ کس نے چرایا۔ اگر گاہک بھلا مانس ہوتا تو کہتا کہ خیر، خدا ان کے بدلے مجھے اور دے گا، اور اگر بدمعاش ہوتا تو تُو تُو میں میں ہونے لگتی لیکن اگر وہ حاکم کے پاس بھی جا کر شکایت کرتا تو بھی اس کے ہاتھ کچھ نہ لگتا۔ رنگریز کا یہی رویہ رہا یہاں تک کہ سب لوگ اس کی بدمعاشی سے واقف ہو گئے اور ایک دوسرے کو ابوقیر سے خبردار کرتے رہے وہ ضرب المثل ہو گیا۔ سب نے اس کے پاس جانا چھوڑ دیا اور اگر کوئی پھنستا تو وہی جو اس سے واقف نہ ہوتا، پھر بھی ہر روز اس سے تُو تُو میں میں ہوتی رہتی آخر اس کا کام بند ہو گیا۔ اب رنگریز نے یہ ترکیب شروع کی کہ اپنے پڑوسی نائی کی دُکان کے اندر جا بیٹھتا اور اپنی دُکان کے دروازے کی طرف دیکھتا رہتا، اگر اسے کوئی نیا گاہک دکھائی دیتا تو نائی کی دُکان سے نکل کر باہر آتا اور کہتا کہ کیا چاہتا ہے؟ گاہک جواب دیتا کہ یہ کپڑے رنگ دے۔ رنگریز کہتا کون سا رنگ چاہتا ہے۔ رنگریز بدمعاش تو تھا مگر رنگائی کے ہنر میں بھی اس کو پوری دست گاہ تھی اور چوں کہ ہر شخص کو دھوکا دیتا اس لیے وہ غریب رہتا۔ اچھا تو وہ کپڑے لے لیتا اور کہتا کہ رنگائی پیشگی دیتا جا کل آکر کپڑے لے جائیو۔ گاہک رنگائی دے کر چل دیتا۔ جب گاہک چلا جاتا تو رنگریز کپڑے لے کر بازار میں بیچ آتا اور گوشت ترکاری، تمباکو، میوے خرید لاتا۔ اور اگر وہ کسی کو دُکان پر کھڑا دیکھتا جو کپڑے رنگنے کو دے گیا ہے اسے اپنی صورت نہ دکھاتا۔ کئی سال تک اس کا یہی دستور رہا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ اس نے اسی طرح ایک بڑے آدمی کے کپڑے لے کر بیچ ڈالے اور ان کے دام کھا پی گیا۔ گاہک روز اس کی دُکان پر آتا لیکن اُسے نہ پاتا کیوں کہ رنگریز جب کسی کو دیکھتا جس کے کپڑے اس کے پاس ہوتے تو جاکر ابوصیر نائی کی دُکان میں چھپ رہتا۔ جب اس بڑے آدمی نے اسے بار بار دُکان پر نہ پایا اور وہ آتے آتے تھک گیا تو جاکر قاضی کے پیادے کو لے آیا اور اس نے کئی مسلمانوں کے روبرو دُکان کے دروازے میں کیلیں ٹھونک کر مُہر لگادی کیوں کہ اس نے دُکان میں گاہک کی چیزوں کے بدلے کچھ ٹوٹے ہوئے مٹی کے برتن دیکھے۔ پیادے نے پڑوسیوں سے کہا اس سے کہہ دینا کہ اس گاہک کے کپڑے لے آئے اور دُکان کی کنجی لے جائے۔ یہ کہہ کر گاہک اور پیادہ دونوں چلے گئے ابوصیر نے ابوقیر سے کہا یہ کیا آفت ہے کہ جو کوئی تیرے پاس کپڑے لاتا ہے تو انھیں کھو دیتا ہے، اس بڑے آدمی کے کپڑے کیا ہوئے؟ اس نے جواب دیا اے میرے پڑوسی! چوری ہوگئے۔ ابوصیر بولا عجیب بات ہے، جو چیز کوئی شخص تجھے دے جاتا ہے اسے چور چرا لے جاتا ہے، کیا تیرے یہاں چوروں کا اڈا ہے؟ میرے خیال میں تو جھوٹ بولتا ہے، آخر واقعہ کیا ہے؟ رنگریز نے کہا کہ میرے ہاں سے کوئی چیز چوری نہیں گئی۔ ابوصیر بولا پھر تو لوگوں کے کپڑوں کا کیا کرتا ہے؟ ابوقیر نے جواب دیا جو گاہک کپڑے لاتا ہے انھیں بیچ کر کھا جاتا ہوں۔ ابوصیر نے کہا کیا یہ خدا نے تیرے لیے حلال کر رکھا ہے؟ ابوقیر بولا میں ناداری کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں میرا پیشہ چلتا نہیں اور میں غریب ہوں، میرے پاس کچھ نہیں۔ ابوصیر نے کہا میرا کام بھی رُکا ہوا ہے، اگرچہ میں اس فن میں اُستاد ہوں اور میرا جواب اس شہر میں نہیں لیکن میرے

غریب ہونے کی وجہ سے کوئی میرے پاس خط بنوانے نہیں آتا، اس لیے مجھے اس پیشے سے نفرت ہوگئی ہے۔ ابوقیر رنگریز بولا بھائی! میں بھی اپنے پیشے سے نفرت کرنے لگا ہوں، پھر اس شہر میں ٹھیرنے سے کیا فائدہ، چل ہم دونوں دوسرے شہروں کی سیر کریں۔ ہمارے پیشے ایسے ہیں کہ ہر جگہ کام دیں گے۔ یہاں سے نکل کر خدا نے چاہا تو ہمارے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ غرض کہ ابوقیر نے ابوصیر سے سفر کی خوبیاں یہاں تک بیان کیں کہ وہ چلنے پر راضی ہوگیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔ . . . .

نوسو بتیسویں رات

نوسو بتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ، ابوصیر چلنے پر راضی ہوگیا ابوقیر بہت خوش ہوا اور ابوصیر سے کہنے لگا اے پڑوسی! اب ہم دونوں بھائی بھائی ہوگئے ہیں ہم میں کوئی فرق نہیں ہمیں چاہیے کہ فاتحہ پڑھیں اور عہد کریں کہ ہم میں سے جو کام کرے وہ نکھٹو کو بھی کھلائے اور جو باقی بچے اسے صندوق میں جمع کرتے رہیں جب ہم لوٹ کر اسکندریہ آئیں تو انصاف سے برابر برابر تقسیم کرلیں۔ ابوصیر نے یہ بات مان لی، فاتحہ پڑھ کر وعدہ کرلیا۔ ابوصیر نے تو دکان بند کرکے چابی دکان کے مالک کو دے دی لیکن ابوقیر نے چابی قاضی کے پیادے کے پاس رہنے دی اور دکان کو بند سر بہ مُہر چھوڑ کر چل دیا۔ دونوں اسی روز ایک کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہوگئے۔ نائی کی خوش قسمتی سے کشتی میں سوا اس کے اور کوئی نائی نہ تھا حالاں کہ اس میں علاوہ ناخدا اور

ملاحوں کے ایک سو بیس مسافر تھے۔ جوں ہی کشتی کے بادبان کھلے نائی نے رنگریز سے کہا بھائی! سمندر پر ہمیں کھانے پینے کی ضرورت ہو گی اور ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان بہت کم ہے، اس لیے اگر کوئی مجھ سے کہے گا کہ اے نائی! میری حجامت بنا دے تو میں ایک روٹی یا نصف درہم یا ایک پیالہ پانی کے عوض بنا دوں گا، اس سے مجھے اور تجھے دونوں کو فائدہ ہو گا۔ رنگریز نے کہا بہت خوب اور لیٹ کر سو گیا۔

اب نائی اٹھا اپنی کسوت سنبھالی پیالہ ہاتھ میں لیا اور رومال کی بجائے ایک پھٹا پرانا کپڑا کندھے پر ڈالا کیوں کہ وہ غریب تھا اور مسافروں میں گھومنے لگا۔ ایک مسافر نے کہا استاد! میری حجامت بنا دے، نائی نے حجامت بنا دی مسافر نے اسے نصف درہم دے دیا۔ نائی بولا بھائی! اس نصف درہم کا میں کیا کروں گا! اگر تو مجھے ایک روٹی دیتا تو وہ مجھے سمندر پر زیادہ کام دیتی میرا ایک ساتھی اور ہے اور ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان کافی نہیں۔ مسافر نے اُسے ایک روٹی ایک ٹکڑا پنیر کا بھی دے دیا اور اس کے پیالے میں میٹھا پانی بھر دیا۔ نائی یہ چیزیں لے کر ابوقیر کے پاس پہنچا اور کہا کہ روٹی پنیر کے ساتھ کھا اور پیالہ پانی کا پی لے۔ ابوقیر نے روٹی کھائی اور پانی پیا اس کے بعد ابوصیر پھر اپنی کسوت لے کر مسافروں کے پاس گیا ایک شخص کے بال دو روٹیوں کے بدلے بنائے اور ایک دوسرے کے بال پنیر کے بدلے۔ اب ہر طرف سے اس کی بلاؤ شروع ہو گئی جو کوئی اس سے کہتا کہ استاد، میری حجامت بنا دے تو اس سے دو روٹیوں اور نصف درہم کی شرط کر لیتا چوں کہ کشتی میں اور کوئی نائی نہ تھا لہٰذا مغرب سے

پہلے پہلے اس نے تیس روٹیاں اور اور تیس نصف درہم کما لیے، علاوہ ان کے بہت سا پنیر زیتون اور مچھلیاں جمع کرلیں اب اس کی یہ حالت ہوگئی کہ جو کچھ وہ مانگتا اُسے مل جاتا۔ ایک بار اس نے ناخدا کی حجامت بنائی اور اس نے شکایت کی کہ میرے پاس سفر میں کھانے پینے کے لیے کم ہو۔ ناخدا نے کہا مرحبا، ہر رات اپنے ساتھی کے ساتھ ہمارے ہاں کھانا کھا جایا کر جب تک تم ہمارے ساتھ سفر میں ہو ہرگز تکلیف نہ اٹھاؤ۔ اب نائی رنگریز کے پاس گیا دیکھا کہ وہ ابھی تک سو رہا ہو اُسے جگایا۔ اس نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ اس کے پاس روٹیوں، زیتوں، پنیر اور مچھلیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہو پوچھا کہ تجھے یہ سب چیزیں کہاں سے مل گئیں؟ نائی نے کہا خدا کی مہربانی سے۔ رنگریز نے کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن ابو صیر بولا بھائی! ان میں سے کچھ نہ کھا، یہ کسی اور وقت کام آئیں گی۔ میں نے آج ناخدا کی حجامت بنائی تھی اور اس سے اپنی ناداری کا رونا رویا تھا، اس نے کہا ہو کہ اپنے ساتھی کو لے کر ہر رات ہمارے ساتھ کھانا کھا جایا کر۔ لہذا آج رات پہلا کھانا ناخدا کے ساتھ ہو۔

ابو قیر بولا کہ سمندر کے سفر سے میرا جی متلا رہا ہو اور میں اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتا، مجھے یہی چیزیں کھا لینے دے تو اکیلا ناخدا کے پاس جا کر کھا آ ئیو۔ نائی بولا بہت خوب، اس نے دیکھا کہ رنگریز نوالے اس طرح سے توڑتا ہو۔ جیسے پہاڑ میں سے پتھر اور یوں نگل جاتا ہو جیسے ہاتھی جس نے کئی دن سے کچھ نہ کھایا ہو ایک نوالے کو اُتارنے سے پہلے دوسرا نوالہ منھ میں رکھ لیتا ہو اور کھانے کی طرف اس طرح دیکھتا ہو جیسے بھوت اور اس طرح سانس بھرتا جاتا ہو جیسے بھوکا بیل چارے

والے کو دیکھ کر۔ اتنے میں ایک ملاح نے آکر کہا اے اُستاد! ناخدا کہتا ہے کہ اپنے ساتھی کے ساتھ آکر شام کا کھانا کھا جا۔ ابوصیر نے ابوقیر سے کہا چلتا ہے میرے ساتھ؟ اس نے جواب دیا میں چل نہیں سکتا۔ نائی اکیلا گیا اس نے دیکھا کہ ناخدا بیٹھا ہوا ہے اُس کے آگے دسترخوان پر بیس یا بیس سے بھی زیادہ قسم کے کھانے چُنے ہوئے ہیں وہ اور اس کے ساتھی نائی اور اس کے ساتھی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ناخدا نے نائی کو دیکھ کر پوچھا تیرا ساتھی کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا اے میرے آقا! سمندر کے سفر کی وجہ سے اس کا جی متلا رہا ہے۔ ناخدا بولا مضائقہ نہیں، اس کی متلی جاتی رہے گی، تو میرے ساتھ کھا، میں تیری راہ دیکھ رہا تھا۔ ناخدا نے ایک سینی میں کباب اور ہر کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا الگ رکھ دیا اور جب نائی کھا چکا تو اس نے کہا یہ سینی اپنے ساتھی کے لیے لیتا جا۔ ابوصیر اسے لے کر ابوقیر کے پاس آیا دیکھا کہ وہ اونٹ کی طرح کھانا اپنے دانتوں سے پیس رہا ہے اور نوالے پر نوالہ تیزی سے مُنہ میں رکھتا جاتا ہے۔ ابوصیر بولا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ یہاں نہ کھا، ناخدا بہت بھلا آدمی ہے، جب میں نے اس سے کہا کہ تجھے متلی ہو رہی ہے تو دیکھ اس نے تیرے لیے کیا بھیجا ہے۔ ابوقیر بولا لا، ابوصیر نے سینی اس کے آگے رکھ دی اور وہ اس طرح کھانے پر پل پڑا جیسے گھبرایا ہوا کتا یا حملہ آور شیر یا رُخ جو کبوتر پر گرتا ہے۔ وہ شخص جو مارے بھوک کے مرنے کے قریب ہو۔ یہ دیکھ کر ابوصیر وہاں سے چل دیا اور ناخدا کے پاس جا کر قہوہ پیا پھر لوٹ کر ابوقیر کے پاس آیا تو دیکھا کہ اس نے سینی کو خالی کر کے ایک طرف پھینک دیا ہے اور شہرزاد کو صبح ہوئی . . . . .

نو سو تینتیسویں رات

نو سو تینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!
جب ابو صیر نے دیکھا کہ ابو قیر نے سینی کو خالی کر کے ایک طرف پھینک
دیا ہے تو وہ اسے لے جا کر ناخدا کے ایک نوکر کو دے آیا اور ابو قیر کے
پاس آ کر سو رہا۔ دوسرے روز پھر ابو صیر نے حجامتیں بنانی شروع کر دیں
جو کچھ وہ کماتا ابو قیر کے پاس لے آتا ابو قیر خوب کھاتا پیتا پڑا اینڈا
کرتا اور سوا ضرورت رفع کرنے کے اور کسی کام کے لیے نہ اٹھتا، ابو صیر
ہر روز رات کے وقت اُس کے لیے ناخدا کے پاس سے سینی بھر کر
کھانا لاتا۔ یہ حالت بیس دن تک رہی یہاں تک کہ کشتی نے ایک شہر
کے بندرگاہ میں لنگر ڈالا اور دونوں کشتی میں سے اُتر کر شہر گئے۔ سرائے
میں ایک کوٹھری کرایہ پر لی۔ ابو صیر نے اس میں فرش بچھایا اور جن
جن چیزوں کی انھیں ضرورت تھی خرید کر لایا گوشت لا کر پکایا، لیکن
ابو قیر کوٹھری میں داخل ہوتے ہی سو گیا اور اس وقت جاگا جب کہ
ابو صیر نے اُس کے آگے دسترخوان بچھا کر اسے جگایا۔ اٹھتے ہی اُس
نے کھانا کھایا اور ابو صیر سے کہا بُرا نہ مان مجھے متلی ہو رہی ہے۔ یہ کہہ کر
وہ پھر سو گیا چالیس دن تک اُس کی یہی حالت رہی۔ نائی ہر روز اپنی
کسوت لے کر شہر جاتا جو کچھ کماتا اسے لے کر ابو قیر کے پاس آتا دیکھتا
کہ وہ سو رہا ہے اُسے جگاتا۔ جب وہ جاگتا تو اس طرح کھاتا گویا وہ کبھی
سیر نہ ہو گا اور پھر سو جاتا۔ اس طرح سے اور چالیس روز گزر گئے۔
جب کبھی ابو صیر کہتا کہ بیٹھ کر آرام کر اور جا کر شہر کی سیر کر، وہ ایسا

خوب صورت ہو کہ اس کا جواب نہیں تو ابو قیر جواب دیتا بُرا نہ مان مجھے متلی ہو رہی ہے۔ ابو صیر نائی ہرگز یہ گوارا نہ کرتا کہ ابو قیر کا دل دُکھے اس سے کوئی ایسی بات نہ کرتا جس سے وہ رنجیدہ ہو لیکن اکتالیسویں دن وہ خود بیمار پڑ گیا چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا تو اس نے ایک آدمی نوکر رکھ لیا تاکہ وہ ان کے لیے کھانا پینا لے آیا کرے۔ نائی کا تو یہ حال تھا لیکن ابو قیر کو سوا کھانے اور سونے کے کسی بات سے غرض نہ تھی۔

رفتہ رفتہ نائی کی بیماری زیادہ بڑھ گئی اور وہ بیہوش پڑا رہنے لگا۔ اُدھر ابو قیر مارے بھوک کے بیچین ہو گیا اور ابو صیر کی جیبوں کو ٹٹولنا شروع کیا اسے بہت سے درہم مل گئے۔ انھیں لے کر اس نے کوٹھری کے دروازے میں قفل لگایا اور بے کسی کو خبر کیے چلتا بنا۔ نوکر بھی اس وقت بازار گیا ہوا تھا، اس نے بھی ابو قیر کو جاتے نہیں دیکھا۔ ابو قیر نے بازار جا کر پہننے کے لیے عمدہ عمدہ کپڑے خریدے اور شہر کی سیر کرنے لگا دیکھا کہ اس شہر کا جواب دُنیا میں نہیں ہر شخص کا لباس سفید ہرا یا نیلا، ایک رنگریز کی دُکان پر جا کر بھی اس نے یہی دیکھا کہ سارے کپڑے نیلے رنگے ہوئے ہیں۔ وہاں اس نے ایک رومال نکال کر رنگریز کو دیا اور کہا استاد! اسے رنگ دے اور بتا کہ اس کی رنگائی کیا ہو گی؟ اس نے جواب دیا بیس درہم۔ ابو قیر نے کہا ہمارے مُلک میں تو اس کی رنگائی دو درہم ہوتی ہے۔ رنگریز بولا جا اپنے مُلک میں رنگا لے، میں تو بیس درہم سے کم میں نہیں رنگوں گا۔ ابو قیر نے پوچھا تو کس رنگ میں رنگے گا؟ رنگریز نے کہا نیلا۔ ابو قیر بولا میں اسے لال رنگوانا چاہتا ہوں۔ رنگریز نے کہا مجھے لال رنگنا نہیں آتا۔ ابو قیر نے کہا ہرا؟ اس نے کہا مجھے ہرا

بھی رنگنا نہیں آتا۔ ابو قیر نے کہا پیلا؟ اس نے کہا مجھے پیلا بھی رنگنا نہیں آتا۔ ابو قیر نے ایک ایک کرکے سارے رنگوں کے نام لے ڈالے لیکن رنگریز نے کہا کہ اس شہر میں چالیس اُستاد ہیں، نہ ایک کم نہ ایک زیادہ۔ جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے تو ہم اس کے بیٹے کو رنگنا سکھا دیتے ہیں۔ اگر اس کے کوئی بیٹا نہیں ہوتا تو ہماری تعداد میں ایک کی کمی ہوجاتی ہے۔ اگر اس کے دو بیٹے ہوتے ہیں تو ہم ان میں سے ایک ہی کو سکھاتے ہیں اور اگر وہ مرجاتا ہے تو اس وقت اس کے بھائی کو۔ ہمارے پیشے کے مقررہ قواعد ہیں اور نیلے رنگ کے سوا رنگنا نہیں آتا۔

اس پر ابو قیر نے رنگریز سے کہا میں بھی رنگریز ہوں اور ہر رنگ رنگنا جانتا ہوں۔ اگر تو مجھے اپنے ہاں نوکر رکھ لے تو میں تجھے تمام رنگ رنگنے سکھا دوں گا تاکہ تو دوسرے رنگریزوں میں بڑا رنگریز مانا جائے۔ اس نے جواب دیا ہم پردیسی کو اپنے پیشے کے اندر ہرگز نہیں لیتے۔ ابو قیر بولا اگر میں اپنی دُکان الگ کھول لوں؟ اس نے جواب دیا یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ ابو قیر اُسے چھوڑ کر دوسرے کے پاس گیا اس نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے نے دیا تھا۔ اس طرح سے وہ چالیسوں استادوں کے پاس ہو آیا لیکن نہ کوئی اُسے شاگرد بنانے پر راضی ہوا نہ اُستاد۔ اس کے بعد اس نے رنگریزوں کے چودھری کے پاس جاکر سارا ماجرا کہا۔ اس نے جواب دیا کہ ہم کسی پردیسی کو اپنے میں نہیں ملاتے۔ اس پر ابو قیر کو بہت غصّہ آیا اس نے شہر کے بادشاہ کے پاس جاکر شکایت کی اور کہا کہ جہاں پناہ! میں پردیسی ہوں اور میرا پیشہ رنگریزی ہے یہاں رنگریزوں کے ساتھ مجھے یہ یہ باتیں پیش آئیں، میں کئی طرح کے

لال رنگ رنگ سکتا ہوں مثلاً گلابی اور عنابی اور طرح طرح کے ہرے رنگ مثلاً دھانی، پستئی، زیتونی اور کاہی، اور طرح طرح کے کالے رنگ مثلاً سُرمئی اور کوئلے کے رنگ کا، اور طرح طرح کے پیلے رنگ مثلاً نارنجی اور لیمونی۔ غرض کہ وہ سارے رنگ گنا گیا اور کہنے لگا جہاں پناہ! تیرے شہر کے رنگریز سوا نیلے کے اور کوئی رنگ رنگ نہیں سکتے اور مجھے بہ حیثیت شاگرد یا اُستاد کے بھی قبول نہیں کرتے۔ بادشاہ نے کہا تو سچ کہتا ہے لیکن میں تیرے لیے الگ ایک دُکان کھول دوں گا اور تجھے سرمایہ دوں گا، اُن کی پروا نہ کر، جو کوئی تیرے کام میں مداخلت کرے گا میں اُسے اسی کی دُکان کے دروازے پر لٹکا دوں گا۔ اب بادشاہ نے معماروں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ شہر میں جائیں اور جو جگہ اسے پسند آئے خواہ وہ دُکان ہو یا سرائے یا کچھ اور اس کے مالک کو وہاں سے نکال دیں اور اس کی جگہ ابو قیر کے لیے اس کی خواہش کے موافق رنگریز خانہ بنا دیں اور جیسا وہ کہے کریں۔ بعد ازاں بادشاہ نے اُسے ایک عمدہ لباس پہننے کو دیا اور ایک ہزار دینار دے کر کہا جب تک دُکان تیار ہو تو انھیں اپنے اُوپر خرچ کر۔ ان کے علاوہ دو غلام خدمت کے لیے آئے اور ایک گھوڑا جس پر زردوز چار جامہ تھا سواری کو۔ جب وہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ کوئی امیر ہے۔ بادشاہ نے اس کے لیے ایک گھر خالی کرا کے اس میں فرش بچھوا دیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نو سو چونتیسویں رات

نو سو چونتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!

بادشاہ نے ابو قیر کے لیے ایک گھر خالی کرا کے اس میں فرش بچھوا دیا وہ اس میں رہنے لگا۔ دوسرے دن معماروں کو ساتھ لے کر سوار ہوا شہر میں پھر کر غور سے دیکھنے کے بعد ایک جگہ پسند کی اور کہا یہ جگہ ٹھیک ہو گی۔ انھوں نے اس کے مالک کو نکال کر بادشاہ کے پاس لے گئے، بادشاہ نے جتنا وہ چاہتا تھا اس سے زیادہ ہرجانہ دیا اور وہاں دکان بننے لگی۔ ابو قیر معماروں سے کہتا جاتا کہ یوں بناؤ اور یوں بناؤ، یہ کرو اور یہ کرو یہاں تک کہ ایک ایسا رنگریز خانہ بن کر تیار ہو گیا جس کا جواب نہ تھا۔ اب اس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا رنگریز خانہ بن کر تیار ہو گیا ہے رنگوں کے داموں کی ضرورت ہے تاکہ کام شروع کروں۔ بادشاہ نے کہا چار ہزار دینار لے جا، یہ دکان کی پونجی ہے اور اپنے کام کی بانگی دکھا۔ ابو قیر دینار لے کر بازار گیا دیکھا کہ نیل کی افراط ہے اور وہ بے حد سستا ہے اس نے وہ تمام چیزیں خریدلیں جن کی اُسے رنگریز خانے کے لیے ضرورت تھی۔ بادشاہ نے اس کے پاس پانسو کپڑے بھیجے اس نے انھیں رنگنا شروع کیا اور طرح طرح سے رنگ کر انھیں دکان کے آگے پھیلا دیا۔ جب لوگ اُدھر سے گزرتے تو عجیب نظارہ دیکھتے جو انھوں نے عمر بھر کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کی دکان پر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی تماشا دیکھنے والے کہتے کہ استاد! ان رنگوں کے نام کیا ہیں؟ وہ جواب دیتا کہ یہ لال ہے یہ زرد اور یہ ہرا۔ غرض کہ وہ سارے رنگوں کے نام انھیں بتاتا۔ اب لوگ اپنے اپنے کپڑے لانے اور کہنے لگے انھیں فلاں فلاں رنگوں میں رنگ دے اور جو چاہے ان کی رنگائی لے لے۔ جب وہ بادشاہ کے کپڑے رنگ چکا تو انھیں لے کر دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ انھیں دیکھ کر خوش ہو گیا اسے

بہت کچھ انعام دیا۔ تمام لشکر والے اس کے پاس آتے کپڑے لاتے اور کہتے کہ انھیں اس اس طرح کے رنگ دے اور وہ ان کی خواہش کے مطابق رنگ دیتا۔ اسی طرح سے اس پر سونا چاندی برسنے لگا وہ ہر جگہ مشہور ہو گیا اور اس کے رنگریز خانے کا نام لوگوں نے سلطانی رنگریز خانہ رکھ دیا۔ ہر طرف سے اسے آمدنی ہونے لگی اور کسی رنگریز کی مجال نہ تھی کہ اس سے بات تک بھی کر سکے، وہ اس کے پاس آتے اس کے ہاتھ چومتے اس سے معذرت کرتے کہ ہم نے تیرے ساتھ ایسا سلوک کیا اپنی خدمت پیش کرتے اور کہتے کہ تو ہمیں اپنا شاگرد بنالے لیکن وہ کسی کو بھی شاگرد بنانے پر راضی نہ ہوتا کیوں کہ اس کے پاس خود غلام اور کنیزیں تھیں اور بہت کچھ مال و دولت۔

یہ تو ابوقیر کا قصہ ہوا، اب ابوصیر کا ماجرا سنو۔ جب ابوقیر اس کے درہم لے کر اسے بیمار اور بیہوش چھوڑ کوٹھری میں قفل لگا چلتا ہوا تو وہ تین دن تک کوٹھری میں بند پڑا رہا۔ دربان کی نظر کوٹھری کے دروازے پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ قفل پڑا ہوا ہے مغرب تک دونوں میں سے کوئی بھی اسے دکھائی نہ دیا تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا شاید وہ بے کرایے ادا کیے بھاگ گئے یا مر گئے ہیں یا نہ جانے ان کا کیا حال ہوا۔ وہ دروازے کے قریب آیا تو اسے اندر سے نائی کے کراہنے کی آواز سنائی دی نظر اٹھائی تو اس نے دیکھا کہ کنجی قفل کے اندر لگی ہوئی تھی۔ دروازہ کھول کر اندر گیا دیکھا کہ نائی پڑا کراہ رہا ہے پوچھنے لگا خیر تو ہے تیرا ساتھی کہاں گیا؟ اس نے جواب دیا خدا کی قسم میں ابھی بیماری سے اٹھا ہوں، میں نے بارہا آواز دی لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ بھائی! خدا کے لیے تھیلی میں سے جو

میرے سرھانے ہر پانچ ادھلیاں لے کر کھانے کے لیے کوئی چیز لے آئیں بہت بھوکا ہوں۔ دربان نے ہاتھ بڑھا کر تھیلی نکالی تو وہ خالی تھی۔ اب ابو صیر کو یقین ہو گیا کہ ابو قیر تھیلی خالی کر کے بھاگ گیا ہے دربان سے کہا کیا تو نے میرے ساتھی کو نہیں دیکھا؟ اس نے جواب دیا میں نے تین دن سے اسے نہیں دیکھا میرا گمان تھا کہ تم دونوں چلے گئے ہو۔ نائی بولا اس نے مجھے بیمار دیکھ کر میرے دام چرا لیے اور بھاگ گیا۔ یہ کہہ کر وہ رونے پیٹنے لگا دربان نے کہا مضائقہ نہیں وہ اپنے کیے کی سزا خدا سے پائے گا۔ دربان نے اس کے لیے یخنی پکائی اور کٹورا بھر کر اسے پلائی۔ اس طرح وہ دو مہینے تک نائی کو اپنی جیب سے کھلاتا پلاتا رہا یہاں تک کہ خدا نے اسے شفا دی اور وہ چلنے پھرنے لگا تو اس نے دربان سے کہا اگر خدا نے مجھے مقدرت دی تو میں تیری بھلائیوں کا بدلہ دوں گا اگرچہ بدلہ دینے والا خدا کے سوا کوئی نہیں۔ دربان بولا شکر ہے خدا کا کہ تو اچھا ہو گیا، میں نے جو کچھ کیا محض خدا کے لیے کیا۔

اب نائی سرائے سے نکل کر بازاروں میں سیر کرنے لگا پھرتے پھرتے وہ اس بازار میں پہنچا جہاں ابو قیر کا رنگریز خانہ تھا اس نے دیکھا کہ کپڑے رنگ بہ رنگ کے رنگے ہوئے دروازے پر پھیلے ہوئے ہیں اور لوگ کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں۔ نائی نے شہر والوں میں سے ایک شخص سے پوچھا یہ کیا جگہ ہے اور یہ بھیڑ کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا یہ سلطانی رنگریز خانہ ہے جسے ابو قیر نامی ایک پردیسی نے کھولا ہے۔ جب وہ کپڑا رنگتا ہے تو ہم آ کر تماشا دیکھتے ہیں کیوں کہ ہمارے ہاں کے رنگریز اس طرح کے رنگ رنگنا نہیں جانتے۔ اسے شہر کے رنگریزوں کے ساتھ یہ ماجرا پیش آیا اس نے

بادشاہ سے شکایت کی، بادشاہ نے اس کی دست گیری کی اور اس کے لیے یہ رنگریز خانہ بنوایا۔ ابوصیر یہ سُن کر خوش ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ شکر ہے اللہ نے اس کی مصیبت دور کر دی اور وہ دکان دار بن گیا، دُکان کھولنے کی وجہ سے وہ تیرے پاس سے چلا آیا اور وہ تجھے بھول گیا لیکن جب وہ بے کار تھا تو تُو نے اس کے ساتھ بھلائی کی تھی جب وہ تجھے دیکھے گا تو تیری بھلائی کے بدلے وہ بھی تیرے ساتھ بھلائی کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ رنگریز خانے کے دروازے کی طرف بڑھا دیکھا کہ ابوقیر دُکان کے دروازے پر شاہانہ لباس پہنے ہوئے ایک اونچی چوکی پر بیٹھا ہوا ہے اس کے آگے چار حبشی غلام اور چار گورے غلام عمدہ عمدہ کپڑے پہنے کھڑے ہیں اور دس غلام کپڑے رنگ رہے ہیں کیوں کہ اس نے انھیں خرید کر رنگریزی کا کام سکھایا تھا، اور وہ تکیوں کے بیچ میں یوں بیٹھا ہوا ہے جیسے بڑا وزیر عالی شان بادشاہ اور اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا، بس اتنا کہتا جاتا ہے کہ یہ کرو اور یہ کرو۔ ابوصیر اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا خیال کیا کہ وہ اسے دیکھ کر خوش ہو گا سلام کرے گا اور اس کی عزت اور خاطر تواضع کرے گا لیکن جوں ہی ان کی چار آنکھیں ہوئیں تو ابوقیر نے کہا ای خبیث! میں تجھ سے کتنی بار کہوں کہ اس کارخانے کے دروازے پر نہ کھڑا ہوا کر؟ ای چوٹے! کیا تُو مجھے لوگوں میں بدنام کرنا چاہتا ہے؟ پکڑ لو اسے۔ یہ سُنتے ہی غلاموں نے دوڑ کر اُسے پکڑ لیا، ابوقیر ڈنڈا لے کر اٹھا اور کہا اسے پچھاڑو۔ جب انھوں نے اسے پچھاڑا تو ابوقیر نے اس کی پیٹھ پر سَو ڈنڈے لگائے پھر انھوں نے اسے چت کیا اور اس نے پیٹ پر سَو ڈنڈے رسید کیے اور کہا ای خبیث ای خائن! اگر میں نے تجھے پھر

دکان کے دروازے پر کھڑا دیکھا تو تجھے فوراً پکڑ کر بادشاہ کے پاس بھیج دوں گا وہ تجھے والی کے سپرد کر دے گا اور والی تیری گردن اُڑا دے گا۔ دُور ہو یہاں سے، خدا تیرا ستیاناس کرے! اس مار پیٹ اور ذلت کے سلوک سے وہ دل شکستہ ہو کر چل دیا۔ لوگوں نے ابو قیر سے پوچھا کہ اس شخص نے کیا کیا تھا؟ اس نے جواب دیا یہ چور ہے، لوگوں کے کپڑے چرایا کرتا ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی ۔۔۔۔۔۔

نو سو پینتیسویں رات

نو سو پینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! ابو قیر نے کہا کہ یہ چور ہے، لوگوں کے کپڑے چرایا کرتا ہے، میرے یہاں سے بھی کئی بار کپڑے چرا لے گیا ہے لیکن میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ خدا اُسے معاف کرے! وہ غریب آدمی ہے اس لیے میں اس کے ساتھ سختی نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو ان کے کپڑوں کے دام دے دیتا ہوں اور اسے نرمی سے منع کرتا ہوں پھر بھی وہ مانتا نہیں اگر دوبارہ آیا تو میں اُسے بادشاہ کے پاس بھیج دوں گا اور وہ اسے قتل کر کے لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دے گا۔ یہ سن کر لوگ بھی اس کی پیٹھ پیچھے اس کو بُرا بھلا کہنے لگے۔

یہ تو ابو قیر کا قصہ ہوا، اب ابو صیر کا ماجرا سنو۔ وہ سرائے جا کر اس سوچ میں پڑ گیا کہ ابو قیر نے اس کی کیسی بُری گت بنائی۔ جب بیٹھے بیٹھے اس کے درد میں کمی ہوئی تو وہ بازار گیا اُسے خیال آیا کہ حمام جانا چاہیے۔ اس نے ایک شہر والے سے پوچھا کہ بھائی! حمام کا راستہ کون سا ہے؟ اس نے کہا حمام کیا چیز ہوتی ہے؟ ابو صیر نے جواب دیا جہاں لوگ نہاتے

اور اپنا میل دور کرتے ہیں۔ وہ بولا سمندر پر جا۔ ابوصیر نے کہا میں تو حمام جانا چاہتا ہوں۔ اس شخص نے کہا ہم حمام نہیں جانتے، ہم تو سمندر کے کنارے نہانے جاتے ہیں۔ جب ابوصیر کو معلوم ہوا کہ اس شہر میں حمام نہیں بلکہ لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حمام ہوتا کیا ہے تو وہ بادشاہ کے دربار میں گیا اُس کے آگے زمین چومی اُسے دُعا دی اور کہا کہ میں ایک پردیسی ہوں اور حمام کا کام کرتا ہوں۔ تیرے شہر میں آکر میں نے حمام جانے کا ارادہ کیا لیکن یہاں ایک حمام بھی نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جس شہر میں اتنی خوبیاں ہوں وہاں حمام نہ ہوں جو دنیا کی بہترین نعمت ہے۔ بادشاہ نے پوچھا حمام کیا ہوتا ہے؟ ابوصیر نے حمام کی تعریف بیان کی اور کہا تیرا شہر پورا شہر نہیں ہو سکتا جب تک اس میں حمام نہ ہو۔ بادشاہ نے کہا تو خوب آیا! اور اسے ایک لاجواب پوشاک پہنائی ایک گھوڑا اور دو غلام عطا کیے، چار کنیزیں اور دو گورے غلام دیے اور ایک گھر فرش سے آراستہ کرا دیا، رنگریز سے زیادہ اس کا احترام کیا اور معماروں کو اس کے ساتھ بھیج کر حکم دیا کہ جو جگہ یہ پسند کرے وہاں اس کے لیے ایک حمام بنا دو۔

ابوصیر معماروں کو لے کر شہر میں آیا اور ایک جگہ پسند کر کے ان سے کہا کہ یہاں حمام بنا دو، پھر اس نے اس میں اتنے اچھے نقش و نگار بنوائے کہ لوگ دیکھ کر حیران ہوتے۔ اس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا حمام تیار ہو گیا ہے اس میں نقش و نگار بھی ہو گئے ہیں اب صرف فرش کی کمی رہ گئی ہے۔ بادشاہ نے اسے دس ہزار دینار دیے اس نے حمام کے لیے فرش خریدا اور پردے ڈالے۔ لوگ دیکھتے اور تعجب کرتے، وہاں لوگوں کی بھیڑ

لگی رہتی وہ تماشا دیکھتے اور پوچھتے کہ یہ کیا ہے؟ ابوصیر کہتا یہ حمام ہے۔ اس کے بعد اس نے حوض میں ایک فوارہ لگایا، پانی گرم کیا اور حمام چل نکلا۔ پھر اس نے بادشاہ سے دس گورے غلام مانگے جو ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں بادشاہ نے اسے دس گورے غلام دے دیے جو چاند کی طرح خوب صورت تھے۔ ابوصیر ان کی مالش کرتا اور کہتا کہ گاہکوں کے ساتھ ایسا کیا کرو۔ اس کے بعد اس نے ڈھنڈورا پیٹنے والے شہر میں بھیجے کہ اے لوگو! حمام آؤ، کیوں کہ اس کا نام سلطانی حمام ہے۔ لوگوں نے آنا شروع کیا اس نے غلاموں سے کہا کہ ان کے بدن دھوئیں اور انھیں نہلائیں۔ نہانے کے بعد لوگ حوض میں غوطہ مارتے اور نکل کر چبوترے پر بیٹھتے غلام ان کی اسی طرح مالش کرتے جیسا ابوصیر نے انھیں سکھایا تھا۔ تین دن تک لوگ آتے نہاتے رہے اور اس نے ان سے کوئی اجرت نہ لی۔

چوتھے دن بادشاہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ سوار ہو کر حمام آیا۔ ابوصیر نے خود بادشاہ کی مالش اور میل کی بتیاں اتار کر اسے دکھائیں وہ بہت خوش ہوا جب وہ اپنا بدن چھوتا تو وہ چکنا اور صاف ستھرا معلوم ہوتا۔ اس کے بعد ابوصیر نے حوض میں گلاب ملا دیا، بادشاہ اس میں غوطہ لگا کر نکلا تو اس کا بدن مہک اٹھا۔ پھر اس نے بادشاہ کو چبوترے پر بٹھایا غلاموں نے اس کی مالش کی۔ بادشاہ نے پوچھا استاد! حمام اسی کا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ بادشاہ نے کہا میرے سر کی قسم بے اس حمام کے میرا شہر شہر نہ تھا۔ پھر کہا تو ہر شخص سے اُجرت لیا کر۔ ابوصیر نے کہا جو تو حکم دے وہ لیا کروں گا۔ بادشاہ نے اسے ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا اور کہا کہ جو کوئی نہانے آئے اس سے ایک ہزار دینار لے۔ ابوصیر بولا جہاں پناہ!

لوگ سب ایک سے نہیں، کوئی امیر ہے کوئی غریب۔ اگر میں ہر ایک سے ایک ہزار دینار لوں تو حمام بند ہو جائے گا کیوں کہ غریب آدمی ایک ہزار دینار نہیں دے سکتا۔ بادشاہ نے کہا تو پھر تو کیا اُجرت لے گا؟ ابو صیر نے کہا جو جس کا جی چاہے دے، اس طرح سے بہت سے لوگ آیا کریں گے امیر اپنی حیثیت کے مطابق دے گا اور غریب اپنی بساط کے موافق۔ اس طرح سے حمام چل نکلے گا اور اس کی شان قائم رہے گی۔ ایک ہزار دینار تو شاہی بخشش ہے ہر شخص اتنا نہیں دے سکتا۔ مصاحبوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا جہاں پناہ! یہ ٹھیک ہے۔ بادشاہ بولا تم سچ کہتے ہو لیکن یہ شخص پردیسی اور غریب ہے اس کے ساتھ بھلائی کرنا ہمارا فرض ہے، اس نے ہمارے شہر میں یہ حمام بنایا ہے جس کی مثال ہماری نظر سے عمر بھر نہیں گزری۔ سب اس کے ہمارے شہر میں نہ زینت تھی نہ شان۔ ہم اسے کتنی ہی اُجرت کیوں نہ دیں کم ہے۔ انھوں نے کہا اگر تو اس کے ساتھ اکرام کرنا چاہتا ہے تو اپنے مال سے کر اور تیرا اکرام یہی ہے کہ لوگوں سے اُجرت کم لی جائے تاکہ وہ تجھے دُعا دیں۔ رہا ایک ہزار دینار کا سوال تو ہم تیری حکومت کے بڑے لوگ بھی اتنا نہیں دے سکتے پھر غریب لوگ کہاں سے لائیں گے!

بادشاہ نے کہا اے حکومت کے بڑے لوگو! اس بار تم میں سے ہر ایک سو دینار، ایک گورا غلام، ایک کنیز اور ایک حبشی غلام دے۔ انھوں نے کہا بہت خوب، ہم اسے اسی قدر دیں گے لیکن آج کے بعد جس کا جو جی چاہے دے۔ امرا کی تعداد جو بادشاہ کے ساتھ نہانے آئے تھے چار سو تھی ان میں سے ہر ایک نے ایک کنیز، ایک گورا اور ایک کالا غلام دیا، اور شہرزاد کو صبح ہوئی......

نوسو چھتیسویں رات

نوسو چھتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! مصاحبوں کی تعداد اس وقت چار سو تھی لہٰذا اُسے چالیس ہزار دینار، چار سو گورے، چار سو کالے غلام اور چار سو کنیزیں ملیں یہ عطیہ کچھ کم نہ تھا۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے دس ہزار دینار دس گورے، دس کالے غلام اور دس کنیزیں اپنی طرف سے اور دیں۔ ابو صیر نے آگے بڑھ کر بادشاہ کے سامنے زمین چومی اور عرض کیا ای نیک بخت بادشاہ! اس قدر غلاموں اور کنیزوں کو میں رکھوں گا کہاں؟ بادشاہ نے کہا میں نے یہ اس لیے حکم دیا ہے تاکہ تیرے پاس بہت کچھ مال دولت جمع ہو جائے اور جب تو اپنے وطن جانا چاہے تو تیرے پاس اتنا ہو کہ تو اپنا وقت عیش سے کاٹ سکے۔ ابو صیر نے کہا کہ جہاں پناہ! خدا تجھے عزت دے! اس قدر غلام اور کنیزیں تو بادشاہ کے قابل ہیں۔ اگر بجائے اس لشکر کے تو مجھے نقد دیتا تو میرے لیے بہتر تھا کیوں کہ انھیں کھلانا پلانا پہنانا پڑے گا، اور اتنا مال میرے پاس کہاں سے آئے گا کہ میں ان کا خرچ چلا سکوں۔ بادشاہ ہنس پڑا اور بولا واللہ تو سچ کہتا ہے، واقعی یہ تو فوج کی فوج ہو گئی کہ تو انھیں کھلا پلا بھی نہیں سکتا۔ اچھا میں انھیں فی کس سو دینار میں مول لینے کے لیے تیار ہوں، بیچے گا؟ اس نے جواب دیا میں اس قیمت پر بیچنے کے لیے تیار ہوں۔ بادشاہ نے خزانچی کو بلوا کر کل دام ادا کر دیے اور اس کے بعد غلام اور کنیزیں ان کے مالکوں کو بخش دیں۔ ابو صیر بولا جہاں پناہ! جس طرح تو نے مجھے ان بھوتوں سے بچایا خدا تجھے بچائے۔ بادشاہ

ہنس پڑا اور کہا تو سچ کہتا ہے۔

بادشاہ اپنے مصاحبوں کو لے کر اپنے محل چلا گیا اور ابوصیر رات بھر دینار گنتا انھیں تھیلیوں میں رکھتا اور ان پر مُہر لگاتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو ابوصیر نے حمّام کھولا اور ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو کوئی حمّام میں آکر نہائے جو اس کا جی چاہے دے۔ ابوصیر صندوق کے پاس بیٹھ گیا نہانے والوں کی بھیڑ کی بھیڑ آ پہنچی جو نہا کر نکلتا جو اس کا جی چاہتا صندوق میں ڈال دیتا یہاں تک کہ شام ہوتے ہوتے صندوق لبالب بھر گیا۔ اب ملکہ نے حمّام جانے کا ارادہ کیا۔ ابوصیر کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے دن کے دو حصّے کر دیے، فجر سے ظہر تک مردوں کے لیے اور ظہر سے مغرب تک عورتوں کے لیے۔ ملکہ آئی تو ابوصیر نے ایک کنیز کو صندق کے پاس، بٹھا دیا اور چار غسّالہ لڑکیوں کو اندر مامور کر دیا جنھیں اس نے سکھا کر ماہر کر دیا تھا۔ جب ملکہ حمّام میں داخل ہوئی تو اسے بڑا تعجّب ہوا اس نے خوش ہو کر صندوق میں ایک ہزار دینار ڈال دیے۔ اس کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی امیر غریب سب اس کی عزّت کرنے لگے۔ بادشاہ کے مصاحبوں سے بھی اس کا تعارف ہو گیا اور وہ سب اس کے دوست بن گئے۔ بادشاہ ہر ہفتے ایک بار حمّام آتا اور ایک ہزار دینار دیتا، باقی دن امرا اور فقرا کے لیے مخصوص تھے۔ ابوصیر ہر شخص کا دل ہاتھ میں لیتا اور بڑی نرمی کے ساتھ پیش آتا۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ کا بحری کپتان حمّام میں آیا۔ ابوصیر خود اس کے کپڑے اُتار کر اسے حمّام کے اندر لے لیا اس کی مالش کی اور بڑی نرمی برتی جب وہ حمّام سے نکلا تو اس کے لیے شربت اور قہوہ بنوایا۔ لیکن جب وہ اُسے دام دینے لگا تو اس نے قسم کھائی

کہ میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا۔ کپتان پر اس کی نیکی کا بڑا اثر ہوا اور وہ سوچنے لگا کہ کس طرح اس کی نیکی کا بدلہ دے۔

یہ تو ابو صیر کی کہانی تھی، اب ابو قیر کا ماجرا سنو۔ جب اس نے سنا کہ سب لوگ حمام کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور ہر ایک کی زبان پر یہی ہے کہ یہ حمام دُنیا کی نعمتوں میں سے ہے۔ ابو قیر اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں کل ضرور جا کر اس حمام کو دیکھوں گا جس پر لوگ ریجھے ہوئے ہیں۔ دوسرے دن اس نے اپنے بہترین کپڑے پہنے خچر پر سوار ہوا، چار گورے اور چار کالے غلاموں کو آگے پیچھے لے کر حمام گیا۔ حمام کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ خوش بوئیں مہک رہی ہیں، لوگ اندر باہر آجا رہے ہیں اور چبوترے چھوٹوں بڑوں سے بھرے پڑے ہیں۔ دروازے کے اندر داخل ہوا اور ابو صیر کی نظر اس پر پڑی تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور خوش ہو گیا۔ ابو قیر نے کہا کیا حلال زادے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں؟ میں نے ایک رنگ ریز خانہ کھولا، سارے شہر کا استاد ہوں بادشاہ سے میرا تعارف ہے، بڑا خوش حال اور عزت و احترام والا ہوں لیکن نہ تو میرے پاس آتا ہے نہ میری خبر لیتا ہے نہ یہ پُوچھتا ہے کہ میرا ساتھی کیا ہوا، میں تجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا، میرے غلاموں نے ساری سرائیں، شہر کا کونا کونا چھان ڈالا لیکن کسی سے تیرا پتا نہ چلا۔ ابو صیر بولا کیا میں تیرے پاس نہیں آیا تھا تو نے مجھے چور کہہ کر مارا تھا اور لوگوں کے سامنے میری ذلت کی تھی۔ ابو قیر نے غم گین صورت بنا کر کہا یہ تو کیا کہتا ہے؟ کیا وہ تو ہی تھا جسے میں نے مارا تھا؟ ابو صیر بولا ہاں وہ میں ہی تھا۔ ابو قیر نے ہزاروں قسمیں کھا ڈالیں کہ میں نے تجھے نہیں پہچانا بلکہ ایک شخص تیرا ہم شکل ہر روز آکر لوگوں کے کپڑے چُرا لے جایا کرتا تھا، میرا خیال ہوا کہ تو

وہی شخص ہی۔ یہ کہہ کر اس نے بڑی پشیمانی کا اظہار کیا اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا لاحول ولا قوۃ۔ میں نے تیرے ساتھ بہت بُرا کیا کاش تو اپنا نام بتا دیتا! غلطی تیری ہی کہ تو نے اپنا نام نہیں بتایا، خاص کر جب کہ کام کی زیادتی کی وجہ سے میرے ہوش ٹھکانے نہ تھے۔ ابوصیر بولا ای دوست! خدا تجھے معاف کرے! یہ چیز میری قسمت میں لکھی ہوئی تھی اور خدا مجھے اس کا بدلہ دے گا۔ حمام میں چل کر کپڑے اُتار، نہا اور خوش ہو۔ ابوقیر نے کہا پہلے تو مجھے معاف کر دے۔ ابوصیر بولا خدا تیرا دامن پاک کرے اور تجھے معافی دے کیوں کہ یہ ازل سے میرے لیے مقدر تھا۔ اس کے بعد ابوقیر نے پوچھا تو اتنا بڑا کیوں کر ہو گیا؟ اس نے جواب دیا جس خدا نے تیری قسمت کھول دی میری بھی کھول دی، میں نے بادشاہ کے پاس جاکر حمام کا ذکر کیا اور اس نے میرے لیے یہ حمام بنوا دیا۔ ابوقیر بولا جس طرح تجھے بادشاہ جانتا ہی مجھے بھی جانتا ہی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . .

نو سو پینتیسویں رات

نو سو پینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! ابوقیر بولا جس طرح بادشاہ تجھے جانتا ہی مجھے بھی جانتا ہی اور خدا نے چاہا تو اب میں تیری محبت اس کے دل میں ڈال دوں گا اور میری وجہ سے وہ تیرا زیادہ احترام کرے گا۔ اُسے معلوم نہیں کہ تو میرا دوست ہی، میں اُسے بتا دوں گا کہ تو میرا دوست ہی اور تیری سفارش کر دوں گا۔ ابوصیر بولا سفارش کی کوئی ضرورت نہیں، جو ذات محبت پیدا کراتی ہی

اب بھی موجود ہو، بادشاہ اور اس کے تمام حکام مجھے چاہتے ہیں اور مجھے فلاں فلاں انعام دیا ہو۔ اب تو صندوق کے پیچھے جاکر کپڑے اُتار ڈال اور میرے ساتھ حمّام کے اندر چل کیوں کہ میں خود تیری مالش کروں گا۔ ابو قیر نے کپڑے اُتار ڈالے حمّام کے اندر گیا۔ ابو صیر نے اس کی مالش کی صابون سے نہلایا دوبارہ کپڑے پہنائے اور باہر نکلنے تک اس کی خدمت کرتا رہا۔ جب وہ باہر آیا تو ابو صیر نے ناشتا حاضر کیا اور طرح طرح کے شربت پلائے۔ اس کے بعد ابو قیر نے اسے کچھ دینا چاہا اس نے قسم کھائی کہ میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا اور کہا کہ تجھے شرم نہیں آتی تو میرا دوست ہو اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اب ابو قیر نے ابو صیر سے کہا دوست! یہ حمّام تو نہایت عالی شان ہو لیکن ایک چیز کی کسر ہو۔ ابو صیر نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا بال اُڑانے کی دوا جو ہڑتال اور کھریا مٹی سے بنائی جاتی ہو۔ اُسے بنا کر رکھ لے جب بادشاہ آئے تو اسے پیش کیجیو اور بال اُڑانے کا طریقہ اسے بتائیو۔ اس پر وہ تجھ سے بہت زیادہ محبت اور تیرا احترام کرنے لگے گا۔ ابو صیر نے کہا تو ٹھیک کہتا ہو، خدا نے چاہا تو ضرور بناؤں گا۔

ابو قیر حمّام سے نکل کر اپنے خچر پر سوار ہوا اور سیدھا بادشاہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا جہاں پناہ! میں تجھے خبردار کرنے کیلئے آیا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کس بات سے؟ ابو قیر نے کہا تو نے ایک حمّام بنوایا ہو؟ بادشاہ نے کہا ہاں، تیری ہی طرح ایک پردیسی آیا تھا اور جس طرح میں نے تیرے لیے ایک رنگ ریز خانہ بنوایا ہو اسی طرح اس کے لیے ایک حمّام۔ ابو قیر نے کہا تو اس کے اندر بھی گیا ہو؟ بادشاہ بولا ہاں گیا ہوں۔ ابو قیر نے کہا شکر ہو خدا کا کہ تو اس کے شر سے محفوظ رہا جو حمامی ہو وہ بڑا خبیث

اور دین کا دشمن ہے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کون ہے؟ ابوقیر بولا جہاں پناہ! اگر تو پھر گیا تو مارا جائے گا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیسے؟ ابوقیر نے کہا حمامچی تیرا اور دین کا دشمن ہے۔ حمام قائم کرنے کا مقصد ہی اس کا یہ ہے کہ وہ تجھے زہر دے دے۔ جب تو حمام جائے گا تو وہ ایک دوا تیرے پاس لائے گا اور کہے گا کہ اس کی دھونی سے بال بلا تکلف گر پڑتے ہیں لیکن وہ دوا نہیں بلکہ قاتل زہر ہے۔ اس خبیث سے عیسائیوں کے بادشاہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تجھے قتل کر دے تو وہ اس کے بیوی بچّوں کو قید سے چھوڑ دے گا۔ اس کے بیوی بچے عیسائیوں کے بادشاہ کے یہاں قید ہیں میں بھی وہیں قید تھا لیکن میں نے وہاں ایک رنگ ریز خانہ کھولا، رنگ برنگ کے کپڑے رنگے اور بادشاہ نے خوش ہو کر مجھے آزاد کر دیا۔ وہاں سے میں یہاں آیا تو میں نے اسے دیکھا اور پوچھا کہ تو اور تیرے بیوی بچے کیسے چھوٹے؟ اس نے جواب دیا کہ بادشاہ نے ایک روز دربار کیا جس میں میں بھی موجود تھا، میں نے سُنا کہ بادشاہ افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ سوا فلاں شہر کے بادشاہ کے کسی نے میرے اوپر اس قدر ظلم نہیں کیا، اس لیے جو کوئی اُسے قتل کر دے گا جو مانگے گا میں دوں گا۔ اس پر میں نے آگے بڑھ کر کہا اگر میں کسی حیلے سے اُسے مار ڈالوں تو کیا تو مجھے اور میرے بیوی بچّوں کو چھوڑ دے گا؟ اس نے جواب دیا ہاں اور جو تو مانگے گا دوں گا۔ اس لیے میں نے یہاں آکر بادشاہ سے ایک حمام بنوایا ہے اور اب یہی باقی ہے کہ میں بادشاہ کو قتل کر کے عیسائیوں کے بادشاہ کے پاس جاؤں اپنے بیوی بچّوں کو چھڑاؤں اور اس سے انعام لوں۔ میں نے پوچھا تو نے کیا ترکیب سوچی ہے؟ اس نے کہا میں نے ایک دوا بنائی ہے جب وہ حمام

آئے گا تو میں کہوں گا کہ اس کی دھونی لے تاکہ تیرے تمام نیچے کے بال گر جائیں لیکن یہ زہر ہے وہ دھونی لیتے ہی ایک دن رات میں زہر اس کے دل تک سرایت کر جائے گا وہ مر جائے گا اور بس۔ یہ سن کر مجھے تیری جان کے لالے پڑ گئے اور میں تجھے خبر دینے دوڑا آیا ہوں کیوں کہ میرے اوپر تیرے بڑے احسانات ہیں۔

اس کی یہ باتیں سن کر بادشاہ کو تیش آ گیا اور رنگریز سے کہا کہ یہ بھید کسی پر ظاہر نہ کیجیو۔ اس کے بعد اس نے حمام جانے کا ارادہ کر لیا تاکہ شک جاتا رہے اور یقین ہو جائے۔ حمام پہنچا تو ابوصیر نے دستور کے مطابق اس کے کپڑے اتارے مالش کی اور پھر کہا کہ جہاں پناہ! میں نے ایک دوا بنائی ہے جس سے نیچے کے بال اڑ جائیں۔ بادشاہ بولا اسے لا وہ لے آیا تو بادشاہ نے دیکھا کہ وہ بڑی بدبودار ہے اسے یقین ہو گیا کہ وہ زہر ہے اور تیش میں آ کر اپنے نوکروں سے کہا پکڑ و اسے۔ نوکروں نے اسے پکڑ لیا بادشاہ غصے میں بھرا وہاں سے نکلا کسی کو اس کے غصے کی وجہ معلوم نہ ہوئی نہ کسی کی ہمت پڑی کہ اس سے پوچھے۔ اب بادشاہ کپڑے پہن کر دربار میں آیا اور ابوصیر مشکیں باندھ کر حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے کپتان کو بلا کر کہا اس خبیث کو لے جا کر ایک بوری میں بند کر اس میں بے بجھا دو من چونا ڈال دے، بوری کا منہ بند کر کے اسے ایک ناؤ میں رکھ اور میرے محل کے نیچے آ۔ تو مجھے وہاں ایک جھروکے میں بیٹھا دیکھے گا، مجھ سے پوچھیو کہ پھینکوں اسے؟ میں کہوں گا پھینک، اس وقت تو اسے پھینک دیجیو تاکہ وہ جل کر ڈوب جائے اور مر جائے۔ کپتان نے کہا سر آنکھوں سے اور ابوصیر کو محل کے سامنے ایک جزیرے میں لے گیا اور اس سے کہا

تو نے مجھے اپنا گرویدہ بنالیا ہے، بتا تو سہی کہ بادشاہ کے ساتھ تجھے کیا پیش آیا تو نے کیا ایسی حرکت کی کہ بادشاہ تجھ سے ناراض ہو گیا اور مجھے حکم دیا کہ تجھے بڑی موت ماروں۔ ابو صیر نے کہا میں نے تو کوئی بات ایسی نہیں کی کہ اس سزا کا مستحق بنوں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نو سو اڑتیسویں رات

نو سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! ابو صیر نے کپتان سے کہا مجھ سے تو کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی کہ اس سزا کا مستحق بنوں۔ کپتان بولا تیرا درجہ تو بادشاہ کے نزدیک اتنا بڑا تھا کہ بڑے بڑے لوگ حسد کرتے تھے، شاید کسی حاسد نے کوئی بات بادشاہ کے آگے تیرے خلاف کہی ہے کہ وہ اتنا ناراض ہو گیا ہے لیکن خوش ہو تیرا بال بیکا نہ ہوگا، جس طرح تو نے بے جانے پہچانے میرے ساتھ نیکی کی ہے میں بھی خالص دوستی کا حق ادا کروں گا اور تجھے چھڑا دوں گا۔ لیکن جب میں تجھے آزاد کر دوں تو اسی جزیرے میں میرے پاس ٹھیرا رہیو کوئی کشتی یہاں سے تیرے وطن جائے گی تو میں اس میں تجھے روانہ کر دوں گا۔ ابو صیر نے کپتان کے ہاتھ چومے اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ کپتان نے چونا لا کر بوری میں بھرا اس کے اندر انسان کے برابر ایک پتھر رکھا اور خدا پر بھروسا کر کے بیٹھ گیا اور ابو صیر کو ایک جال دے کر کہا کہ اسے سمندر میں ڈال کر مچھلیاں پکڑ کیوں کہ میرا فرض ہے کہ ہر روز بادشاہ کے باورچی خانے کے لیے مچھلیاں پکڑا کروں۔ آج اس مصیبت کی وجہ سے میں نے کوئی مچھلی

نہیں پکڑتی مجھے اندیشہ ہے کہ باورچی کے غلام آئیں اور کوئی مچھلی نہ پائیں۔ اگر تو مچھلیاں پکڑنے جائے گا تو میں اطمینان سے کوئی ترکیب چلوں گا اور محل کے نیچے جا کر کہوں گا کہ میں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا ہے۔ ابوصیر نے کہا اچھا میں مچھلیاں پکڑتا ہوں تو جا خدا تیری مدد کرے! کپتان پوری کو کشتی میں رکھ کر محل کے نیچے پہنچا دیکھا کہ بادشاہ جھروکے میں بیٹھا ہوا ہے۔ کپتان نے کہا پھینکوں؟ بادشاہ نے کہا پھینک۔ ساتھ ہی ہاتھ سے اشارہ کیا اور کوئی چیز چمکتی ہوئی اس کے ہاتھ سے سمندر میں جا پڑی۔ یہ بادشاہ کی انگوٹھی تھی اور طلسمی تھی، جب بادشاہ کسی سے ناراض ہوتا اور اسے قتل کرنا چاہتا تو داہنے ہاتھ سے جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کرتا اور اس میں سے بجلی نکلتی اور جس کی طرف وہ اشارہ کرتا اس کا سر کندھے سے جُدا ہو جاتا۔ جب انگوٹھی اس کے ہاتھ سے نکل پڑی، تو اس نے اس بھید کو پوشید رکھا کیوں کہ وہ کسی سے کہہ نہ سکتا تھا کہ میری انگوٹھی سمندر میں گر پڑی ہے ورنہ اس کا لشکر اس پر چڑھائی کر کے اسے مار ڈالتا۔ یہ تھی وجہ اُس کے چُپ رہنے کی۔

یہ تو بادشاہ کا قصّہ ہوا اب ابوصیر کا ماجرا سنو۔ کپتان کے جانے کے بعد اس نے جال لے کر سمندر میں پھینکا، کھینچا تو مچھلیوں سے بھرا ہوا تھا۔ جتنی بار وہ جال پھینکتا وہ مچھلیوں سے بھرا ہوا نکلتا۔ یہاں تک کہ اس کے آگے مچھلیوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اب وہ اپنے دل میں کہنے لگا میں نے ایک زمانے سے مچھلیاں نہیں کھائیں اور اس نے اپنے لیے ایک موٹی تازی مچھلی نکال کر الگ رکھ لی کہ جب کپتان آئے گا تو میں اس سے کہوں گا یہ مچھلی میرے ناشتے کے لیے بھون دے۔ اس کے بعد

اس نے چھُری نکال کر مچھلی کی گردن کاٹی تو اس میں سے وہی بادشاہ کی انگوٹھی نکلی اس نے اسے اپنی چھنگلی میں پہنا لیکن اُسے انگوٹھی کی خاصیت کی بالکل خبر نہ تھی۔ اتنے میں باورچی کے دو غلام مچھلیاں لینے آئے ابوصیر کے پاس پہنچ کر انھوں نے پوچھا کپتان کہاں ہے؟ ابوصیر بولا مجھے خبر نہیں اور اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اشارہ کرتے ہی دونوں غلاموں کے سر تن سے جُدا ہوگئے۔ یہ دیکھ کر ابوصیر حیران ہوگیا اور کہنے لگا خدا جانے انھیں کس نے قتل کر دیا اسی سوچ میں تھا کہ کپتان پہنچا دیکھا کہ مچھلیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے دو مقتول پڑے ہوئے ہیں اور ابوصیر کی انگلی میں انگوٹھی ہے۔ اس نے کہا بھائی، اپنا وہ ہاتھ نہ ہلائیو جس میں انگوٹھی ہے ورنہ میں قتل ہو جاؤں گا۔

اس کے بعد کپتان نے ابوصیر سے پوچھا ان دونوں غلاموں کو کس نے قتل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا بھائی! خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں۔ کپتان بولا تو سچ کہتا ہے اچھا بتا یہ انگوٹھی تجھے کہاں سے ملی؟ ابوصیر بولا مچھلی کے پیٹ میں سے۔ کپتان بولا ٹھیک ہے، میں نے اسے شاہی محل پر سے سمندر میں گرتے دیکھا تھا غالباً اس مچھلی نے اُسے نگل لیا خدا نے اس مچھلی کو تیرے پاس پہنچا دیا اور تو نے اسے شکار کر لیا۔ یہ تیرا نصیب ہے۔ لیکن تجھے اس انگوٹھی کی خاصیت بھی معلوم ہے؟ ابوصیر بولا نہیں۔ کپتان نے کہا ہمارے بادشاہ کا لشکر محض اس انگوٹھی کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے کیوں کہ وہ طلسم ہے۔ جب بادشاہ کسی سے ناراض ہوتا ہے اور اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو اس انگوٹھی سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس کا سر گردن سے الگ ہو جاتا ہے۔ یہ

سُن کر ابوصیر بہت خوش ہوا اور کپتان سے کہا مجھے شہر میں واپس بھیج دے۔ کپتان نے کہا میں واپس بھیج دوں گا اب مجھے بادشاہ سے تیرے بارے میں کوئی ڈر نہیں کیوں کہ اگر تو اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے گا تو اس کا سر تیرے آگے گر پڑے گا۔ اگر تو بادشاہ اور اس کے سارے لشکر کو قتل کرنا چاہے تو بغیر کسی وقت کے انھیں قتل کر سکتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ابوصیر کو کشتی میں بٹھایا اور شہر کی طرف روانہ کر دیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی . . . . . .

نو سو انتالیسویں رات

نو سو انتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! کپتان نے اسے کشتی میں بٹھا کر شہر بھیج دیا۔ وہاں پہنچ کر ابوصیر سیدھا شاہی محل کے اندر چلا گیا دیکھا کہ بادشاہ بیٹھا ہوا ہے لشکر اس کے سامنے کھڑا ہے اور وہ انگوٹھی کی وجہ سے نہایت غمگین ہے مگر کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا۔ بادشاہ کی نظر ابوصیر پر پڑی تو اس نے کہا ہم نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تھا پھر تو کس طرح نکل آیا؟ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ، جب تو نے حکم دیا تھا کہ کپتان مجھے سمندر میں پھینک دے تو اس نے اس بھلائی کے بدلے جو میں نے تیرے حمّام میں اس کے ساتھ کی تھی بجائے میرے بوری میں ایک پتّھر رکھ دیا اور میں مچھلیاں پکڑنے لگا۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں سے یہ انگوٹھی نکلی کپتان سے معلوم ہوا کہ یہ تیری انگوٹھی ہے اور اس کی یہ یہ خاصیت ہے۔ لہٰذا میں یہ انگوٹھی لے کر تیرے پاس

آیا ہوں کہ تجھے دے دوں کیوں کہ تو نے میرے ساتھ بڑے بڑے التفاتات کیے ہیں۔ اگر میں نے تیرے ساتھ کوئی بُرائی کی ہو جس سے میرا قتل واجب آتا ہو تو مجھے بتا دے اور مجھے قتل کر ڈال، میرے خون کا تیرے اوپر کوئی دعوا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی اُتار دی اور بادشاہ کو دے دی۔

بادشاہ نے دیکھا کہ ابوصیر اس کے ساتھ یہ احسان کر رہا ہے تو اس نے انگوٹھی لے کر پہن لی اس کی جان میں جان آگئی اس نے اٹھ کر ابوصیر کو گلے سے لگا لیا اور کہا اے شخص! تو بہترین حلال زادہ ہے، جو کچھ مجھ سے تیرے حق میں صادر ہوا اُسے معاف کر دے۔ اگر کسی اور کے ہاتھ یہ انگوٹھی لگتی تو وہ مجھے ہرگز نہ دیتا۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! اگر تو چاہتا ہے کہ میں تجھے معاف کر دوں تو مجھے بتا کہ مجھ سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا تھا جو تو اتنا ناراض ہوا کہ میرے قتل کا حکم دے دیا؟ بادشاہ بولا تو نے اتنی بڑی بھلائی میرے ساتھ کی ہے کہ تیری بے گناہی مجھ پر ثابت ہو گئی لیکن رنگ ریز نے مجھ سے یہ باتیں کہی تھیں۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! نہ میں عیسائیوں کے بادشاہ کو جانتا ہوں نہ کبھی ان کے مُلک میں گیا ہوں اور نہ کبھی تیرے قتل کرنے کا خیال میرے دل میں آیا ہے۔ یہ رنگ ریز اسکندریہ میں میرا دوست اور پڑوسی تھا۔ یہ کہہ کر اس نے رنگ ریز کا سارا واقعہ بادشاہ سے کہہ دیا اور کہا جو دوا میں نے بنائی تھی وہ ہرگز مضر نہیں، ہم اسے اپنے ہاں بنایا کرتے ہیں اور ہر حمام میں اس کا ہونا لازمی ہے۔ اے بادشاہ! سرائے کے دربان اور رنگ ریز خانے کے ملازموں کو بُلا کر خود پوچھ لے۔ جب وہ لوگ آئے تو انھوں نے بادشاہ کے سامنے تمام باتیں سچ سچ کہہ دیں۔ اب بادشاہ نے حکم دیا کہ رنگ ریز کو ننگے پاؤں اور ننگے سر مشکیں باندھ کر

لے آؤ۔ رنگ ریز اس وقت اپنے گھر میں خوش خوش بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا ابوصیر مارا گیا جو یکایک بادشاہ کے پیادے آ پہنچے اُسے خوب مارا اور اس کی مشکیں باندھ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اس نے دیکھا کہ ابوصیر بادشاہ کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے سرائے کا دربان اور رنگ ریز خانے کے ملازم اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ اُسے دیکھتے ہی دربان نے کہا کیا یہ وہ تیرا دوست نہیں ہے جس کے درہم تو نے چرائے تھے جسے تو کوٹھری میں بیمار چھوڑ کر چلا گیا تھا اور جس کے ساتھ فلاں فلاں حرکت کی تھی؟ رنگ ریز خانے کے ملازموں نے کہا کیا یہ وہی شخص نہیں ہے جس کے متعلق تو نے ہم سے کہا تھا کہ اسے پکڑو اور خوب مارو۔ اسے پکڑ کر شہر اور بازار میں ڈھنڈورا پیٹو، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نو سو چالیسویں رات

نو سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ نے حکم دیا کہ ابوقیر کو شہر میں تشہیر کرو اور پھر ایک بوری میں بند کر کے سمندر میں پھینک دو۔ ابوصیر نے کہا جہاں پناہ! میری سفارش مان لے، میں نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیے۔ بادشاہ بولا تو نے تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیے مگر میں اس کے گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اُسے فوراً بوری میں بند کر کے اور اس میں چونا ڈال کر سمندر میں پھینک دو تاکہ وہ ڈوب کر جل جائے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ابوصیر سے کہا مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے جواب دیا مجھے میرے وطن

بھیج دے کیوں کہ اب میرا جی یہاں نہیں لگتا۔ بادشاہ نے اُسے بہت کچھ مال و دولت دے کر کہا میں تجھے اپنا وزیر بنالوں گا لیکن وہ راضی نہ ہوا اور بادشاہ سے رخصت ہو کر روانہ ہو گیا۔ جب وہ اسکندریہ پہنچا تو ملاحوں نے لنگر ڈالا اور خشکی پر اُترے دیکھا کہ خشکی کے کنارے ایک بڑی بھاری بوری ہے، اس کا منھ بندھا ہوا ہے، نہ معلوم اس کے اندر کیا ہے! ابوصیر نے اُسے لے کر کھولا تو اس میں ابوقیر کی لاش ہے، سمندر اسے اسکندریہ تک بہالایا تھا۔ ابوصیر نے اسے نکال کر اسکندریہ کے قریب دفن کیا اس کا مزار بنایا اور بہت سامال اس کے لیے وقف کر دیا۔ کچھ زمانے کے بعد ابوصیر کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اسے بھی اس کے دوست ابوقیر کے پاس دفن کیا۔ اس وجہ سے اس جگہ کا نام ابوقیر و ابوصیر پڑ گیا اور آج کل محض ابوقیر کے نام سے مشہور ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو دائمی ہے اور جس کے حکم سے دن رات آتے جاتے رہتے ہیں۔

عبداللہ ماہی گیر، عبداللہ باورچی اور عبداللہ بحری کی کہانی

ایک ماہی گیر تھا عبداللہ نام، اس کی ایک بیوی اور نو اولادیں تھیں لیکن ان کی غربت اتنی تھی کہ سوا جال کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ ہر روز مچھلیاں مارنے دریا کے کنارے جاتا اور اگر تھوڑی بہت مچھلیاں مل جاتیں تو انھیں بیچ کر اپنے اہل و عیال پر صرف کرتا کبھی کچھ زیادہ آمدنی ہو جاتی تو اچھا

کھانا پکاتا، میوے خریدتا اور خرچ کرتا رہتا یہاں تک کہ اس کے پاس کچھ باقی نہ رہتا اور وہ اپنے دل میں کہتا کہ کل کی روزی کل آئے گی۔ خدا کی قدرت اس کی بیوی کے ہاں ایک اور بچہ پیدا ہوا اور اب ان کی تعداد دس ہو گئی، اس روز ماہی گیر کی جیب بالکل خالی تھی، بیوی نے کہا اے میرے آقا! کچھ لاکر میں کھاؤں۔ ماہی گیر بولا میں ابھی دریا کے کنارے جاتا ہوں اور اس بچے کا نام لے کر جال پھینکتا ہوں، دیکھوں اس کی قسمت کیسی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے جال اٹھایا اور دریا کی طرف چل کھڑا ہوا وہاں پہنچ کر بچے کے نام پر جال پھینکا اور کہا خداوندا! اس بچے کا رزق آسان کیجیو مشکل نہ کیجیو، زیادہ دیجیو کم نہ دیجیو۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر جب اس نے جال پھینکا تو اس میں گھاس پھوس، ریت، کنکر پتھر نکلے مچھلی کا نام نشان نہ تھا۔ پھر اُس نے دوسری بار جال پھینکا پھر بھی کوئی مچھلی نہ آئی۔ تیسری، چوتھی اور پانچویں بار جال پھینکا ہر بار جال خالی نکلا۔ اب اس نے وہاں سے دور جاکر قسمت آزمائی کی اور شام تک بیٹھا رہا مچھلی کا بچہ بھی ہاتھ نہ لگا وہ اپنے دل میں کہنے لگا خدا نے اس بچے کو بے روزی کے پیدا کیا ہے، مگر یہ تو ہو نہیں سکتا جس ذات نے منہ بنایا ہے وہ اُسے کھلانے کا بھی ذمے دار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے جال لیا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا، ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا اور اس کی بیوی زچہ خانے میں تھی۔

وہ اپنے دل میں یہی کہتا چلا جا رہا تھا کہ آج رات بچوں سے کیا کہوں گا کہ اس کا گزر ایک باورچی کے تنور پر ہوا دیکھا کہ وہاں بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ لوگ باورچی کو دام دیتے لیکن بھیڑ کی وجہ سے وہ کسی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ ماہی گیر کھڑا ہو کر تماشہ دیکھنے لگا جب گرم گرم روٹیوں کی

خوش بو اس کے دماغ میں پہنچی تو مارے بھوک کے اس کا جی للچانے لگا۔ باورچی نے اسے دیکھ کر کہا ماہی گیر! آگے آ۔ وہ آگے آیا تو باورچی نے پوچھا کیا تو روٹیاں چاہتا ہے؟ ماہی گیر چپ ہو گیا، باورچی نے کہا بول شرما نہیں اللہ کریم ہے، اگر تیرے پاس دام نہیں تو میں اُدھار دوں گا اور تیری حالت سدھرنے تک انتظار کروں گا۔ ماہی گیر نے کہا استاد! سچ مچ میرے پاس درہم نہیں لیکن تو میرے بال بچوں کے لیے کافی روٹیاں دے دے اور کل تک کے لیے میرا جال گروی رکھ لے۔ باورچی بولا ای غریب، یہی جال تو تیری دُکان اور تیری روزی کا دروازہ ہے، اگر تو نے اسے گروی رکھ دیا تو مچھلیاں کاہے سے پکڑے گا؟ یہ بتا کہ کتنی روٹیاں تیرے لیے کافی ہوں گی؟ اس نے کہا دس اٹھنّیوں کی۔ باورچی نے اسے دس اٹھنّیوں کی روٹیاں اور دس اٹھنّیاں نقد دے دیں اور کہا کہ ان دس اٹھنّیوں کا سالن پکائیو، اس طرح تیری طرف بیس اٹھنّیاں ہو جائیں گی، ان کے بدلے کل مچھلیاں لیتا آئیو اور اگر کچھ نہ ملے تو آکر اپنی روٹیاں اور دس اٹھنّیاں لے جائیو بلکہ جب تک تیرے پاس دام نہ ہوں میں انتظار کروں گا، اور شہر زاد کو صبح ہوتی۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نوسو اکتالیسویں رات

نوسو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! باورچی نے ماہی گیر سے کہا جب تک تیرے پاس دام نہ ہوں میں انتظار کروں گا۔ ماہی گیر نے کہا خدا تجھے اس کا اجر دے! وہ روٹیاں اور دس

اٹھنّیاں لے کر خوش خوش چل دیا اور جو کچھ ان سے خرید سکتا تھا خرید کر اپنی بیوی کے پاس گیا دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی بچّوں کو دم دلاسا دے رہی ہے اور وہ مارے بھوک کے رو رہے ہیں ماں کہہ رہی ہے کہ تمھارا باپ تمھارے لیے ابھی کھانا لا رہا ہوگا۔ اتنے میں باپ آگیا اور کھانا ان کے سامنے رکھ دیا انھوں نے کھایا پیا، ماہی گیر نے اپنی بیوی سے سارا ماجرا بیان کیا اس نے جواب دیا اللہ کریم ہے۔ دوسرے روز وہ پھر جال لے کر نکلا اور کہنے لگا اے پروردگار! میں تجھ سے دُعا مانگتا ہوں کہ آج تو مجھے روزی دیجیو تاکہ میں باورچی کے سامنے سرخرو ہوں۔ سمندر پر پہنچ کر وہ دن بھر جال پھینکتا اور کھینچتا رہا لیکن کوئی مچھلی نہ پھنسی وہ غمگین اور رنجیدہ ہو کر لوٹا۔ اس کے گھر کا راستہ باورچی کے تنور ہی پر ہو کر تھا وہ کہنے لگا میں کدھر سے ہو کر گھر جاؤں! لیکن ایسا کر سکتا ہوں کہ جلدی سے گزر جاؤں تاکہ باورچی کی نظر مجھ پر نہ پڑے۔ تنور پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ بھیڑ لگی ہوئی ہے اور وہ باورچی کی شرم کے مارے تیز تیز چلنے لگا باورچی نے اسے دیکھ لیا اور پکار کر کہا اے ماہی گیر! اپنی روٹیاں اور اوپر کا خرچ لیتا جا، شاید تو بھول گیا ہے۔ ماہی گیر بولا واللہ میں بھولا نہیں مجھے تیرے آگے شرم آتی ہے کیوں کہ آج بھی میرے ہاتھ کوئی مچھلی نہیں لگی۔ باورچی بولا شرما نہیں میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ جب تک تیری حالت سدھر نہ جائے میں انتظار کروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے ماہی گیر کو روٹیاں اور دس اٹھنّیاں دے دیں اور اس نے اپنی بیوی کے پاس جا کر سارا قصّہ بیان کیا بیوی بولی اللہ کریم ہے، تیری قسمت خدا نے چاہا تو جاگ اٹھے گی۔

چالیس دن تک ماہی گیر کی یہی حالت رہی کہ وہ صبح سے شام تک

دریا پر رہتا اور پھر بے مچھلیوں کے لوٹ آتا باورچی اُسے روٹیاں اور دام دیتا لیکن مچھلی کا نام نہ لیتا نہ اُسے اور لوگوں کی طرح کھڑا رکھتا۔ جب کبھی ماہی گیر کہتا بھائی! حساب کر تو وہ جواب دیتا کہ چل، یہ وقت حساب کتاب کا نہیں، جب تیرے پاس ٹکے آجائیں گے تو حساب کروں گا۔ ماہی گیر اسے دُعا دیتا اور اس کا شکریہ ادا کر کے چلا جاتا۔ اکتالیسویں دن اس نے اپنی بیوی سے کہا میں چاہتا ہوں کہ جال کو کاٹ کر پھینک دوں اور اس کاروبار سے چھٹکارا پاؤں۔ بیوی نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا دریا سے اب میری روزی جاتی رہی ہو اور باورچی کے آگے مارے شرم کے پسینے پسینے ہو جاتا ہوں، اس لیے نہ میں دریا پر جاؤں نہ اس کے تنور کے آگے سے گزروں لیکن میرا اور کوئی راستہ نہیں۔ جب میں ادھر سے گزرتا ہوں تو وہ مجھے پکار کر روٹیاں اور دس اٹھنیاں دے دیتا ہو۔ آخر کب تک میں اس سے اُدھار لیا کروں گا! بیوی بولی شکر ہو خدا کا کہ اس نے اس کا دل تیری طرف سے نرم کر دیا ہو اور وہ تجھے کھانا دیتا ہو۔ اس میں کون سی بُری بات ہو؟ ماہی گیر بولا اس کے بہت سے درہم میرے اوپر ہو گئے ہیں اور وہ ضرور ایک نہ ایک دن مانگ بیٹھے گا۔ بیوی نے کہا کیا اس نے تجھ سے تقاضا کیا ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ وہ حساب بھی کرنا نہیں چاہتا اور کہتا ہو کہ پہلے کافی کما لے۔ بیوی نے کہا اگر وہ مطالبہ کرے تو کہہ دیجیو کہ مجھے خوش حال ہونے دے۔ اس نے کہا ہم کب خوش حال ہوں گے؟ بیوی نے جواب دیا اللہ کریم ہو۔ وہ بولا تو سچ کہتی ہو۔ وہ پھر جال لے کر دریا پر گیا کہنے لگا ای میرے پروردگار! میری روزی عطا کر خواہ ایک ہی مچھلی کیوں نہ ہو تاکہ میں باورچی کو دوں۔

یہ کہہ کر اس نے جال پھینکا، کھینچا تو وہ بھاری معلوم ہوا اور اس نے اتنا زور لگایا کہ تھک گیا۔ جال باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ اس میں ایک مُردار گدھا ہے جو پھول گیا ہے اور جس میں سے بُری بدبُو نکل رہی ہے۔ اس سے اسے بڑی گھن آئی۔ اس نے گدھے کو جال میں سے نکالا لاحول پڑھنے لگا اور کہا میں تو عاجز آگیا ہوں لاکھ اس عورت سے کہتا ہوں کہ اب سمندر سے میری قسمت میں روزی نہیں، مجھے یہ پیشہ چھوڑ دینے دے لیکن وہ کہتی ہے اللہ کریم ہے، عنقریب تجھے بہت کچھ مل جائے گا۔ کیا وہ بہت کچھ یہی مُردار گدھا ہے۔ اب وہ رنجیدہ ہو کر دوسری جگہ گیا تاکہ گدھے کی بدبُو سے دُور ہو جائے اور جال لے کر پھینکا تھوڑی دیر ٹھیر کر کھینچا تو وہ وزنی تھا اور اس نے اتنا زور لگایا کہ اس کی ہتھیلیوں سے خون نکلنے لگا۔

جال باہر نکلا تو ماہی گیر نے دیکھا کہ اس میں ایک آدمی ہے اُسے گمان ہوا کہ یہ کوئی دیو ہوگا جسے حضرت سلیمانؑ نے پیتل کی لٹیا میں بند کر کے سمندر میں پھینک دیا ہوگا اور اب اتنی مدت کے بعد وہ لٹیا ٹوٹ گئی ہوگی وہ اس میں سے نکل پڑا ہوگا اور جال میں پھنس گیا ہوگا۔ یہ سوچ کر وہ بھاگا اور چلّانے لگا اے سلیمانؑ کے دیو! امان امان! آدمی نے جال کے اندر سے جواب دیا اے ماہی گیر! بھاگ نہیں یہاں آ، میں بھی تیری طرح آدمی ہوں، مجھے جال میں سے نکال دے تاکہ تجھے ثواب ملے۔ یہ سُن کر ماہی گیر کو اطمینان ہوا اور اس کے پاس آکر کہا کیا تو دیو نہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ میں انسان ہوں خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہوں ماہی گیر نے پوچھا تجھے سمندر میں کس نے پھینکا؟ اس نے کہا میں دریائی

انسان ہوں، پھر رہا تھا کہ تیرے جال میں آکر پھنس گیا۔ ہم لوگ خدا کے احکام کی پیروی کرتے اور اس کی مخلوقات سے محبت رکھتے ہیں۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ کہیں نافرمان بندوں میں میرا شمار نہ ہو جائے تو میں تیرا جال پھاڑ ڈالتا لیکن میں نے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا تو مجھے جال سے چھڑائے گا تو تو میرا مالک ہو گا اور میں تیرا غلام۔ کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ مجھے خدا کی راہ پر آزاد کر دے اور میرے ساتھ عہد و پیمان کرے کہ ہم دوست رہیں گے، میں ہر روز تجھ سے اسی جگہ ملا کروں گا۔ تو میرے لیے خشکی کا تحفہ لایا کر کیوں کہ تمھارے ہاں انگور، انجیر، تربوز، شفتالو اور انار وغیرہ ہوتے ہیں۔ جو چیز تو لائے گا مجھے منظور ہے اور ہمارے ہاں مونگے، موتی، زبرجد، زمرد، یاقوت اور ہیرے ہوتے ہیں۔ جس ٹوکری میں تو میرے لیے میوے لائے گا اُسے میں دریائی جواہرات سے بھر دوں گا۔ بتا منظور ہے؟ ماہی گیر نے کہا اس بات پر ہمارے درمیان فاتحہ ہو جانی چاہیے۔ دونوں نے فاتحہ پڑھی ماہی گیر نے اسے جال سے نکال دیا اور پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا عبداللہ بحری۔ اگر تو یہاں آئے اور مجھے نہ پائے تو کہیو کہ ای عبداللہ بحری! تو کہاں ہے؟ میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ......

نوسو بیالیسویں رات

نوسو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! عبداللہ بحری نے کہا جب تو کہے گا ای عبداللہ ای بحری! تو کہاں ہے

تو میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا اور تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا عبداللہ بحری بولا کہ تو عبداللہ برّی ہے اور میں عبداللہ بحری۔ تو یہیں ٹھیرا رہ میں جا کر تیرے لیے ایک ہدیہ لاتا ہوں۔ ماہی گیر بولا سر آنکھوں پر، عبداللہ بحری دریا میں چلا گیا۔ اب عبداللہ برّی پشیمان ہوا کہ میں نے اسے جال سے کیوں چھڑایا اور اپنے دل میں کہنے لگا کیا جانے وہ لوٹ کر آئے گا کہ نہیں، اس نے مجھے دھوکا دیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اگر میں اسے رہنے دیتا تو شہر میں اس کا تماشا دکھاتا اور درہم کماتا اسے لے کر امیروں کے گھروں میں جاتا۔ غرض کہ اسے چھوڑ دینے پر ماہی گیر کو بڑی پشیمانی ہوئی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب تیرا قیدی تیرے ہاتھ سے جاتا رہا۔ وہ اسی افسوس میں تھا کہ عبداللہ بحری دونوں ہاتھوں میں موتی، مونگے، زمرد اور یاقوت اور ہیرے لیے ہوئے لوٹا اور کہا بھائی! اسے لے اور معاف کر، اگر میرے پاس ٹوکری ہوتی تو میں اسے بھر دیتا۔ عبداللہ برّی بہت خوش ہوا اور جواہرات اس سے لے کر کہنے لگا ہر روز سورج نکلنے سے پہلے یہاں آیا کیجیو۔ اس کے بعد دونوں رخصت ہوئے اور عبداللہ بحری دریا کے اندر چلا گیا۔

ماہی گیر خوش خوش شہر میں داخل ہوا اور باورچی کے تنور پر پہنچ کر کہنے لگا بھائی! حساب کر، میرے پاس دام آگئے ہیں۔ باورچی بولا حساب کی کیا ضرورت ہے! اگر تیرے پاس کچھ ہو تو دے دے نہیں تو اپنی روٹیاں اور اوپر کا خرچ لے کر چل دے۔ ماہی گیر نے کہا دوست، خدا کی مہربانی سے مجھے دام مل گئے ہیں۔ تیرا قرضہ تو میرے اوپر بہت ہے لیکن فی الحال یہ لے۔ اتنا کہ کر اس نے مٹھی بھر موتی، مونگے، یاقوت اور ہیرے اُسے دے دیے اور کہا مجھے کچھ نقدی دے دے تاکہ اُسے خرچ میں لاؤں

اور جب تک یہ جواہرات بکیں اس سے کام چلاؤں۔ باورچی نے جتنے درہم اس کے پاس تھے نکال کر دے دیے تمام روٹیاں بھی جو ٹوکری میں تھیں، اور جواہرات لے کر ماہی گیر سے کہتا ہوا کہ میں تیرا نوکر اور غلام ہوں روٹیوں کی ٹوکری اپنے سر پر رکھ کر ماہی گیر کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اس کی بیوی بچوں کے حوالے کر آیا۔ اس کے بعد وہ بازار جاکر گوشت ترکاری اور قسم قسم کے میوے لے آیا اور تنور چھوڑ کر دن بھر عبداللہ بری کی خدمت میں لگا رہا۔ عبداللہ بری نے کہا بھائی! تو بڑی تکلیف اٹھاتا ہے، باورچی نے جواب دیا یہ میرا فرض ہے کیوں کہ میں تیرا نوکر ہو گیا اور تیرے احسان کے نیچے دب گیا ہوں۔ ماہی گیر بولا تو نے تنگی اور ناداری کے وقت مجھ پر احسان کیا ہے۔ رات کو دونوں نے اچھے اچھے کھانے کھائے اور باورچی ماہی گیر کا دوست ہو گیا ماہی گیر نے عبداللہ بحری کا قصہ اپنی بیوی سے بیان کیا۔ بیوی خوش ہو گئی اور کہا اس بھید کو ظاہر نہ کیجیو ورنہ حکام تیرے پیچھے پڑ جائیں گے۔ ماہی گیر بولا خواہ میں ساری دنیا سے یہ بھید پوشیدہ رکھوں لیکن باورچی سے نہیں چھپاؤں گا۔ دوسرے دن صبح کو وہ ٹوکری بھر میوے لے کر دن نکلنے سے پہلے دریا پر پہنچا اور اسے کنارے پر رکھ کر آواز دی اے عبداللہ اے بحری! کہاں ہے؟ اس نے فوراً لبیک کہا اور نکل آیا۔ ماہی گیر نے اسے میوے دیے وہ انھیں لے کر پانی کے اندر چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ٹوکری بھر جواہرات لے کر نکلا۔ عبداللہ بری ٹوکری کو سر پر رکھ کر چل دیا۔

جب وہ باورچی کی دکان پر پہنچا تو باورچی نے کہا اے میرے آقا!

میں نے چالیس کلیجے پکاکر تیرے گھر بھیج دیے ہیں اور اب میں خاص قسم کی روٹیاں پکا رہا ہوں جب وہ تیار ہو جائیں گی تو میں انھیں بھی تیرے گھر بھیج دوں گا اور پھر ترکاری اور گوشت لے آؤں گا۔ ماہی گیر نے ٹوکری میں سے تین مٹھی بھر جواہرات لے کر اُسے دے دیے باقی گھر لے گیا اور ان میں سے اچھے اچھے چھانٹ کر جوہری بازار پہنچا بازار کے چودھری کی دُکان پر ٹھیرا اور اس سے کہا جواہرات خریدتا ہی؟ اس نے کہا دکھا ماہی گیر نے جواہرات دکھائے تو چودھری نے پوچھا ان کے سوا تیرے پاس اور بھی جواہرات ہیں؟ اس نے جواب دیا میرے پاس ٹوکری بھر ہیں۔ چودھری نے پوچھا تیرا گھر کہاں ہی؟ اس نے جواب دیا فلاں محلّے میں۔ چودھری نے جواہرات لے کر اپنے ساتھیوں سے کہا اسے گرفتار کرلو، یہ چور ہی، اس نے بادشاہ کی بیوی ملکہ کا مال چرایا ہی، مارو اسے۔ انھوں نے اسے خوب مارا اور اس کی مشکیں باندھ دیں۔ چودھری اور تمام جوہری بازار والے جمع ہو گئے اور کہنے لگے ہم نے چور کو پکڑ لیا ہی، ایک کہتا کہ فلاں شخص کا سامان بھی اسی خبیث نے چرایا ہوگا، دوسرا کہتا کہ فلاں شخص کے گھر کا سارا سامان بھی یہی چرا لے گیا ہی۔ غرض کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا، ماہی گیر چپ تھا کوئی جواب نہ دیتا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے بادشاہ کے سامنے لاکھڑا کیا اور چودھری نے بادشاہ سے کہا کہ جب ملکہ کا ہار چوری گیا تھا تو تو نے مجھے خبر بھیجی تھی کہ چور کو پکڑوں۔ میں نے اس میں جان لڑا دی اور آخر چور کو پکڑ لیا، اور یہ جواہرات اس کے پاس سے برآمد ہوے ہیں۔ بادشاہ نے غلام سے کہا کہ یہ جواہرات لے جاکر ملکہ کو دکھا اور پوچھ کہ کیا یہی تیرے جواہرات ہیں جو چوری گئے تھے؟ غلام انھیں لے کر

ملکہ کے پاس گیا۔ ملکہ انھیں دیکھ کر حیران ہو گئی اور بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ میرا ہار مل گیا ہی اور یہ جواہرات میرے نہیں یہ تو ہار کے جواہرات سے بہتر ہیں اس شخص پر ظلم نہ کر، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔۔۔۔

نوسو تینتالیسویں رات

نوسو تینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! ملکہ نے کہلا بھیجا کہ اس شخص پر ظلم نہ کر، اور اگر وہ انھیں بیچنا چاہے تو اپنی بیٹی ام سعود کے لیے خرید لے تاکہ ہم اس کے لیے ایک ہار بنا دیں۔ غلام نے آکر بادشاہ کو خبر دی تو وہ چودھری اور اس کے ساتھیوں کو عاد و ثمود کی طرح لعنت ملامت کرنے لگا۔ انھوں نے عرض کیا جہاں پناہ! ہمیں معلوم ہی کہ یہ شخص غریب ماہی گیر ہی اس کے پاس جواہرات کہاں سے آئے! اس نے ضرور چرایا ہوگا۔ بادشاہ بولا ای بدذاتو! کیا تم مومن کی طرف سے ایسا بُرا گمان کرتے ہو! تم نے اس سے پوچھا کیوں نہیں؟ یہ خدا کی دین ہی، تم اسے کیوں چور قرار دے کر بدنام کرتے ہو؟ بھاگو یہاں سے، خدا تمھارا ستیا ناس کرے! یہ سُن کر وہ مارے ڈر کے وہاں سے چل دیے۔

یہ تو ان کا حال ہوا، اب بادشاہ کا ماجرا سنو۔ اس نے ماہی گیر سے کہا ای شخص! خدا نے جو کچھ تجھے دیا ہی اس میں برکت ہو! تو ڈر نہیں سچ سچ بتا دے کہ یہ جواہرات تجھے کہاں سے ملے؟ میں بادشاہ ہوں لیکن میرے پاس بھی ایسے نہیں۔ اس نے کہا جہاں پناہ! میرے پاس ایسے ایسے ایک ٹوکری بھر ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے عبداللہ بحری کا قصہ بیان کیا۔

اور یہ کہ میرے اس کے درمیان وعدہ ہے کہ میں اس کے لیے ہر روز ٹوکری بھر میوے لے جایا کروں اور وہ اسی ٹوکری میں اتنے ہی جواہرات مجھے دیا کرے۔ بادشاہ نے کہا اے شخص! یہ تیری قسمت ہے۔ لیکن مال کے لیے رتبے کی ضرورت ہے۔ اب تو میں لوگوں کے ظلم سے تجھے بچالوں گا پھر اگر میں تخت سے اُتر گیا یا مر گیا اور دوسرا شخص تخت پر بیٹھا تو وہ دُنیا کے لالچ میں آکر تجھے مار ڈالے گا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دوں، تجھے اپنا وزیر بنالوں اور وصیت کر دوں کہ تو میرے بعد بادشاہ ہو تاکہ میرے مرنے کے بعد کوئی تیری طرف بری نظر سے نہ دیکھے۔

اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا اسے حمّام لے جاؤ، لوگوں نے اسے حمّام لے جاکر خوب نہلایا اور شاہانہ لباس پہناکر بادشاہ کے سامنے لائے۔ بادشاہ نے اسے اپنا وزیر بنالیا اور اس کے گھر پیادے، لشکری اور امیرزادیوں کو بھیجا جنھوں نے اس کی بیوی اور بچوں کو شاہانہ پوشاکیں پہنائیں، تختِ رواں پر سوار کیا اور بادشاہ کے محل میں لے آئے، چھوٹا بچہ اس کی گود میں تھا بڑے لڑکوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اس نے انھیں عزت سے اپنی گود میں بٹھالیا۔ یہ نو لڑکے تھے اور بادشاہ کے سوا ایک امّ سعود کوئی اولاد نہ تھی۔

ملکہ نے عبداللہ بری کی بیوی کی بڑی آؤ بھگت کی اور انعام و اکرام کے ساتھ اُسے اپنی مصاحبہ بنالیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ عبداللہ برّی کا نکاح نامہ میری بیٹی کے ساتھ مرتب کر دیا جائے اور مہر میں اس کے تمام جواہرات لکھ دیے جائیں۔ اب جشن ہونے لگے، بادشاہ نے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ اس کی بیٹی کی شادی کی خوشی میں شہر آراستہ کیا جائے۔ جب وہ

شاہ زادی کے ساتھ ہم بستر ہوا تو اس کے دوسرے دن بادشاہ نے جھروکے میں سے دیکھا کہ عبداللہ ٹوکری بھر میوے اپنے سر پر رکھے چلا جا رہا ہے اسے پکار کر پوچھا ای میرے داماد! یہ کیا لیے جا رہا ہے؟ وہ بولا اپنے دوست عبداللہ بحری کے پاس میوے لیے جا رہا ہوں۔ بادشاہ نے کہا ای داماد! یہ تیرے دوست کے پاس جانے کا وقت نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے وعدہ خلافی نہ ہو جائے وہ مجھے جھوٹا ٹھیرائے اور کہے کہ دنیا میں پڑ کر تو مجھے بھول گیا۔ بادشاہ نے کہا تو سچ کہتا ہے، جا اپنے دوست کے پاس، خدا تیری دست گیری کرے! وہ شہر میں سے ہوتا ہوا اپنے دوست کی طرف روانہ ہو گیا۔ بہت لوگ اس سے واقف ہو چکے تھے اس نے انھیں کہتے سنا کہ یہ بادشاہ کا داماد ہے، پھلوں کے بدلے جواہرات لینے جا رہا ہے۔ لیکن جو اسے پہچانتا نہ تھا وہ کہتا ای شخص! کتنے رطل بیچتا ہے، آ میرے ہاتھ بیچ، اور وہ جواب دیتا کہ ٹھیر جا، میں ابھی لوٹ کر آتا ہوں، کسی کا دل نہ دکھاتا۔ عبداللہ بحری کے پاس پہنچ کر اس نے پھل دیے اور ان کے بدلے جواہرات لیے۔ اسی طرح وہ ہر روز باورچی کے تنور پر سے گزرتا لیکن اسے بند پاتا۔ جب دس دن تک برابر اس نے باورچی کو نہ دیکھا اور تنور بند پایا تو اپنے دل میں کہنے لگا نہ جانے باورچی کہاں چلا گیا اس کے پڑوسی سے پوچھا کہ تیرا پڑوسی باورچی کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا ای میرے آقا! وہ بیمار ہے اور گھر سے باہر نہیں نکلتا۔ اس نے پوچھا اس کا گھر کہاں ہے؟ پڑوسی نے کہا فلاں محلے میں۔

ماہی گیر نے اس محلے میں جا کر باورچی کا پتا پوچھا اور جب اس نے

دروازہ کھٹکھٹایا تو باورچی نے محراب میں سے جھانک کر دیکھا تو اس کا پرانا دوست ماہی گیر تھا اور اس کے سر پر بھری ہوئی ٹوکری تھی اس نے نیچے آکر دروازہ کھولا ماہی گیر اندر جاکر اس سے لپٹ گیا اسے گلے لگایا رونے لگا اور کہا دوست! خیریت تو ہے؟ میں ہر روز تیرے تنور پر سے گزرتا تھا لیکن اسے بند پاتا تھا۔ پھر مجھے تیرے پڑوسی سے معلوم ہوا کہ تو بیمار ہے میں نے تیرے گھر کا پتا پوچھا کہ تجھ سے ملوں۔ باورچی بولا خدا تجھے نیک جزا دے! سب خیریت ہے میں بیمار نہیں میں نے سُنا تھا کہ بادشاہ نے تجھے پکڑ بلایا ہے کیوں کہ بعض لوگوں نے تجھ پر بہتان لگایا اور تجھے چور بتایا ہے۔ اس لیے مارے ڈر کے میں نے تنور بند کر دیا اور چھپ رہا۔ ماہی گیر بولا تو سچ کہتا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنا قصہ سُنا دیا اور کہا بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دی ہے اور مجھے اپنا وزیر بنا لیا ہے۔ جو کچھ اس ٹوکری میں ہے لے لے، یہ تیری قسمت کا ہے، اور ڈر نہیں۔ جب وہ خالی ٹوکری لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا اے داماد! شاید آج تیرا دوست عبداللہ بحری تجھے نہیں ملا۔ اس نے جواب دیا میں اس کے پاس گیا تھا اور جو کچھ اس نے دیا میں اپنے دوست باورچی کو دے آیا ہوں اس کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ باورچی کون ہے؟ اس نے باورچی اور اس کے احسان کا سارا ماجرا بیان کر دیا۔ بادشاہ بولا اس کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا عبداللہ باورچی اور میرا نام عبداللہ برّی اور میرے دوست کا نام عبداللہ بحری ہے۔ بادشاہ نے کہا میرا بھی نام عبداللہ ہے اور کُل عبداللہ بھائی بھائی ہیں۔ اسے میرے پاس بُلا تاکہ میں اسے اپنا بایاں وزیر بنالوں۔ باورچی بادشاہ کے پاس آیا تو اس نے

اُسے وزیروں کا لباس پہنا کر میسرے کا وزیر بنا دیا اور عبداللہ برّی کو میمنے کا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی ......

نوسو چوالیسویں رات

نوسو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ نے اپنے داماد عبداللہ برّی کو میمنے اور عبداللہ باورچی کو میسرے کا وزیر بنا لیا۔ عبداللہ برّی کی ایک سال تک یہی حالت رہی کہ وہ ہر روز ٹوکری میں پھل بھر کرلے جاتا اور ان کے بدلے جواہرات بھر کرلے آتا۔ تازے پھلوں کا زمانہ ختم ہو جاتا تو کشمش، بادام، اخروٹ اور انجیر وغیرہ لے جاتا اور ہیرے جواہرات لے آتا۔ ایک دن کا واقعہ ہی کہ وہ دستور کے موافق ٹوکری میں میوے بھر کرلے گیا اور عبداللہ بحری کنارے کے قریب پانی میں بیٹھ گیا، عبداللہ برّی پانی کے قریب کنارے پر اور دونوں باتیں چیتیں کرنے لگے یہاں تک کہ قبروں کا ذِکر آ گیا بحری نے کہا بھائی! لوگ کہتے ہیں کہ نبیؐ تمھارے ہاں خشکی پر مدفون ہیں، تجھے معلوم ہی کہ ان کی قبر کہاں ہی؟ اس نے کہا ہاں۔ بحری نے کہا کس جگہ؟ وہ بولا ایک شہر ہیں جس کا نام طیّبہ ہی۔ بحری نے پوچھا کیا خشکی والے اس کی زیارت کرنے جاتے ہیں؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ بحری بولا ای خشکی والو! تم لوگ کیسے خوش قسمت ہو کہ تمھیں اُس نبی کی زیارت نصیب ہی جس کی زیارت سے شفاعت واجب آتی ہی۔ بھائی! کیا تو نے بھی ان کی زیارت کی ہی۔ اس نے کہا نہیں، اب تک تو میں بالکل غریب تھا راہ خرچ سے

نادار۔ لیکن جب سے تیری ملاقات ہوئی ہے میں امیر ہو گیا ہوں اور اب میرے اوپر فرض ہے کہ بیت اللہ کے حج کے بعد نبیؐ کی زیارت کو جاؤں۔ تیری محبت مجھے اب تک روکے رہی کیوں کہ تیری جُدائی مجھے ایک دن کے لیے بھی گوارا نہیں۔ بحری بولا کیا تو میری محبت کو محمدؐ کی قبر کی زیارت پر ترجیح دیتا ہے جو قیامت کے دن تیری شفاعت کریں گے اور دوزخ سے چھٹکارا کر جنّت میں لے جائیں گے؟ اس نے جواب دیا نہیں لیکن میں تجھ سے اجازت چاہتا ہوں کہ اس سال جا کر ان کی زیارت کروں۔ بحری بولا میں تجھے اجازت دیتا ہوں۔

جب تو نبیؐ کی قبر پر پہنچیو تو میرا اسلام کہیو اور میرے پاس ان کے لیے ایک تحفہ ہے تو میرے ساتھ پانی کے اندر چل، میں تجھے اپنے شہر میں لے جا کر اپنے گھر لے چلوں گا تیری دعوت کروں گا اور وہ ہدیہ تیرے حوالے کروں گا تو اسے نبیؐ کی قبر پر رکھیو میرا اسلام کہیو اور کہیو یا رسول اللہؐ عبداللہ بحری نے تجھے یہ ہدیہ بھیجا ہے اور تجھ سے شفاعت کا خواستگار ہے کہ وہ دوزخ میں نہ بھیجا جائے۔ عبداللہ برّی نے کہا بھائی! تو پانی میں پیدا ہوا ہے اور وہیں رہتا ہے اس لیے پانی تجھے نقصان نہیں پہنچاتا لیکن جب تو نکل کر خشکی پر آتا ہو گا تو کیا تجھے تکلیف نہ ہوتی ہو گی؟ اس نے کہا ہاں اگر زیادہ دیر ٹھیروں تو میرا بدن سوکھ جائے گا اور پھر جب اس پر خشکی کی ہوائیں چلیں گی تو میں مر جاؤں گا۔ برّی بولا اسی طرح میں بھی خشکی پر پیدا ہوا ہوں اور یہیں رہتا بستا ہوں، اگر میں سمندر کے اندر گیا تو پانی میرے پیٹ میں بھر جائے گا میرا دم گھُٹ جائے گا اور میں مر جاؤں گا۔ بحری بولا ڈر نہیں، میں ایک چربی لا دوں گا جسے اگر

تو جسم پر مل لے گا تو پانی تجھے نقصان نہیں پہنچائے گا خواہ تو عمر بھر سمندر میں پھرتا، سوتا اور اٹھتا بیٹھتا رہے۔ برّی نے کہا اگر ایسا ہو تو چربی لا تاکہ میں اس کا تجربہ کروں۔ بحری نے کہا بہت خوب اور ٹوکری لے کر سمندر میں چلا گیا تھوڑی دیر کے بعد ایک قسم کی چربی لے کر لوٹا جو گائے کی چربی کی طرح تھی، اس کا رنگ زرد تھا اور خوش بودار تھی۔

عبداللہ برّی نے کہا بھائی! یہ کیا ہو؟ اس نے جواب دیا یہ ایک قسم کی مچھلی کی کلیجی کی چربی ہو جسے دندان کہتے ہیں۔ یہ مچھلی تمام مچھلیوں سے بڑی ہوتی ہو اور ہم لوگوں کی سخت ترین دشمن ہو۔ اتنا بڑا جانور خشکی پر کوئی نہیں، اگر وہ ہاتھی یا اونٹ کو دیکھے تو اسے نگل جائے۔ برّی نے کہا بھائی ایکم بخت کھاتی کیا ہو؟ اس نے جواب دیا دریائی جانور۔ کیا تو نے یہ مثل نہیں سُنی ہو کہ قوی ضعیف کو کھا جاتا ہو جیسے دریائی مچھلیاں۔ برّی بولا سچ ہو لیکن کیا سمندر میں دندان مچھلیاں بہت ہوتی ہیں؟ اس نے جواب دیا انھیں سوا خدا کے اور کوئی گن نہیں سکتا۔ عبداللہ برّی نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ اگر کہیں مجھ سے اس مچھلی کی مڈ بھیڑ ہو گئی تو وہ مجھے کھا جائے گی۔ عبداللہ بحری نے کہا ڈر نہیں جب وہ دیکھے گی کہ تو آدم زاد ہو تو ڈر کر بھاگ جائے گی۔ وہ جتنا آدم زاد سے ڈرتی ہو سمندر میں کسی سے نہیں ڈرتی کیوں کہ اگر اس نے کسی آدم زاد کو کھا لیا تو فوراً مر جائے گی۔ ہم اس کی چربی اسی طرح محض انسانوں کے ذریعے جمع کرتے ہیں، جب کبھی وہ سمندر میں گر کر ڈوب جاتا ہو تو اس کی شکل صورت بدل جاتی ہو گوشت پھٹ جاتا ہو دنداں اُسے دریائی جانور سمجھ کر کھا لیتی ہو اور مر جاتی ہو، پھر ہم اس کی کلیجی کی چربی اُتار لیتے ہیں اُسے

اپنے بدن پر ملتے ہیں اور سمندر میں چلتے پھرتے ہیں۔ اگر کسی جگہ سو دو سو بلکہ ہزار یا اس سے بھی زیادہ اس قسم کی مچھلیاں ہوں اور صرف آدم زاد کی آواز سن لیں تو سب کی سب مر جائیں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی۔۔۔۔۔۔

نوسو پینتالیسویں رات

نوسو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! آدم زاد کی آواز سن کر وہ اسی جگہ مر کر رہ جاتی ہیں۔ عبداللہ بری نے کہا "میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں" کہ کر اپنے کپڑے اتار سمندر کے کنارے ایک گڑھا کھود کر اس میں گاڑ دیے سر سے پاؤں تک چربی مل لی اور پانی میں غوطہ مار کر آنکھیں کھول دیں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا وہ ادھر اُدھر چلنے پھرنے لگا، کبھی پانی کے اوپر آ جاتا کبھی تہ میں پہنچ جاتا۔ عبداللہ بحری نے پوچھا بھائی! تجھے کیا دکھائی دیتا ہے؟ اس نے جواب دیا بھائی! تو نے سچ کہا تھا کہ پانی سے مجھے بالکل نقصان نہیں پہنچے گا۔ بحری بولا میرے پیچھے پیچھے چلا آ۔ دائیں بائیں اور آگے پیچھے پانی کے پہاڑ ہی پہاڑ دکھائی دیتے تھے۔ بری ان کی سیر اور مچھلیوں کا تماشا دیکھتا جاتا تھا کہ وہ پانی میں کس طرح کھیل رہی ہیں، بعض بڑی ہیں بعض چھوٹی، بعض بھینسوں کی طرح، بعض گایوں کی طرح، بعض کتوں کی طرح، بعض آدمیوں کی طرح جن کے پاس یہ دونوں پہنچتے وہ بھاگ جاتیں۔ بری نے کہا بھائی! یہ کیا بات ہے کہ جب ہم ان کے پاس پہنچتے ہیں تو وہ بھاگ جاتی ہیں؟ اس نے جواب دیا تیرے

ڈر کے مارے کیوں کہ ساری مخلوقات آدم زاد سے ڈرتی ہو ۔

عبداللہ بڑی سمندر کے عجائبات کی برابر سیر کرتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک بہت بلند پہاڑ کے پاس پہنچے اور عبداللہ بڑی اس کے دامن میں چل ہی رہا تھا کہ اسے ایک بڑے زور کی آواز سُنائی دی اور دیکھا کہ کوئی کالی سی چیز پہاڑ پر سے اس کے اوپر چلی آرہی ہو اونٹ یا اس سے بھی بڑی اور شور مچارہی ہو۔ بڑی نے کہا بھائی! یہ کیا ہو؟ بحری بولا یہی دنداں ہو اور وہ مجھے دیکھ کر اُتری ہو کہ کھا جائے۔ بھائی! زور سے چیخ ورنہ وہ میرے پاس پہنچ کر مجھے کھا جائے گی۔ عبداللہ بڑی چیخا اور وہ مرکر گر پڑی۔ بڑی کہنے لگا پاک ہو خدا اور شکر بجالاتا ہوں میں اس کا کہ نہ میں نے اس پر تلوار چلائی نہ چھری اور اتنے بڑے ڈیل ڈول والا جانور محض میری چیخ کی تاب نہ لا سکا اور مر گیا۔ عبداللہ بحری نے کہا بھائی! تعجب نہ کر، اگر ایسی ایسی ہزار دو ہزار بھی ہوتیں تو آدم زاد کی ایک چیخ کی تاب نہ لا سکتیں۔ اس کے بعد وہ ایک شہر میں پہنچے جہاں لڑکیاں ہی لڑکیاں رہتی تھیں ان میں کوئی مرد نہ تھا بڑی نے پوچھا بھائی! یہ کیا شہر ہو اور یہ لڑکیاں کون ہیں؟ اس نے جواب دیا اس کا نام مدینۃ البنات ہو دریائی لڑکیاں یہاں رہتی ہیں۔ بڑی نے پوچھا کیا ان میں مرد بھی ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ بڑی نے کہا بغیر مردوں کے وہ کس طرح حاملہ ہوتی اور بچے جنتی ہیں؟ اس نے جواب دیا سمندر کا بادشاہ انھیں جلاوطن کرکے یہاں بھیج دیتا ہو اور وہ نہ حاملہ ہوتی ہیں نہ بچے جنتی ہیں۔ جب کسی دریائی لڑکی پر بادشاہ خفا ہوتا ہو اُسے وہ اس شہر میں بھیج دیتا ہو، یہاں سے وہ نکل نہیں سکتیں اور اگر کوئی نکل کر چلی جاتی ہو تو جو

دریائی جانور اسے دیکھ لیتا ہے کھا جاتا ہے۔ باقی شہروں میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ بری بولا تمھارا کوئی بادشاہ بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ بری بولا بولا تمھارے ہاں سمندر میں بڑی بڑی عجیب چیزیں ہیں۔ اس نے جواب دیا تو نے یہ مثل نہیں سنی کہ سمندر کے عجائبات خشکی کے عجائبات سے زیادہ ہیں۔ بری بولا تو سچ کہتا ہے۔

اب بری ان لڑکیوں کا تماشا دیکھنے لگا اس نے دیکھا کہ ان کے چہرے چاند کے سے ہیں اور بال عورتوں کے سے لیکن ان کے ہاتھ پاؤں پیٹ میں لگے ہوئے ہیں اور مچھلیوں کی طرح ان کی دمیں ہیں۔ وہاں سے نکل کر وہ دوسرے شہر میں پہنچے دیکھا کہ وہ مردوں اور عورتوں سے پر ہے، سب کے چہرے عورتوں کے سے ہیں اور ان کی دمیں ہیں لیکن خشکی کی طرح ان کے ہاں خرید و فروخت نہیں، وہ کپڑے نہیں پہنتے سب ننگے ہیں شرم گاہیں تک کھلی ہوئی۔ یہ دیکھ کر بری بولا بھائی! یہاں تو مردوں اور عورتوں سب کی شرم گاہیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس نے جواب دیا سمندر کے باشندوں کے پاس کپڑے کہاں سے آئے! بری نے پوچھا یہاں شادی بیاہ کس طرح ہوتا ہے؟ اس نے کہا یہ شادی بیاہ نہیں کرتے بلکہ جب کسی مرد کو کوئی لڑکی پسند آتی ہے تو وہ اس سے اپنی حاجت پوری کر لیتا ہے۔ بری بولا یہ تو حرام ہے اور خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف۔ اس نے کہا ہم سب ایک دین کے پیرو نہیں، ہم میں مسلمان موحدین بھی ہیں عیسائی اور یہودی وغیرہ بھی۔ شادی بیاہ جو خصوصاً مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے۔ بری نے کہا کہ تمھارے ہاں خرید و فروخت نہیں ہوتی، پھر اپنی عورتوں کا مہر کیوں کر ادا کرتے ہو؟ کیا تم انھیں ہیرے جواہرات

دیتے ہو؟ اس نے جواب دیا یہاں جواہرات تو کنکر پتھر کی طرح ہیں، ہمارے ہاں ان کی کوئی قیمت نہیں۔ اگر کوئی مرد شادی کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ ایک مقررہ تعداد مثلاً ہزار دو ہزار یا کم و بیش مچھلیاں شکار کر کے لائے اور جب وہ لے آتا ہے تو دولھا اور دلھن والے اکٹھا ہو کر ولیمہ کھاتے ہیں اور اسے اس کی بیوی سے ہم بستر کرا دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ مچھلیاں پکڑ پکڑ کر بیوی کو کھلاتا ہے اور اگر وہ اس کے قابل نہیں تو بیوی مچھلیاں پکڑ پکڑ کر اسے کھلاتی ہے۔

عبداللہ برّی نے کہا اگر کوئی مرد کسی عورت سے زنا کرے تو کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا اگر یہ ثابت ہو جائے تو عورت کو شہر بدر کر دیتے ہیں لیکن اگر وہ حاملہ ہو جائے تو بچہ جننے تک اسے رہنے دیتے ہیں۔ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسے ماں کے ساتھ شہر بدر کر دیتے ہیں اس کو زانیہ کی بیٹی زانیہ کہہ کر پکارتے ہیں اور مرتے دم تک وہ کنواری رہتی ہے۔ اور اگر لڑکا پیدا ہو تو لوگ اُسے بادشاہ کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ اسے قتل کر دیتا ہے۔ اس پر عبداللہ برّی کو بڑا اچنبھا ہوا پھر وہ وہاں سے چل دیے اور تقریباً دوسرے اسّی شہروں کی سیر کی دیکھا کہ ایک شہر کے باشندے دوسرے شہر کے باشندوں سے مشابہت نہیں رکھتے۔ اب اس نے کہا بھائی! کیا سمندر میں اور شہر باقی رہ گئے ہیں؟ بحری نے جواب دیا ابھی تو نے سمندر کے شہروں اور ان کے عجائبات کو دیکھا ہی کیا ہے، قسم ہے بزرگ اور مہربان نبی کی اگر میں ایک ہزار سال تک تجھے سیر کراتا رہوں تو ہر روز ایک ہزار شہر دیکھتا رہے اور میں تجھے ہر شہر میں ایک ہزار عجائبات دکھاتا رہوں تو پھر بھی تو چوبیس قیراطوں میں سے

ایک قیراط نہ دیکھ سکے گا۔ ابھی تک تو میں نے تجھے اپنے ہی شہر اور اپنا ہی مُلک دکھایا ہے۔ برّی نے کہا بھائی! اگر یہ بات ہے تو جو کچھ میں نے دیکھا اس پر بس کر۔ میں مچھلیاں کھاتے کھاتے تھک گیا ہوں۔ میں اسّی دن سے تیرے ساتھ ہوں اور تو صبح شام سوا کچی مچھلیوں کے کچھ نہیں کھلاتا، نہ تل کر نہ پکا کر۔

عبداللہ بحری نے کہا تلنا اور پکانا کیا ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہم مچھلیوں کو آگ پر تلتے اور پکاتے ہیں۔ بحری بولا، ہم آگ کہاں سے لائیں! اس لیے نہ ہم تلنا جانتے ہیں نہ پکانا۔ برّی بولا ہم انھیں زیتون اور تل کے تیل میں تلتے ہیں۔ بحری نے کہا ہمارے پاس زیتون اور تل کا تیل کہاں سے آیا، ہم وہ تمام چیزیں نہیں جانتے جن کا تو نے ذکر کیا ہے۔ برّی بولا تو سچ کہتا ہے لیکن بھائی! تو نے بہتیرے شہر دکھا ڈالے اور اپنا شہر نہ دکھایا۔ اس نے کہا ہم اپنے شہر سے بہت دور آ گئے ہیں وہ اس خشکی کے قریب ہے جہاں سے ہم چلے ہیں، میں اسے چھوڑ کر اس لیے آگے بڑھ آیا ہوں کہ تجھے سمندر کے شہروں کی سیر کراؤں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے شہر کی طرف لوٹا اور وہاں پہنچ کر کہا یہ ہے میرا شہر۔ برّی نے کہا کہ وہ تمام شہروں سے چھوٹا ہے اب وہ بحری کے ساتھ شہر کے اندر گیا دونوں چلتے چلتے ایک غار میں پہنچے بحری بولا یہ میرا گھر ہے اور اس شہر کے تمام گھر اسی طرح کے چھوٹے بڑے غار ہیں بلکہ تمام شہروں کی یہی حالت ہے۔ اگر کوئی شخص گھر بنانا چاہتا ہے تو بادشاہ کے پاس جا کر کہتا ہے کہ میں فلاں جگہ اپنا گھر بنانا چاہتا ہوں۔ بادشاہ اس کے ساتھ ایک قسم کی مچھلیاں کر دیتا ہے جنھیں نقّار کہتے ہیں اور مچھلیوں کی ایک مقدار کرایہ مقرر کر دیتا ہے۔ نقّاروں کی چونچیں ایسی ہوتی ہیں کہ

وہ سخت سے سخت پتھر کو بھی توڑ دیتی ہیں، اور اس پہاڑ میں جاکر جہاں وہ شخص گھر بنانا چاہتا ہے پہاڑ کھود کر گھر بنا دیتی ہیں جب تک غار بن کر تیار نہیں ہو جاتا گھر بنانے والا ان کے لیے مچھلیاں پکڑ کر لاتا اور انھیں کھلاتا ہے۔ اس کے بعد وہ واپس چلی جاتی ہیں اور گھر والا اس غار میں رہنے لگتا ہے۔

تمام سمندر والوں کا یہی حال ہے، مچھلیوں ہی سے وہ لین دین ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں اور وہ خود بھی مچھلیاں ہی ہیں۔ غار کے اندر گئے تو عبداللہ بحری نے اپنی بیٹی کو آواز دی وہ آئی تو بری نے دیکھا اس کا چہرہ چاند کی طرح گول، بال لمبے لمبے، کولھے بھاری، آنکھیں سرمئی اور کمر پتلی ہے لیکن ننگی ہے اور اس کے دُم ہے۔ جوں ہی اس کی نظر عبداللہ بری پر پڑی اپنے باپ سے کہنے لگی ابّا! یہ کون دُم کٹا ہے جسے تو اپنے ساتھ لے آیا؟ باپ بولا بیٹی! یہ وہی میرا خشکی والا دوست ہے جس کے پاس سے میں تیرے لیے خشکی کے میوے لایا کرتا ہوں، آگے بڑھ کر اسے سلام کر۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں سلام کیا۔ باپ نے کہا ہمارے مہمان کے لیے کھانا لا وہ اپنے قدموں سے ہمارے ہاں برکت لایا ہے۔ لڑکی جاکر دو مچھلیاں لے آئی جن میں سے ہر ایک بکری کے بچے کے برابر تھی اور بری نے انھیں زبردستی نگلا کیوں کہ وہ مچھلیاں کھاتے کھاتے تنگ آگیا تھا اور ان کے پاس سوا مچھلیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد عبداللہ بحری کی بیوی آئی، وہ خوب صورت تھی اس کے ساتھ دو لڑکے تھے۔ جن کے ہاتھ میں ایک ایک مچھلی تھی اور وہ ان پر اس طرح منھ مار رہے تھے جیسے کھیروں پر۔ عورت نے عبداللہ بری کو اپنے شوہر کے ساتھ دیکھا تو کہنے لگی یہ دُم کٹا کون ہے؟

دونوں لڑکے ان کی بہن اور ماں عبداللہ بری کی پیٹھ کی طرف دیکھنے اور کہتے خدا کی قسم یہ تو دُم کٹا ہے اور اس پر ہنستے۔ عبداللہ بری نے کہا بھائی! کیا تو مجھے اس لیے لایا ہے کہ تیرے بیوی بچے میرا مذاق اُڑائیں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ......

نوسوچھیالیسویں رات

نوسوچھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! عبداللہ بری نے کہا بھائی! کیا تو مجھے اس لیے لایا ہے کہ تیرے بیوی بچے میرا مذاق اُڑائیں؟ بحری بولا بھائی! معاف کر، ہمارے کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کے دُم نہ ہو، اس لیے اگر کوئی بے دُم والا کہیں سے آجاتا ہے تو بادشاہ اس کا مذاق اُڑانے کے لیے لے جاتا ہے۔ لیکن بھائی! ان بچوں اور عورت کا بُرا نہ مان، ان کی سمجھ کم ہوتی ہے۔ اس کے بعد عبداللہ بحری نے اپنے بیوی بچوں کو ڈانٹ کر کہا چُپ ہو اور وہ مارے ڈر کے چُپ ہو گئے۔ دونوں باتیں کر ہی رہے تھے کہ دس موٹے تازے سنڈ سے جوان آپہنچے اور کہنے لگے عبداللہ! بادشاہ کو خبر ملی ہے کہ تیرے ہاں خشکی کے دُم کٹوں میں سے ایک دُم کٹا ہے۔ اس نے کہا ہاں اور وہ یہی میرا دوست میرا مہمان ہے اور اب میں اسے خشکی پر واپس کھینچنے والا ہوں۔ انھوں نے کہا ہم بغیر اُسے لیے واپس نہیں جا سکتے، اگر تجھے کچھ کہنا ہے تو اسے لے کر خود بادشاہ کے پاس چل اور جو کچھ کہنا چاہتا ہے بادشاہ سے کہہ۔ عبداللہ بحری نے عبداللہ بری سے کہا بھائی! ہم بادشاہ کی مخالفت نہیں کر سکتے

بادشاہ کے پاس چل خدا نے چاہا تو ہم جلد لوٹ آئیں گے ڈر نہیں وہ تجھے دیکھتے ہی سمجھ جائے گا کہ تو خشکی والوں میں سے ہے، تیری عزت کرے گا اور خشکی پر لوٹا دے گا۔ عبداللہ برّی بولا جیسی تیری مرضی، میں خدا پر بھروسا کرکے تیرے ساتھ چلتا ہوں۔

بحری اُسے لے کر بادشاہ کے پاس گیا بادشاہ اس کو دیکھ کر ہنسنے لگا اور کہا دُم کٹے، مرحبا! اس کے آس پاس جتنے لوگ تھے سب اس پر ہنستے اور کہتے خُدا کی قسم یہ دُم کٹا ہے۔ عبداللہ بحری نے آگے بڑھ کر بادشاہ سے برّی کا سارا ماجرا بیان کیا اور کہا یہ خشکی والا اور میرا دوست ہے مگر ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتا کیوں کہ وہ مچھلیاں صرف تل کر یا پکا کر کھا سکتا ہے اس لیے تو مجھے اجازت دے کہ میں اسے خشکی پر پہنچا دوں۔ بادشاہ نے کہا اگر یہ بات ہے اور وہ ہمارے ہاں نہیں رہ سکتا تو میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ اس کی دعوت کرنے کے بعد اُسے اس کے گھر واپس کر آ۔ اس کے لیے طرح طرح کی مچھلیاں لائی گئیں اور اس نے محض بادشاہ کے حکم کی وجہ سے انھیں کھایا۔ اس کے بعد بادشاہ نے کہا مانگ کیا مانگتا ہے۔ عبداللہ برّی نے کہا میں جواہرات مانگتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اسے جواہرات کے خزانے میں لے جاؤ اور وہ جس قدر چاہتا ہے وہاں سے چُن لے۔ عبداللہ بحری اسے ایک شہر میں لے گیا اور ایک تھیلی دے کر کہا یہی وہ ہدیہ ہے جسے نبی کی قبر پر پہنچانا ہے۔ اس نے تھیلی لے لی لیکن اسے یہ نہ معلوم ہوا کہ اس میں کیا ہے۔ اب وہ خشکی کی طرف چل دیے انھوں نے راہ میں دیکھا کہ گانا ہو رہا ہے اور جشن منایا جا رہا ہے دستر خوان پر مچھلیاں لگی ہوئی ہیں لوگ کھاتے اور گاتے جاتے ہیں اور مگن ہیں۔ عبداللہ برّی نے عبداللہ بحری سے پوچھا یہ لوگ کیا خوشی منا

رہتے ہیں؟ کیا کوئی شادی بیاہ ہو؟ بحری نے جواب دیا شادی بیاہ تو نہیں بلکہ کوئی مر گیا ہے۔ برّی بولا جب کوئی تمھارے ہاں کوئی مر جاتا ہے تو تم کیا خوشی مناتے گاتے اور عورتیں کھیلتے ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں، اور تم خشکی والے کیا کرتے ہو؟ برّی نے کہا ہم اپنے مُردے پر افسوس کرتے روتے، عورتیں اپنا منھ پیٹتی اور گریبان چاک کرتی ہیں۔

یہ سُن کر عبداللہ بحری، عبداللہ برّی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا اور کہا میری امانت لا، اس نے امانت دے دی اور بحری نے اسے خشکی پر اُتار کر کہا اب ہماری صحبت اور محبت کا خاتمہ ہو گیا، آج کے بعد نہ تو مجھے دیکھے گا نہ میں تجھے۔ برّی نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا کیا تم خشکی والے بھی خدا کی امانت نہیں ہو؟ برّی بولا کیوں نہیں! اس نے کہا پھر تم پر یہ کیوں گراں گزرتا ہے کہ خدا اپنی امانت لے لے اور تم اس پر کیوں روتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو میں نبیؐ کی امانت تجھے کیوں کر سپرد کر سکتا ہوں۔ جب تمھارے ہاں بچّہ پیدا ہوتا ہے تو تم خوش ہوتے ہو حالاں کہ خدا اس میں رُوح کو بہ طور امانت کے رکھتا ہے۔ پھر جب وہ رُوح کو لے لیتا ہے تو کیوں روتے اور افسوس کرتے ہو؟ ہمیں تم لوگوں کی دوستی کی بالکل حاجت نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اُسے چھوڑ دیا اور سمندر میں چلا گیا۔ اب عبداللہ برّی اپنے کپڑے پہن اور جواہرات لے بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ اُسے دیکھ کر خوش ہو گیا بڑے تپاک سے ملا اور کہنے لگا داماد! خیریت تو ہے، تو اتنی مدّت تک کہاں غائب رہا؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا سمندر کے عجائبات بیان کیے اور جو کچھ عبداللہ بحری نے اس سے کہا تھا بادشاہ سے دہرایا۔ بادشاہ نے کہا تو نے غلطی کی اس سے یہ کہا۔ اس

کے بعد وہ مدت تک سمندر کے کنارے جایا اور عبداللہ بحری کو پکارا کیا لیکن نہ وہ آیا نہ اس نے جواب دیا۔ عبداللہ برّی اس سے بالکل نا امید ہو گیا اپنے خسر بادشاہ اور دونوں خاندانوں کے ساتھ عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگا یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی، پاک ہے وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں! بادشاہت اسی کے ہاتھ میں ہے وہ ہر چیز پر قادر اور اپنے بندوں کے ہر حال سے واقف ہے۔

ہارون الرشید اور ابوالحسن عمّانی کی کہانی

ایک رات ہارون الرشید کو بالکل نیند نہ آتی تھی، اس نے مسرور کو بلا کر کہا فوراً جعفر کو بُلا لا۔ جعفر حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا آج رات مجھے نیند نہیں آتی نہ معلوم کیوں۔ اس نے کہا امیر المومنین! دانش مندوں کا قول ہے کہ آئینہ دیکھنے، حمّام جانے اور گانا سُننے سے غم غلط ہوتا ہے۔ خلیفہ بولا میں ان سب باتوں کا امتحان کر چکا ہوں ان سے ذرا بھی فائدہ نہیں ہوا، قسم ہے میرے پاک آبا و اجداد کی اگر تو نے اس کے دُور کرنے کی کوئی تدبیر نہ کی تو میں تیری گردن اُڑا دوں گا۔ جعفر نے کہا جو کچھ میں تجھ سے کہوں کرے گا؟ اس نے پُوچھا کیا؟ جعفر بولا دجلے پر ایک بجرے میں بیٹھ کر ایک جگہ چلیں جس کا نام قرن الصراط ہے۔ ممکن ہے کہ ہم وہاں ایسی باتیں سُنیں جو کبھی نہ سُنی ہوں یا ایسی چیزیں دیکھیں جو کبھی نہ دیکھی ہوں۔ مثل ہے کہ تین چیزوں سے غم غلط ہوتا ہے: ایسی چیز دیکھنے سے جو کبھی نہ دیکھی ہو یا ایسی چیز سننے سے جو کبھی نہ سُنی

ہو یا ایسے ملک میں جانے سے جہاں کبھی نہ گیا ہو۔ شاید اس سے تیری پریشانی دور ہو جائے۔ رشید اُٹھ کھڑا ہوا جعفر اس کے بھائی فضل، اسحاق ندیم، ابو نواس، ابو دلف اور مسرور جلاد کو لے کر اور شہرزاد کو صبح ہوتی......

نو سو سینتالیسویں رات

نو سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! خلیفہ اُٹھ کھڑا ہوا، جعفر اور باقی لوگوں کو ساتھ لے کر توشہ خانے میں گیا اور سب کے سب تاجروں کا بھیس بدل کر دجلے پر پہنچے اور ایک بجرے میں بیٹھ کر جس پر سونے کا کام تھا چل دیے جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں وہ جانے والے تھے تو ان کے کان میں ایک لڑکی کی آواز آئی جو ستار پر گا رہی تھی۔ اس کی آواز سُن کر خلیفہ نے جعفر سے کہا کیسی پیاری آواز ہے! جعفر بولا اس سے زیادہ پیاری آواز آج تک میرے کان میں نہیں پڑی لیکن ای میرے آقا! دیوار کے اوٹ کا گانا آدھا گانا ہے! کاش ہم پردے کے پیچھے سے سُنتے! خلیفہ نے کہا ای جعفر! چل ہم اس مکان والے کے مہمان بن جائیں، ممکن ہے کہ اس گانے والی کو آنکھ سے دیکھ لیں۔ وہ بجرے پر سے اُتر پڑے اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ ایک خوش رو اور شیریں زبان نوجوان اندر سے نکلا اور کہا ای بزرگ مہربانو! اہلاً و سہلاً، اندر تشریف لاؤ اور وہ انھیں ساتھ لے کر اندر گیا۔ انھوں نے دیکھا کہ مکان میں چاروں طرف کمرے ہیں چھت سنہری ہے دیواروں پر لاجورد کے نقش و نگار ہیں اور ایک بارہ دری ہے جس پر خوب صورت

پر لوٹ پڑا ہوا ہے اس سے لگی ہوئی نو لڑکیاں بیٹھی ہیں جو چاندی سی حسین ہیں۔ گھر والے نے انھیں آواز دی وہ اپنے اپنے تخت پر اُتر کر آگئیں۔ اب اس نے جعفر کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے میرے آقا، مجھے معلوم نہیں کہ تم بزرگوں میں سے کون سب سے بڑا ہے۔ بسم اللہ! جو تم لوگوں میں سے سب سے بڑا ہو صدر میں بیٹھے اور اپنے بھائیوں کو درجہ بہ درجہ بٹھائے۔ ہر شخص اپنے اپنے مرتبے کے مطابق بیٹھ گیا اور سروران کے آگے خدمت کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد مکان والے نے کہا اے مہمانو! اگر اجازت ہو تو تم لوگوں کے لیے کچھ کھانا حاضر کروں؟ انھوں نے کہا بہت خوب! اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ کھانا لائیں۔ چار کنیزیں کمر باندھ کر دستر خوان لائیں جن پر طرح طرح کے کھانے اور حاشیے پر موقع کے مناسب اشعار لکھے ہوئے تھے۔ جب وہ کھانا کھا کر ہاتھ دھو چکے تو جوان نے کہا اے میرے آقا! اگر کوئی اور خواہش ہو تو کہو تاکہ میں اسے پورا کر کے شرف حاصل کروں۔ انھوں نے کہا ہم محض اس آواز کو سن کر آئے ہیں جو تیرے گھر کے اندر سے آئی تھی ہم چاہتے ہیں کہ اُسے سنیں اور اس آواز والی کو دیکھیں۔ اگر تو ہم پر یہ مہربانی کرے تو تیری بڑی عنایت ہوگی، پھر ہم جہاں سے آئے ہیں چلے جائیں گے۔ جوان نے کہا سر آنکھوں سے اور ایک حبشی کنیز کی طرف مخاطب ہو کر کہا اپنی فلاں آقا کو بلا لا۔ کنیز نے پہلے ایک کرسی لا کر رکھی پھر جا کر ایک لڑکی کو لے آئی جو چودھویں رات کے چاند کی طرح تھی۔ جب وہ کرسی پر بیٹھ گئی تو حبشی کنیز نے اسے اطلس کا ایک تھیلا دیا اس نے اس میں سے ایک ستار نکالا جس میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے اور اس کی کھونٹیاں سونے کی تھیں ۲ اور شہرزاد کو صبح ہوتی - - - -

نوسواڑتالیسویں رات

نوسواڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! لڑکی نے ستارے کراس کے تار کسے اسے اپنے سینے سے لگا کراس پر اس طرح جھکی جیسے ماں اپنے بچے پر اور گانے بجانے لگی، گانے سے فارغ ہوکر اتنا روئی اور تمام گھر والے بھی اس کے ساتھ اتنا روئے پیٹے کہ قریب تھا کہ سب کے سب مرجائیں۔ رشید نے کہا اس لڑکی کے گانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فراق زدہ عاشق ہے۔ اس کے آقا نے کہا اس کے ماں باپ مرگئے ہیں۔ رشید بولا یہ رونا پیٹنا اس شخص کا نہیں ہے جس کے ماں باپ مرگئے ہوں بلکہ اس کا جو اپنے محبوب سے جدا ہوگیا ہو، اور اسحاق کی طرف مخاطب ہوکر کہا واللہ اس جیسا میری نظر سے نہیں گزرا۔ رشید برابر مکان کے مالک کی طرف دیکھتا اور اس کے حسن وجمال پر غور کرتا جاتا تھا اس نے دیکھا کہ اس کا چہرہ زرد ہے اور اس کی طرف مخاطب ہوکر کہا اے جوان! تو جانتا ہے کہ ہم کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ جعفر بولا میں تیرا تعارف کرائے دیتا ہوں، یہ تو امیرالمومنین اور رسول اللہؐ کا چچیرا بھائی ہے یہ فلاں اور یہ فلاں۔ امیرالمومنین نے کہا یہ تو بتا کہ تیرا چہرہ زرد کیوں ہے؟ آیا یہ پیدائشی ہے یا بعد میں ایسا ہوگیا ہے؟ اس نے کہا اے امیرالمومنین! میرا قصہ ایسا عجیب وغریب ہے کہ اگر سوئی سے آنکھ کے کویوں پر لکھا جائے تو لوگ اس سے عبرت پکڑیں گے۔ خلیفہ بولا ہمیں سنا، ممکن ہے کہ میرے ہاتھ سے تجھے شفا پہنچے، تو نے مجھے اس کے سننے کا مشتاق بنا دیا ہے۔

جوان نے کہنا شروع کیا کہ میں بحری تاجر ہوں اور عمان کا رہنے والا۔

میرا باپ بھی بڑا مال دار تاجر تھا اس کے تیس جہاز سمندر میں چلتے تھے جن کی آمدنی تیس ہزار دینار سالانہ تھی۔ اس نے مجھے لکھنا پڑھنا اور تمام ضروری باتیں سکھائیں۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس نے مجھے دستور کے موافق وصیت کی، اس کے بعد خدا نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ خدا امیرالمومنین کو سلامت رکھے! ایک دن کا واقعہ ہے کہ جب میں بعض تاجروں کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا تھا میرے ایک غلام نے آکر کہا دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے جو تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے بلا لیا۔ وہ اندر آیا تو اس کے سر پر ایک ڈھکا ہوا خوان تھا۔ میرے سامنے رکھ کر اس نے کھولا تو اس کے اندر بے فصل کے پھل تھے بعض خشک نمکین اور بعض تازے جو ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوتے تھے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اسے ایک سو دینار دیے وہ شکر بجالایا اور چلا گیا۔ انھیں میں نے اپنے دوستوں میں تقسیم کر دیا جو اس وقت وہاں موجود تھے اور ان سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں کے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا بصرے کے، اور اس کی بڑی تعریف کی۔ بصرے کی تعریف کرتے کرتے وہ بغداد کی تعریف کرنے لگے اور سب نے متفقہ یہ بیان کیا کہ بغداد سے اچھا دنیا میں کوئی شہر نہیں۔ یہ سن کر میں بغداد کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا اپنی تمام جایدادیں اور املاک فروخت کر دی ایک لاکھ دینار میں جہاز بیچ ڈالے اسی طرح غلام اور باندیاں بھی اور دس لاکھ دینار جمع کیے۔ ان کے علاوہ بہت سے ہیرے جواہرات تھے۔ اب میں نے ایک جہاز کرایے پر لیا اس میں اپنا سارا مال متاع بھر کر بصرے پہنچا وہاں کچھ دن ٹھیرنے کے بعد ایک دوسرا جہاز کرایے پر لیا اور بغداد آیا۔ یہاں آکر میں نے پوچھا کہ تاجر لوگ کہاں رہتے ہیں

اور بہترین رہنے کی جگہ کون سی ہے؟ لوگوں نے بتایا کرخ ہیں۔ کرخ میں آکر درب الزعفران میں ایک مکان کرایے پر لیا اور رہنے لگا۔ ایک روز جیب میں کچھ دام رکھ کر میں سیر کرنے نکلا۔ یہ جمعے کا دن تھا۔ پہلے تو میں ایک جامع مسجد گیا جس کا نام جامع منصور ہے جہاں جمعے کی نماز ہوا کرتی ہے نماز پڑھ کر میں لوگوں کے ساتھ ایک جگہ گیا جس کا نام قرن الصراط ہے۔ وہاں میں نے ایک بلند اور خوب صورت مکان دیکھا جس کی کھڑکی دریا کی طرف کھلتی تھی اور اس میں جھروکا تھا۔ جب میں لوگوں کے ساتھ اندر گیا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص عمدہ کپڑے پہنے بیٹھا ہوا ہے جن سے عطر کی خوش بو آ رہی ہے، اس کی داڑھی لمبی اور سینے پر آکر دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ اس کے آس پاس چار کنیزیں اور پانچ غلام ہیں۔ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا اس بوڑھے کا کیا نام اور کیا پیشہ ہے؟ اس نے جواب دیا یہ طاہر بن علا ہے اور یہ اس کی لڑکیاں ہیں۔ جو کوئی یہاں آتا ہے کھاتا پیتا ہے اور خوب صورت لڑکیوں کو دیکھتا ہے۔ میں نے کہا واللہ ایک مدّت سے میں اسی کی تلاش میں تھا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔ . . . .

نو سو انچاسویں رات

نو سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جوان نے کہا واللہ میں ایک مدّت سے اسی کی تلاش میں تھا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا اے امیر المومنین! میں نے آگے بڑھ کر اُسے سلام کیا اور کہا اے میرے آقا! مجھے تجھ سے کچھ ضرورت ہے۔ اس نے پوچھا کیا ضرورت ہے؟

میں نے کہا میں آج رات تیرا مہمان ہونا چاہتا ہوں۔ وہ بولا سر آنکھوں پر۔
اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ بیٹا! میرے پاس بہت سی لڑکیاں ہیں، بعض
دس دینار رات والی بعض بیس دینار رات والی بعض اس سے بھی زیادہ۔
ان میں سے جنھیں تیرا جی چاہے پسند کرلے۔ میں نے کہا دس دینار رات
والی اور ایک مہینے کے تین سو دینار تول کر اُسے دے دیے۔ اس نے
مجھے ایک غلام کے ساتھ کر دیا جو مجھے لے کر اسی محل کے ایک حمام میں گیا
اور اچھی طرح میری خدمت کی۔ پھر وہ مجھے وہاں سے باہر لایا اور ایک
کمرے کا دروازہ کھڑکھڑایا۔ کمرے سے ایک لڑکی نکلی، غلام نے کہا لے یہ
تیرا مہمان ہے۔ اس نے ایسی خندہ پیشانی سے میرا خیر مقدم کیا کہ میں مر مر گیا۔
میں نے دیکھا کہ یہ لڑکی چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اس کی خدمت
میں دو اور کنیزیں ہیں جو تاروں کی طرح ہیں۔ اب اس نے مجھے بٹھایا خود
میرے پہلو میں بیٹھ گئی اور کنیزوں سے کہا کہ دسترخوان لگاؤ۔ جب دسترخوان
لگایا گیا تو اس پر طرح طرح کے کھانے تھے ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا،
ایسا لذیذ کھانا میں نے عمر بھر نہ کھایا تھا۔ جب ہم کھا چکے تو دسترخوان
بڑھایا گیا، شراب، عطر، حلوے اور میوے لائے گئے۔ اس طرح سے
میں ایک مہینے تک اس کے ساتھ رہا جب مہینہ ختم ہو گیا تو میں حمام
کر کے بوڑھے کے پاس گیا اور کہا اے میرے آقا! اب میں اسے چاہتا ہوں
جو بیس دینار رات والی ہے۔ اس نے کہا تول دینار، میں جا کر دینار لے آیا
چھ سو دینار تول کر اسے دے دیے اور غلام مجھے دوسری لڑکی کے پاس
لے گیا جس کی خدمت میں چار کنیزیں تھیں۔ جب ہم کھا پی چکے تو اس نے
ستار لے کر گانا بجانا شروع کیا۔

اس لڑکی کے ساتھ ایک مہینے تک رہنے کے بعد میں نے بوڑھے کے پاس جاکر کہا اب میں چالیس دینار رات والی چاہتا ہوں اور اسے ایک مہینے کے دام ایک ہزار دو سو دینار تول کر دے دیے اور ایک مہینہ اس کے ساتھ رہا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دن رہا ہوں گا۔ جب میں وہاں سے بوڑھے کے پاس واپس گیا تو شام کے وقت مجھے بڑا شور غل سُنائی دیا۔ میں نے اس کا سبب پوچھا بوڑھے نے کہا ہمارے ہاں آج کی رات سب لوگ سیر و تفریح کرتے ہیں، اگر تیرا جی چاہے تو بھی چھت پر چڑھ کر تماشا دیکھ۔ میں چھت پر چڑھ گیا دیکھا کہ وہاں ایک خوب صورت پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے پیچھے ایک لڑکی بیٹھی ہے جس کا حُسن وجمال اور قد و قامت دیکھ کر انسان دنگ ہو جائے۔ اس کے پہلو میں ایک جوان ہے جو لڑکی کے گلے میں ہاتھ ڈالے اسے بوسے دے رہا ہے اور وہ اسے بوسے دے رہی ہے۔ اے امیرالمومنین اس کا حُسن دیکھ کر میرے ہاتھ سے دل جاتا رہا۔ چھت سے اُتر کر میں نے اس لڑکی سے پوچھا جس کا میں مہمان تھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا تجھے اس سے کیا غرض؟ میں نے کہا واللہ میں اس پر فریفتہ ہو گیا ہوں وہ بولی اگر تو اس سے کوئی غرض رکھتا ہے تو سُن، وہ طاہر بن علا کی بیٹی ہماری آقا ہے اور ہم سب اس کی کنیزیں ہیں۔ اے ابوالحسن! تجھے معلوم ہے کہ ایک دن رات کی اس کی اُجرت کیا ہے؟ پانسو دینار، کتنے امیرزادوں کے دل میں اس کی حسرت ہے! میں نے اپنے دل میں کہا واللہ میں اپنا سارا مال اس لڑکی پر نثار کر دوں گا۔ رات بھر میں اس کی محبت میں تڑپتا رہا صبح ہوئی تو میں حمام گیا اور شاہانہ لباس پہن کر اس کے باپ کے پاس پہنچا اور کہا اے میرے

آقا! اب میں وہ لڑکی چاہتا ہوں جو فی رات پانسو دینار کی ہے، اور میں نے ایک مہینے کے دام پندرہ ہزار دینار تول کر دے دیے۔ اس نے دینار لے کر غلام کو اشارہ کیا کہ اسے فلاں لڑکی کے پاس لے جائے۔ میں اس لڑکی کے پاس پہنچا تو اے امیر المومنین! اس کو دیکھ کر میرے ہوش اُڑ گئے، وہ ایسی تھی جیسے چودھویں رات کا چاند، اور شہرزاد کو صبح ہو تی۔ . . .

نو سو پچاسویں رات

نو سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جوان نے کہا کہ اسے دیکھ کر میرے ہوش اُڑ گئے۔ میں نے اسے سلام کیا، اس نے کہا اہلاً وسہلاً و مرحبا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا میں اُس کے عشق میں اتنا گرفتار ہو گیا کہ جدائی کو یاد کر کے رونے لگا اور وہ پیاری پیاری باتیں کر کے میرا دل بہلانے لگی۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ، چار باکرہ اور اُبھرے ہوئے سینے والی کنیزوں نے کھانا، میوے، عطر اور ایسی ایسی شرابیں ہمارے آگے لا رکھیں جو بادشاہوں کے قابل تھیں۔ اے امیر المومنین! ہم نے کھایا اور پھر شراب سے بیٹھ گئے۔ پھر اے امیر المومنین! ایک کنیز ایک ریشمی تھیلا لائی لڑکی نے اس میں سے ایک ستار نکال کر تار ٹھیک ٹھاک کیے اور گانے بجانے لگی۔ اے امیر المومنین! ایک بڑی مدت تک میں اس طرح اس کے پاس رہا یہاں تک کہ میرا سارا مال ختم ہو گیا اور میں اس کی جدائی کے خیال سے اتنا رویا کہ آنسو میرے رخساروں پر چشمے کی طرح بہنے لگے اور مجھے یہ نہ معلوم ہوا کہ دن ہے یا رات۔ اس نے پوچھا تو

کیوں رو رہا ہے؟ میں نے کہا اے میری آقا! جب سے میں تیرے پاس آیا ہوں تیرا باپ مجھ سے ہر رات کے پانسو دینار لیتا ہے اور اب میری جیب میں کچھ نہیں رہا۔ اس نے کہا میرے باپ کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی تاجر اس کے پاس آتا ہے اور اس کے دام سب ختم ہو جاتے ہیں تو وہ تین دن تک اسے کھلاتا پلاتا اس کے بعد نکال باہر کرتا ہے۔ لیکن اپنا راز کسی سے نہ کہہ، میں ایک ترکیب کرتی ہوں جس سے جب تک خدا کو منظور ہے ہم ساتھ رہیں گے کیوں کہ میں بھی تجھ پر دل سے فریفتہ ہوں۔ سُن! میرے باپ کا سارا مال میرے پاس رہتا ہے اور اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس قدر ہے۔ میں ہر روز تجھے پانسو دینار کی ایک تھیلی دے دیا کروں گی تو اُسے میرے باپ کو کہہ دیا کیجیو کہ اب میں ایک ایک دن کے دام دیا کروں گا۔ جب تو اسے دے گا تو وہ میرے حوالے کر دیا کرے گا اور وہی میں پھر تجھے دے دیا کروں گی۔ اس طرح سے جب تک خدا کو منظور ہے ہم ساتھ رہیں گے۔ اے امیرالمومنین! میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اس کا ہاتھ چوما اور اس طرح ایک سال اور اس کے ساتھ رہا۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ لڑکی نے کسی وجہ سے اپنی باندی کو بہت مارا، باندی بولی جس طرح تو نے مجھے تکلیف دی ہے میں بھی تیرا دل جلاؤں گی اور جا کر اس کے باپ سے ہمارا کچا چٹھا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ سُنتے ہی طاہر بن علا دوڑا ہوا میرے پاس آیا دیکھا کہ میں اس کی بیٹی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں کہنے لگا اے فلاں! میں نے جواب دیا حاضر ہوں۔ اس نے کہا ہمارا دستور یہ ہے کہ جب ہمارے ہاں کوئی تاجر آتا ہے اور پھر غریب ہو جاتا ہے تو ہم محض تین دن اسے کھانا پینا دیتے ہیں، تجھے

ایک سال ہو گیا کہ کھاتا پیتا اور جو چاہتا کرتا ہے۔ اب اس نے اپنے غلاموں سے کہا اس کے کپڑے اُتار کر اسے دوسرے کپڑے پہنا دو جن کی قیمت پانچ درہم ہو۔ اس کے بعد اس نے مجھے دس درہم دے کر کہا دُور ہو یہاں سے، میں تجھے نہ ماروں گا نہ بُرا بھلا کہوں گا لیکن اگر تو اس شہر میں ٹھیرا رہا تو تیرا خون حلال ہے۔ اے امیر المومنین! میں مجبوراً وہاں سے نکلا میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جاؤں دنیا بھر کا رنج و غم میرے اوپر ٹوٹ پڑا اور میں اپنے دل میں کہنے لگا میں دس لاکھ دینار لے کر یہاں آؤں وہ سب اس منحوس بوڑھے کے ہاں خرچ ہو جائیں اور پھر میں ننگا اور دل شکستہ یہاں سے نکالا جاؤں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم! اس کے بعد میں تین دن بغداد میں رہا لیکن نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا چوتھے دن میں نے دیکھا کہ ایک جہاز بصرے جا رہا ہے میں اس میں بیٹھ کر بصرے پہنچا بازار گیا مارے بھوک پیاس کے میری جان نکلی جاتی تھی۔ اتنے میں ایک کنجڑے کی نظر مجھ پر پڑی وہ آکر میرے گلے سے لپٹ گیا کیوں کہ وہ میرا اور اس سے پہلے میرے باپ کا دوست تھا۔ اس نے میری حالت پوچھی میں نے اپنا سارا ماجرا اس سے بیان کر دیا۔ اس نے کہا میرے پاس ٹھیر جا میری آمدنی اور خرچ لکھا کر، میں تجھے کھانے پینے کے علاوہ دو درہم روز دیا کروں گا۔ اے امیر المومنین! میں نے منظور کر لیا، ایک سال تک اس کی دکان پر خرید فروخت کرتا رہا یہاں تک کہ میرے پاس سو دینار ہو گئے میں نے سمندر کے کنارے ایک کوٹھری کرایے پر لی اور انتظار کرنے لگا کہ کوئی جہاز سامان لے کر آئے تو میں اپنے دیناروں سے کچھ سامان مول لے کر بغداد جاؤں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ کئی جہاز آئے

تاجر سامان خریدنے روانہ ہوئے میں بھی ان کے ساتھ چل دیا دیکھا کہ ایک جہاز میں سے دو شخص نکلے کرسیاں بچھا کر بیٹھ گئے اور ایک غلام سے کہا کہ قالین بچھا اور ایک خرجی میں سے ایک تھیلی نکال کر اُسے قالین پر انڈیل دیا اس میں سے اتنے ہیرے، موتی، مونگے، یاقوت اور لعل نکل پڑے کہ آنکھیں چندھیا گئیں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ......

نوسواکیاونویں رات

نوسواکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جوان نے خلیفہ سے بیان کیا کہ ہیرے جواہرات نکالنے کے بعد ایک تاجر نے جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہا اے تاجرو! آج میں بیچنا نہیں چاہتا کیوں کہ میں تھکا ہوا ہوں۔ تاجروں نے بڑھ بڑھ کر دام لگانے شروع کر دیے اور چار سو دینار تک پہنچ گئے۔ تھیلی والے تاجر کو میں بہت دنوں سے جانتا تھا، اس نے مجھ سے کہا تو اور تاجروں کی طرح بولی کیوں نہیں بولتا؟ میں نے کہا قسم خدا کی اے میرے آقا! مجھے شرم آتی ہے میرے پاس سو درہم سے زیادہ نہیں۔ یہ کہتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے مجھے اس حالت میں دیکھ کر اسے ترس آگیا اور اس نے تاجروں سے کہا تم گواہ رہنا کہ میں اس تھیلی کے تمام ہیرے جواہرات اِس شخص کے ہاتھ سو دینار میں بیچتا ہوں حالاں کہ میں جانتا ہوں کہ ان کی قیمت اتنے ہزار دینار ہے، میں یہ اسے بہ طور ہدیے کے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے خرجی، تھیلی، قالین اور اس پر جتنے ہیرے جواہرات تھے دے دیے۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور تمام حاضرین اس کی تعریف کرنے لگے میں ان جواہرات کو لے کر جوہری بازار گیا اور وہاں بیٹھ کر خرید و فروخت کرنے لگا۔ منجملہ ان ہیرے جواہرات کے ایک گول تعویذ تھا جس کی صورت جادوگروں کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کا وزن ایک پاؤ ہوگا، اس کا رنگ نہایت سُرخ تھا اور اس کے دونوں طرف ایسی لکیریں بنی ہوئی تھیں جیسے چیونٹیوں کے پاؤں کی۔ یہ مجھے بالکل خبر نہ تھی وہ کس کام کا ہے۔ میں نے اس کو دلاّل کے حوالے کیا وہ ہر پھر کر تھوڑی دیر کے بعد لوٹا اور کہنے لگا کہ کوئی تاجر اس کے دس درہم سے زیادہ نہیں لگاتا۔ میں نے کہا ان داموں کو نہیں بیچوں گا اور وہ اُسے میرے آگے پھینک کر چل دیا۔

ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص نے آکر سلام کیا اور کہا اگر تیری اجازت ہو تو میں تیرا سامان الٹ پلٹ کر دیکھوں۔ میں نے کہا بہت خوب۔ اس نے الٹنا پلٹنا شروع کیا اور اس گول تعویذ کے سوا اس نے اور کچھ نہ نکالا اسے دیکھ کر ای امیرالمومنین، اس نے اپنا ہاتھ چوما اور کہا شکر ہے خدا کا۔ پھر کہا ای میرے آقا! کیا تو اسے بیچتا ہے؟ میں غصّے میں بھرا بیٹھا تھا کہنے لگا ہاں۔ اس نے اس کے دام پوچھے میں نے کہا تو کیا دے گا؟ اس نے کہا بیس دینار۔ میں سمجھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے اور اس سے کہا چل دور ہو۔ اس نے کہا پچاس دینار لیکن میں نے اس کی طرف پھر کر بھی نہ دیکھا۔ اس نے کہا ایک ہزار دینار۔ ای امیرالمومنین! وہ دام بڑھاتا جاتا اور میں چُپ تھا وہ میرے چُپ رہنے پر ہنستا اور کہتا تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ میں اس سے کہتا کہ یہاں سے لمبا تو بن اور قریب تھا کہ اس سے لڑ پڑوں ادھر وہ ہزار ہزار کرکے دام بڑھاتا جاتا۔ بالآخر اس نے کہا کہ

بیس ہزار دینار میں بیچتا ہے؟ میں اب تک یہی خیال کر رہا تھا کہ وہ میرے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے ہر ایک یہی کہنے لگا کہ بیچ ڈال اور اگر وہ نہیں خریدے گا تو ہم سب پکڑ کر اسے ماریں گے اور شہر سے نکال دیں گے۔ اب میں نے اس سے پوچھا کہ تو واقعی خریدتا ہے یا مذاق کر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا تو واقعی بیچتا ہے یا مذاق کرتا ہے؟ میں نے کہا بیچتا ہوں۔ اس نے کہا اچھا تیس ہزار دینار لے اور سودا ختم کر۔ میں نے حاضرین سے کہا تم گواہ رہنا لیکن میں اس شرط پر بیچتا ہوں کہ وہ مجھے اس کا فائدہ بتا دے۔ اس نے کہا سودا ختم کر اور میں تجھے اس کا فائدہ بتا دوں گا۔ میں نے کہا بیچ ڈالا، اس نے دینار نکال کر مجھے پکڑا دیے تعویذ لے کر جیب میں ڈال لیا اور مجھ سے کہا منظور ہے؟ میں نے کہا ہاں۔

اب اس نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم گواہ رہنا کہ سودا تمام ہو گیا اس نے تعویذ کے دام تیس ہزار دینار لے لیے۔ اس کے بعد اس نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا اے مسکین! اگر تو تھوڑی دیر اور نہ بیچتا تو میں اس کی قیمت ایک لاکھ تک بڑھا دیتا بلکہ دس لاکھ تک۔ اے امیرالمومنین! یہ سن کر میرا چہرہ زرد پڑ گیا جو آج تک قائم ہے جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ میں نے تعویذ کا قصّہ پوچھا اس نے کہا سن: ہند کے بادشاہ کی ایک بیٹی ہے جس سے زیادہ حسین کہیں دیکھی نہ گئی ہو گی اس پر آسیب آتا ہے۔ بادشاہ نے تمام علاج کر ڈالے لیکن آسیب کو نہ جانا تھا نہ گیا۔ میں نے بادشاہ سے کہا میں ایک شخص سعداللہ بابلی کو جانتا ہوں جس سے بہتر ایسی باتوں کے لیے اور کوئی نہیں۔ بادشاہ بولا کہ تو ہی جا۔ میں نے کہا عقیق کا ایک ٹکڑا منگوا، اس نے عقیق کا ایک بڑا ٹکڑا منگوایا ایک لاکھ دینار اور

تحفے تحائف دے کر مجھے رخصت کر دیا۔ بابل پہنچ کر میں نے شیخ کو وہ ایک لاکھ دینار اور ہدیہ دیا، اس نے قبول کر لیا اور عقیق کا ٹکڑا ایک سنگ تراش کو دے کر کہا اسے تعویذ کی شکل میں بنا دے۔ اس کے بعد شیخ سات مہینے تک تاروں کو دیکھتا رہا اور جب طلسم لکھنے کا وقت آیا تو اس نے یہ طلسم لکھا جو تو دیکھ رہا ہے۔ میں اسے لے کر بادشاہ کے پاس گیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔

نوسو بانویں رات

نوسو بانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جوان نے امیرالمومنین سے کہا اس شخص نے یہ بیان کیا کہ میں تعویذ لے کر بادشاہ کے پاس گیا اس کے پہنتے ہی اس کی بیٹی اچھی ہو گئی۔ اس وقت تک وہ چار زنجیروں میں جکڑی رہتی تھی اور ہر رات اس کے ساتھ ایک کنیز سوتی تھی جو صبح کے وقت ذبح کی ہوئی پائی جاتی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا مجھے بہت انعام دیا اور وہ تعویذ اس کے ہار میں پرو دیا۔ ایک روز جب کہ وہ اپنی کنیزوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھی سمندر کی سیر کر رہی تھی وہ ہار ٹوٹ کر سمندر میں گر پڑا اسی وقت سے پھر آسیب آنے لگا۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کو کتنا افسوس ہوا ہو گا اس نے مجھے بہت سا مال دے کر دوسرا تعویذ بنوانے بھیجا بابل پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔ جب میں نے لوٹ کر بادشاہ کو اس کی خبر دی تو اس نے میرے ساتھ دس اور آدمیوں کو بھیجا کہ ہم ملک ملک پھر کر اس کی دوا تلاش کریں، خدا نے اسے مجھ سے ملا دیا

اور میرے پاس اُسے وہ تعویذ مل گیا اے امیر المومنین! وہ اُسے لے کر چل دیا۔ یہ وجہ ہے میرے چہرے کے زرد پڑ جانے کی۔ اس کے بعد میں اپنا سارا مال متاع لے کر بغداد آیا اور اسی مکان میں ٹھیرا جس میں پہلے ٹھیرا تھا۔ دوسرے دن صبح کو میں کپڑے پہن کر طاہر بن علا کے گھر پہنچا تاکہ اپنی محبوبہ کو ایک نظر دیکھ لوں کیوں کہ اس کی محبت روز بہ روز میرے دل میں زیادہ ہوتی جاتی تھی۔

میں اس کے گھر پر پہنچا تو میں نے دیکھا جھروکا ٹوٹا پڑا ہے، ایک غلام سے پوچھا کہ شیخ کو کیا ہو گیا؟ اس نے کہا بھائی! چند سال ہوئے یہاں ابوالحسن عمانی نامی ایک شخص آیا تھا اس کی بیٹی کے ساتھ مدت تک رہا تھا۔ جب اس کے دام ختم ہو گئے تو شیخ نے اسے دل شکستہ کر کے نکال دیا۔ لڑکی کو اس سے بے حد محبت ہو گئی تھی اس لیے جب وہ چلا گیا تو لڑکی اتنی بیمار پڑی کہ مرنے کے قریب ہو گئی۔ جب اس کے باپ کو یہ معلوم ہوا تو اس نے لوگوں کو جوان کی تلاش میں بھیجا اور وعدہ کیا کہ جو اسے لے آئے گا میں اسے ایک لاکھ دینار دوں گا، لیکن کسی کو اس کا پتا نہ چلا اب تک لڑکی کا وہی حال ہے۔ میں نے پوچھا اس کے باپ کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا اس مصیبت کی وجہ سے جو اس پر آئی ہے اس نے تمام کنیزیں بیچ ڈالی ہیں۔ جوان نے کہا میں تجھے ابوالحسن عمانی کا پتا بتا دوں؟ اس نے کہا خدا کے لیے بتا دے۔ جوان بولا اس کے باپ کو جا کر خوش خبری دے کہ ابوالحسن عمانی دروازے پر کھڑا ہے۔ غلام اس طرح دوڑا جیسے تیر چلّے سے نکل کر دوڑتا ہے اور تھوڑی دیر کے بعد شیخ کو لے کر آیا۔ مجھے دیکھتے ہی شیخ اُلٹے پاؤں پھرا اور غلام کو ایک لاکھ دینار دیے۔ غلام تو

دینار لے کر مجھے دُعا دیتا ہوا چلا گیا۔ شیخ نے آگے بڑھ کر مجھے گلے سے لگا لیا رونے لگا اور کہا ای میرے آقا! اتنے دنوں سے تو کہاں تھا؟ تیری جُدائی میں میری بیٹی ہلاک ہو گئی، اندر چل۔ میں اندر گیا تو اس نے خُدا کے آگے شکر گزاری کا سجدہ ادا کیا اور کہا شُکر ہی خُدا کا اس نے ہمیں تجھ سے ملا دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیٹی کے پاس جا کر کہا خدا نے اس مرض سے تجھے شفا دی۔ وہ بولی ابّا! میں اس وقت تک اچھی نہیں ہو سکتی جب تک ابوالحسن کا دیدار نہ کرلوں۔ باپ نے کہا ایک لقمہ کھانا کھا لے اور حمّام ہو آ پھر میں تم دونوں کو ملا دوں گا۔ بیٹی نے کہا سچ مچ؟ باپ بولا خدا کی قسم میں ٹھیک کہتا ہوں۔ بیٹی نے کہا اگر میں اس کا مکھڑا دیکھ لوں تو کھانے پینے کی ضرورت نہیں۔ شیخ نے غلام سے کہا اپنے آقا کو بُلا لا، لڑکی نے مجھے دیکھا تو ای امیرالمومنین! وہ غش کھا کر گر پڑی۔ اُسے ہوش آیا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی ای میرے آقا! واللہ مجھے یہ گمان کبھی نہ ہو سکتا تھا کہ سوا خواب کے میں تیرا دیدار کبھی دیکھ سکوں گی۔ یہ کہہ کر وہ میرے گلے سے لپٹ گئی اور کہنے لگی۔ ای امیرالمومنین! میں ان کے یہاں بہت دنوں تک ٹھیرا رہا اس کی خوب صورتی عود کر آئی اس کے باپ نے قاضی اور گواہوں کو بلا کر ہم دونوں کا نکاح کرا دیا اور آج تک وہ میری بیوی ہی۔

اتنا کہہ کر جوان اندر گیا ایک حسین لڑکے کو لے کر آیا اور اس سے کہا امیرالمومنین کے آگے زمین کو بوسہ دے اس نے بوسہ دیا۔ بعد ازاں خلیفہ اپنے ساتھیوں کو لے کر رخصت ہوا محل میں پہنچ کر مسرور کو بلایا اور اس سے کہا بصرے، بغداد اور خراسان کا خراج لا کر اس ایوان میں رکھ دو ال کر اتنا زیادہ ہو گیا کہ اس کا شمار سوا خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔

اب اس نے جعفر کو حکم دیا ابوالحسن کو بلا۔ میں نے آکر خلیفہ کے آگے زمین چومی۔ خلیفہ نے کہا ای عمّانی! اس پردے کو اٹھا جب اس نے پردے کے پیچھے وہ سارا خزانہ دیکھا تو اس کی عقل دنگ ہوگئی۔ خلیفہ بولا ای ابوالحسن! یہ مال زیادہ ہے یا وہ جو تعویذ کی قیمت میں سے تجھے نہ ملا تھا؟ اس نے کہا امیرالمومنین! یہ کئی گنا زیادہ ہے۔ رشید نے حاضرین سے کہا تم گواہ رہنا کہ میں نے یہ مال اس جوان کو بخش دیا۔ جوان نے زمین چومی شرما گیا اور مارے خوشی کے رشید کے سامنے رونے لگا۔ رونے کی وجہ سے اس کے رخسار پر آنسو بہنے لگے خون عود کر آیا اور اس کا چہرہ پھر چودھویں رات کے چاند سا ہوگیا۔ خلیفہ بولا پاک ہے وہ ذات جو حالتوں کو بدلتی رہتی ہے مگر خود ایک حالت پر قائم ہے۔ اور اس نے آئینہ منگوا کر اُسے دکھایا جوان اپنی صورت دیکھ کر سجدے میں گر پڑا خلیفہ نے حکم دیا سارا مال اس کے گھر پہنچوا دیا جائے اور اس سے کہا میرے پاس آتا جاتا رہیو۔ جوان نے آمد و رفت برابر جاری رکھی یہاں تک کہ خلیفہ کا انتقال ہوگیا، رحمۃ اللہ علیہ! پاک ہے وہ ذات جو مرتی نہیں اور حکومت اسی کی ہے۔

ابراہیم اور جمیلہ کی کہانی

ای نیک نہاد بادشاہ! مصر کے عامل خصیب کا ایک بیٹا تھا اتنا خوب صورت کہ باپ اسے جمعے کی نماز کے علاوہ کبھی باہر نہ نکلنے دیتا۔ ایک روز جمعے کی نماز کے بعد وہ ایک بوڑھے شخص کے پاس سے گزرا جس کے پاس بہت سی کتابیں تھیں وہ گھوڑے سے اُتر کر اُس کے

قریب بیٹھ گیا کتابوں کو الٹنے پلٹنے اور غور سے دیکھنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی نظر ایک عورت کی بولتی ہوئی تصویر پر پڑی جس کا مثل اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا ہوش جاتے رہے۔ اس نے شیخ سے کہا کہ یہ تصویر میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ شیخ نے اس کے آگے زمین چوم کر کہا اے میرے آقا! مفت نذر ہے۔ جوان نے اسے سو دینار دیے اور وہ کتاب جس میں تصویر تھی لے لی۔ اب وہ دن رات اسی کو دیکھتا اور روتا نہ کھاتا نہ پیتا نہ سوتا اور اپنے دل میں کہتا کاش میں نے کتب فروش سے پوچھ لیا ہوتا کہ اس کا مصوّر کون ہے! اگر وہ کسی زندہ عورت کی تصویر ہے تو میں اس سے ملوں اور اگر خیالی تصویر ہے تو اپنی بےچینی چھوڑ دوں اور اپنی جان کو ایسی چیز کے پیچھے عذاب میں نہ ڈالوں جس کی کوئی حقیقت نہیں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔۔۔۔۔

نوسو ترپنویں رات

نوسو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جوان نے کہا اگر یہ تصویر محض خیالی ہے تو کیوں اس کے پیچھے اپنی جان کو عذاب میں ڈالوں۔ چناں چہ دوسرے جمعے کو وہ پھر اُس بوڑھے کے پاس گیا اور کہا چچا! یہ تو بتا یہ تصویر کس نے کھینچی ہے؟ اس نے جواب دیا بغداد کے ایک مصوّر نے جس کا نام ابوالقاسم صندلانی ہے اور جو کرخ کے محلے میں رہتا ہے لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ تصویر ہے کس کی۔ جوان وہاں سے چل دیا کسی کو خبر نہ تھی کہ اس کے دل پر کیا گزر

رہی ہو۔ نماز پڑھ کر گھر لوٹا تو اس نے ایک تھیلی میں ہیرے اور سونا بھرا جن میں صرف ہیروں کی قیمت تیس ہزار دینار ہوگی اور دوسرے دن علی الصباح نکل کھڑا ہوا کسی کو خبر کیے بغیر ایک قافلے کے پاس پہنچا وہاں ایک بدو کو دیکھ کر اس سے کہا چچا! یہاں سے بغداد تک کے دن کی راہ ہو؟ اس نے کہا دو مہینے کی۔ جوان نے کہا چچا! اگر تو مجھے بغداد پہنچا دے تو میں تجھے سو دینار اور یہ گھوڑا دوں گا جس پر میں سوار ہوں اور جس کی قیمت ایک ہزار دینار ہو۔ بدو بولا خدا ہماری باتوں کا گواہ رہے لیکن آج رات میرے پاس سو۔ جوان نے اس کا کہنا مان لیا اس کے یہاں رات گزاری۔ سویرا ہوا تو بدو محض گھوڑے کے لالچ میں اُسے قریب کے راستے سے لے گیا، وہ بغداد کی شہر پناہ کے پاس پہنچے تو بدو نے کہا اے میرے آقا! شکر ہو خدا کا کہ ہم سلامتی کے ساتھ پہنچ گئے، یہی بغداد ہو۔ جوان بہت خوش ہوا گھوڑے سے اُتر کر گھوڑا اور سو دینار بدو کو دے دیے اور تھیلی لے کر چل دیا کرخ اور تاجروں کی سرائے کا پتا پوچھتا پوچھتا اتفاق سے ایک گلی میں پہنچا جہاں آمنے سامنے دس گھر تھے، صدر میں ایک ایسا مکان جس کا دروازہ دو پٹوں کا تھا اور کنڈی چاندی کی تھی۔ دروازے کے سامنے کی دونوں چوکیاں مرمر کی تھیں اور ان پر خوب صورت قالینیں بچھی ہوئی ایک پر ایک شان دار خوب صورت شخص بھڑکیلے کپڑے پہنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے پانچ گورے غلام چاند کی طرح خوب صورت کھڑے ہوئے تھے۔

جوان پہچان گیا کہ یہ وہی نشانیاں ہیں جو کتب فروش نے بیان کی تھیں اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا مرحبا کہا بٹھایا اور

مزاج پوچھا۔ جوان نے کہا میں پردیسی ہوں اور چاہتا ہوں کہ تو مہربانی فرما کر اس گلی میں ایک مکان تلاش کر دے تاکہ میں وہاں رہوں۔ اس شخص نے آواز دی ای غزالہ! اور ایک کنیز نے نکل کر کہا ای میرے آقا! حاضر ہوں۔ اس نے کہا چند نوکروں کو لے جا کر ایک کمرے کو صاف ستھرا کرا فرش بچھوا اور اس حسین جوان کے لیے تمام ضروریات مہیا کر دے۔ جب کنیز اس کے حکم کی تعمیل کر چکی تو بوڑھا اسے کمرے میں لے گیا۔ جوان نے پوچھا اس کمرے کا کرایہ کیا ہے؟ بوڑھا بولا ای حسین جوان! جب تک تیرا جی چاہے یہاں رہ، میں تجھ سے کوئی کرایہ نہیں لوں گا۔ اس کے بعد بوڑھے نے ایک کنیز کو بلا کر کہا شطرنج لاو۔ شطرنج لے آئی ایک غلام نے بساط بچھائی اور بوڑھے نے جوان سے کہا میرے ساتھ کھیلے گا؟ اس نے کہا ہاں، کئی بازیاں کھیلیں اور ہر بار جوان نے مات دی۔ بوڑھے نے کہا شاباش! تجھ میں سارے کمال موجود ہیں، بغداد میں کوئی شخص مجھ سے جیت نہیں سکتا لیکن تو نے مجھے مات پر مات دے دی۔ پھر بوڑھے نے اسے کمرے کی کنجیاں حوالے کر دیں اور کہا میرے غریب خانے میں آ اور میرا کھانا کھا، اس سے مجھے عزت حاصل ہوگی۔ جوان نے منظور کر لیا اس کے ساتھ اندر گیا دیکھا کہ وہ بڑا خوب صورت مکان ہے طرح طرح کی تصویریں لٹکی ہوئی ہیں۔ بوڑھے نے اس کا خیر مقدم کیا اور کھانا منگوایا۔ لوگ ایک دستر خوان لائے جو صنعا کا بنا ہوا تھا اور ایسے ایسے کھانے جن سے زیادہ لذیذ ممکن نہیں۔ جوان نے کھا پی کر ہاتھ دھوئے اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اب جو اپنی تھیلی پر نظر ڈالی تو وہ غائب، لاحول پڑھنے اور کہنے لگا ایک یا دو درہم کا میں نے کھانا کھایا اور تیس ہزار دینار کی تھیلی غائب ہو گئی لیکن

خدا میری مدد کرے گا۔ یہ کہ کر وہ چُپ ہو گیا اُسے کچھ کہتے بن نہ پڑی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . .

نوسوچونویں رات

نوسوچونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جوان چُپ ہو گیا اُسے کچھ کہتے بن نہ پڑی۔ بوڑھا پھر شطرنج لایا اور کہا کھیلتا ہے؟ جوان بولا ہاں، دونوں کھیلنے لگے اور بوڑھے نے اسے مات دے دی۔ جوان نے کہا شاباش! اور کھیل چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ بوڑھے نے پوچھا کیا بات ہے؟ جوان بولا میں اپنی تھیلی تلاش کر رہا ہوں۔ بوڑھے نے تھیلی نکال کر کہا لے یہ ہے تیری تھیلی، اب دوبارہ مجھ سے شطرنج کھیلے گا؟ اس نے کہا ہاں اور اس نے بوڑھے کو مات کر دی۔ بوڑھا بولا تیرا جی تھیلی میں لگا ہوا تھا اس لیے تو مات کھا گیا، تھیلی مل گئی تو تو نے مات دے دی۔ پھر بوڑھے نے کہا بیٹا! تیرا وطن کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا مصر۔ پوچھا کہ بغداد کیسے آنا ہوا؟ جوان نے تصویر نکال کر کہا چچا! میں مصر کے عامل خصیب کا بیٹا ہوں، یہ تصویر میں نے ایک کتب فروش کے پاس دیکھی تھی میں اس پر عاشق ہو گیا مصوّر کا پتا پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ کرخ میں درب زعفران میں رہتا ہے اور اس کا نام ابوالقاسم صندلانی ہے۔ اس پر میں نے کچھ مال اپنے ساتھ لیا اور بغیر کسی کو خبر کیے اکیلا نکل کھڑا ہوا۔ اب میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس کا پتا بتا دے تاکہ میں اس سے پوچھوں کہ یہ کس کی تصویر ہے اور اس نے کیوں کھینچی؟ جو کچھ تو مانگے گا

دوں گا۔

بوڑھے نے کہا بیٹا! ابو القاسم صندلانی میں ہی ہوں اور یہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہے کہ قسمت تجھے میرے پاس لے آئی۔ یہ سنتے ہی جوان اُٹھ کھڑا ہوا اس کے گلے سے لپٹ گیا اس کا سر اور ہاتھ چومنے لگا اور کہا خدا کے واسطے بتا دے کہ یہ کس کی تصویر ہے؟ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور اٹھ کر ایک کوٹھری کھولی بہت سی کتابیں نکال لایا جن میں اس نے یہی تصویر کھینچ رکھی تھی اور کہنے لگا بیٹا! یہ تصویر میری چچیری بہن کی ہے، وہ بصرے میں رہتی ہے جہاں اس کا باپ والی ہے۔ اس کا نام ابو اللیث ہے اور لڑکی کا جمیلہ۔ ایسی حسین دُنیا بھر میں نہیں لیکن وہ مردوں کو پاس نہیں پھٹکنے دیتی بلکہ ان کا ذکر بھی سننا پسند نہیں کرتی۔ میں اس سے شادی کرنے کی غرض سے اس کے باپ کے پاس گیا تھا بہت مال خرچ کیا پھر بھی اس نے منظور نہیں کیا۔ جب اس کی خبر لڑکی کو ملی تو وہ تیش میں آگئی اور مجھے کہلا بھیجا کہ اگر تو سمجھ دار ہے تو یہاں سے چلا جا ورنہ مارا جائے گا اور تیرا خون تیری ہی گردن پر ہو گا۔ وہ بہت ظالم ہے اس لیے میں شکستہ دل ہو کر بصرے سے چلا آیا اور بہت سی کتابوں میں اس کی تصویر کھینچ کر انھیں مُلک مُلک روانہ کر دیا تاکہ شاید وہ تیری طرح کسی حسین جوان کے ہاتھ پڑ جائے وہ اس تک پہنچنے کی کوشش کرے اور ممکن ہے کہ لڑکی اس پر عاشق ہو جائے۔ میں جوان سے وعدہ لے لوں گا کہ اگر وہ اُسے مل جائے تو مجھے ایک نظر دکھا دے خواہ دور ہی سے سہی۔

ابراہیم بن خصیب نے یہ باتیں سُنیں تو سر جھکا کر سوچ میں پڑ گیا۔ صندلانی کہنے لگا! میں نے بغداد بھر میں تجھ سے زیادہ حسین کسی کو نہیں

دیکھا میرا خیال ہے کہ وہ تجھے دیکھ کر ضرور عاشق ہوجائے گی۔ کیا تو یہ کرسکتا ہے کہ اگر تجھے کامیابی ہوجائے تو تُو مجھے ایک بار اس کا دیدار دکھا دے خواہ دُور ہی سے کیوں نہ ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ بوڑھے نے کہا اگر یہ بات ہے تو تُو سفر کرنے تک یہیں میرے پاس ٹھیر۔ جوان بولا میں ٹھیر نہیں سکتا اس کے عشق کی آگ میرے دل میں بھڑک رہی ہے۔ بوڑھے نے تین دن میں اس کے لیے ایک کشتی تیار کی اور کھانا پینا وغیرہ اس میں رکھ کر کہا میں نے ایک کشتی میں تیرے لیے کھانا پینا تیار کرکے رکھ دیا ہے۔ کشتی میری ملکیت ہے، ملاح میرے نوکر ہیں اور کشتی میں اتنا سامان ہے کہ جانے آنے کے لیے کافی ہوگا، میں نے ملاحوں کو تاکید کردی ہے کہ واپسی تک وہ تیری خدمت کریں۔ جوان اٹھا اور اُس سے رخصت ہوکر کشتی میں سوار ہوگیا اور چلتے چلتے بصرے پہنچا اور سو دینار نکال کر ملاحوں کو دیے انھوں نے کہا ہم اپنے آقا سے مزدوری لے چکے ہیں۔ وہ بولا یہ انعام ہے میں اس سے نہیں کہوں گا۔ انھوں نے لے لیا اور اسے دُعا دی۔

جوان نے بصرے میں داخل ہوکر پوچھا تاجروں کی سرائے کون سی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ سرائے حمدان۔ وہ اس سرائے کی طرف چلا جارہا تھا اور لوگ اس کے حسن وجمال پر محو تھے۔ سرائے میں داخل ہوکر اس نے دربان کو پوچھا اور اس کے پاس جاکر سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ جوان نے کہا تیرے پاس کوئی خوب صورت سا کمرہ بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں اور ایک خوب صورت کمرہ کھول دیا جس میں سونے کا کام تھا اور کہا اے جوان! یہ تیرے قابل ہے۔ جوان نے دو دینار نکال کر اُسے دیے اور کہا یہ کنجی دینے کا انعام ہے۔ دربان نے دینار لیے اور

اسے دُعا دی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو دربان اس کی خدمت کے لیے وہیں ٹھیرا رہا۔ جوان نے اسے ایک دینار دے کر کہا اس کی روٹی سالن مٹھائی اور شراب لے آ۔ دربان جاکر دس درہم کی یہ چیزیں لے آیا اور باقی جوان کو دینے لگا اس نے کہا انھیں اپنے خرچ کے لیے رہنے دے۔ اب جوان نے ایک چپاتی اور کچھ سالن کھایا اور دربان سے کہا باقی اپنے گھر لیتا جا۔ وہ گھر جاکر کہنے لگا میرے خیال میں اس جوان سے زیادہ سخی دنیا بھر میں کوئی نہیں جو ہمارے ہاں آکر ٹھیرا ہو نہ اس سے زیادہ پیارا، اگر وہ کچھ دنوں اور ٹھیرا رہا تو ہم امیر ہو جائیں گے۔ جب دربان لوٹ کر سرائے میں آیا تو اس نے دیکھا کہ جوان بیٹھا رو رہا ہے وہ بیٹھ کر اس کے پانو دبانے لگا اور انھیں چوم کر کہا اے میرے آقا! تو کیوں رو رہا ہے؟ خدا تجھے کبھی نہ رُلائے! اس نے جواب دیا چچا ابّن چاہتا ہوں کہ آج رات ہم دونوں بیٹھ کر شراب پییں۔ بوڑھا بولا سر آنکھوں سے۔ جوان نے اُسے پانچ دینار نکال کر دیے اور کہا ان کے پھل اور شراب لے آ، پھر اور پانچ دینار دے کر کہا کہ ان کا خشک میوہ، عطر، پانچ موٹی تازی مرغیاں اور عود لیتا آئیو۔ دربان نے جاکر تمام چیزیں خریدیں اور اپنی بیوی سے کہا انھیں پکا شراب کو صاف کر اور ہر چیز خوب اچھی طرح سے بنا کیوں کہ یہ جوان ہم پر بڑا مہربان ہے۔ بیوی نے تمام چیزیں خوب اچھی طرح سے تیار کیں، دربان انھیں لے کر ابراہیم کے پاس آیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نو سو پچپنویں رات

نو سو پچپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! دربان یہ سب چیزیں لے کر جوان کے پاس آگیا دونوں نے کھایا پیا خوش ہوئے جوان رو رو کر یہ اشعار پڑھتے ہوئے "اگر تیرے وصل کے بدلے مجھے اپنی روح، مال دولت، ساری دنیا، جنت اور فردوس دینا پڑے تب بھی میرا دل اُسے مول لینے کے لیے تیار ہے۔" ایک چیخ مار کر گر پڑا اور دربان سسکیاں بھرنے لگا۔ دربان نے کہا اے میرے آقا! تو کیوں روتا ہے اور اس شعر سے تیرا کس طرف اشارہ ہے؟ وہ کوئی بھی ہو تیرے قدموں کی خاک سے بڑھ کر نہ ہوگی۔ جوان نے اٹھ کر ایک بغچہ نکالا جس میں عمدہ عمدہ زنانے کپڑے تھے اور دربان سے کہا انھیں اپنی بیوی کو دے آ۔ دربان انھیں اپنی بیوی کے پاس لے گیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ جوان کے پاس آئی دیکھا کہ جوان رو رہا ہے۔ بیوی بولی تو نے ہمارا دل پاش پاش کر دیا ہے، بتا تو سہی کہ تو کس حسین کے غم میں رو رہا ہے؟ وہ زیادہ سے زیادہ تیری لونڈی کے برابر ہوگی۔ جوان بولا اچھی سن! میں مصر کے عامل خصیب کا بیٹا ہوں اور ابو اللیث والی کی بیٹی پر عاشق ہوں۔ دربان کی بیوی نے کہا بھائی! اللہ اللہ کر یہ باتیں جانے دے، اگر کسی نے سن لیا تو ہم سب مارے جائیں گے اس سے بڑھ کر ظالم دنیا میں نہیں کس کی مجال ہے کہ مرد کا نام اس کے آگے لے سکے، اس قدر اسے مردوں سے نفرت ہے۔ بیٹا! اس کا دھیان دل سے نکال ڈال کسی اور سے دل لگالے۔ یہ سن کر جوان کو زیادہ رقت آگئی۔ دربان نے کہا میری جان کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں، اسے بھی تیرے اوپر

قربان کر سکتا ہوں اور تیرے لیے کوئی تدبیر نکالوں گا۔ یہ کہہ کر دونوں چلے گئے۔

صبح ہوئی تو جوان حمام گیا اور شاہانہ لباس پہنا، اتنے میں دربان اور اس کی بیوی نے آکر کہا اے میرے آقا! یہاں ایک کبڑا درزی ہے جو جمیلہ کے کپڑے سیتا ہے۔ جاکر اسے اپنا ماجرا سُنا، ممکن ہے کہ وہ کوئی تدبیر نکال دے جس سے تیری مُراد بر آئے۔ جوان فوراً اٹھ کر کبڑے درزی کی دُکان پر پہنچا دیکھا کہ اس کے پاس دس گورے غلام ہیں چاند کی طرح خوب صورت۔ جوان نے انھیں سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا خوش ہو کر اسے بٹھایا اور اس کا حُسن و جمال دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ جب کبڑے کی نظر اس پر پڑی تو اس کے ہوش بھی جاتے رہے، جوان نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو میری جیب سی دے، درزی نے ریشم کا ڈورا لے کر سی دی۔ جوان نے اپنی جیب عمداً پھاڑ ڈالی تھی، درزی نے جیب سی دی نوجوان نے پانچ دینار نکال کر اُسے دے دیے اور چلا گیا۔ درزی اپنے دل میں کہنے لگا میں نے اس لڑکے کے لیے کون سا ایسا بڑا کام کیا کہ اس نے پانچ دینار دیے اور رات بھر اسے جوان کا خیال رہا۔ دوسرے دن صبح کو وہ پھر کبڑے درزی کی دُکان پر گیا اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا اور عزّت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ جوان نے کبڑے سے کہا چچا! میری جیب پھر سی دے کیوں کہ وہ دوبارہ پھٹ گئی ہے۔ درزی نے کہا بیٹا! سر آنکھوں سے اور اس کی جیب سی دی۔ جوان نے اسے دس دینار دیے اس نے لے لیے اور اس کا حسن اور سخاوت دیکھ کر دنگ ہو گیا۔

اس کے بعد درزی نے کہا ای جوان! تیری اس بخشش کا کوئی نہ کوئی سبب ہے، یہ محض جیب سینے کی مزدوری نہیں بتا کیا بات ہے؟ اگر تو یہاں کسی پر عاشق ہے تو خدا کی قسم ان میں سے کوئی تجھ سے زیادہ حسین نہیں، وہ سب تیرے قدموں کی خاک کے برابر ہیں اور تیری لونڈیاں۔ یہ بات نہیں تو پھر کیا ہے بتا۔ جوان نے کہا چچا! یہ جگہ باتیں کرنے کی نہیں میری داستان عجیب و غریب ہے۔ درزی بولا اگر یہ بات ہے تو تنہائی میں چل۔ یہ کہہ کر درزی اُسے دُکان کے پیچھے ایک کمرے میں لے گیا اور اس نے اپنی ساری داستان شروع سے لے کر آخر تک سُنا دی۔ درزی ششدر ہو کر کہنے لگا ای جوان! خدا سے ڈر اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈال، جس کا تو ذکر کرتا ہے وہ بڑی ظالم ہے اور مردوں سے نفرت کرتی ہے۔ اپنی زبان روکے رکھ ورنہ اس میں تیری جان چلی جائے گی۔ جوان رونے لگا اور درزی کا دامن پکڑ کر کہا چچا! رحم کر ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا۔ میں اپنا اور اپنے باپ دادا کا وطن چھوڑ کر یہاں پردیس میں آیا ہوں اور اس کے لیے بیچین ہوں۔ درزی کو اس کی حالت دیکھ کر ترس آ گیا بولا بیٹا! میرے پاس صرف ایک جان ہے جو میں تجھ پر قربان کر سکتا ہوں تیری حالت دیکھ کر میرے دل پر چھُریاں چلتی ہیں، اچھا کل میں کوئی نہ کوئی تدبیر نکالوں گا جس سے تیری مُراد بر آئے جوان نے اسے دُعا دی اور سرائے میں واپس جا کر جو کچھ کبڑے نے کہا تھا دربان سے بیان کیا، دربان بولا کہ اس نے تیرے ساتھ بڑی بھلائی کی۔

دوسرے دن صبح کو جوان نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور دینار لیا کا ایک توڑا لے کر کبڑے کے پاس پہنچا اسے سلام کر کے بیٹھ گیا اور کہا

چچا! اپنا وعدہ پورا کر۔ اس نے کہا جا کر تین موٹی تازی مرغیاں، ڈیڑھ چھٹانک قند، دو نفیس کوزے شراب کے ایک جام لے انھیں ایک تھیلے میں رکھ کر فجر کی نماز کے بعد ایک کشتی میں بیٹھ جا اور ملاح سے کہہ کہ وہ تجھے بصرے کے نیچے لے چلے۔ اگر وہ کہے کہ میں ایک فرسخ سے آگے نہیں بڑھ سکتا تو کہیو جیسی تیری مرضی۔ وہ وہاں تک پہنچ جائے تو اسے مال کا لالچ دیجیو تاکہ وہ تجھے منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ اس جگہ پہلا باغ جو تجھے دکھائی دے گا وہ جنیارہ کا باغ ہے۔ وہاں تجھے میری ہی طرح ایک بڈھا شخص دکھائی دے گا۔ اس کے آگے اپنا دکھڑا رو دیجو اور اس سے مدد مانگیو، ممکن ہے کہ وہ تیرے حال پر ترس کھا کر تجھے اس کا دیدار دکھا دے خواہ دور ہی سے کیوں نہ ہو۔ اس کے سوا اور کوئی تدبیر میرے پاس نہیں۔ اگر اس نے تیرے حال پر ترس نہ کھایا تو میں اور تو دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔ جوان بولا میں خدا سے دعا مانگتا ہوں، جو وہ چاہے گا ہو گا، سوا اس کے کسی میں کوئی طاقت نہیں۔ جوان نے فوراً اپنے کمرے میں جا کر تمام چیزیں جو درزی نے بتائی تھیں ایک تھیلے میں رکھیں اور صبح ہوتے ہی دجلے کے کنارے جا پہنچا دیکھا کہ ایک ملاح پڑا سو رہا ہے۔ اسے جگا کر جوان نے دس دینار دیے اور کہا مجھے بصرے کے نیچے پہنچا دے۔ وہ بولا اے میرے آقا! اس شرط پر کہ میں ایک فرسخ سے آگے نہیں بڑھوں گا، اگر میں بالشت بھر بھی آگے بڑھا تو میں اور تو دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔ جوان بولا جیسی تیری مرضی۔ غرض کہ ملاح اسے کشتی میں بٹھا کر چل دیا اور جوں ہی وہ باغ کے قریب پہنچے ملاح نے کہا بیٹا! اگر ہم یہاں سے آگے بڑھیں گے تو ہم دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔ جوان نے اور دس دینار نکال کر اسے دیے اور کہا انھیں

اپنے اوپر خرچ کر۔ ملاح مارے شرم کے کہنے لگا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی .....

نوسو چھپنویں رات

نوسو چھپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! ملاح شرم کے مارے کہنے لگا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اور آگے بڑھا۔ باغ کے قریب پہنچ کر جوان مارے خوشی کے کشتی پر سے کود پڑا اور ملاح اسے چھوڑ کر بھاگا۔ جوان نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ باغ کا دروازہ کھلا ہوا ہے دروازے پر ایک ہاتھی دانت کا تخت بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک خوب صورت کبڑا سنہرے کپڑے پہنے بیٹھا ہے اس کے ہاتھ میں چاندی کا ایک گرز ہے جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔ جوان دوڑا اور اس کا ہاتھ لے کر چومنے لگا۔ اس نے پوچھا تو کون ہے کہاں سے آیا ہے اور تجھے اس جگہ کس نے پہنچایا؟ ابراہیم نے کہا چچا! میں ایک ناسمجھ اور پردیسی لڑکا ہوں، یہ کہہ کر وہ رونے لگا بوڑھے کا دل پسیج گیا اسے تخت پر بٹھا لیا اس کے آنسو پونچھے اور کہا غم نہ کر، اگر تیرے اوپر قرضہ ہے تو خدا تیرا قرضہ ادا کر دے گا اور اگر تجھے کسی کا ڈر ہے تو خدا اسے دور کرے گا۔ جوان نے کہا چچا! نہ مجھے کسی کا ڈر ہے نہ میرے اوپر کسی کا قرضہ، خدا کی مدد سے میرے پاس بہت کچھ ہے۔ بوڑھے نے کہا بیٹا! پھر تجھ پر کیا مصیبت آئی کہ اپنی جان اور خوب صورتی کو خطرے میں ڈال کر یہاں مرنے آیا ہے؟ اس پر جوان نے اپنا سارا کچا چٹھا کہہ سنایا۔

بوڑھے نے یہ سُن کر اپنا سر نیچا کر لیا تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا کیا کبڑے درزی نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ بوڑھا بولا وہ میرا بھائی ہے اور بڑا مبارک شخص ہے۔ بیٹا! اگر تیری محبّت میرے دل میں نہ پیدا ہو گئی ہوتی تو تو، میرا بھائی، سرائے کا دربان اور اس کی بیوی سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ سُن! اس باغ کا جواب ساری دُنیا میں نہیں اس کا نام موتی باغ ہے میری زندگی بھر اس میں سوا والیٔ اس کی بیٹی جمیلہ کے اور میرے کوئی داخل نہیں ہوا ہے۔ ہر چالیسویں دن وہ بجرے میں بیٹھ کر یہاں آتی ہے اور اپنی کنیزوں کے ساتھ اطلس کی پوشاک پہن کر داخل ہوتی ہے جس کا دامن دس کنیزیں سونے کے کانٹوں سے پکڑ کر اٹھاتی ہیں۔ میں نے اس کے جسم کا کوئی حصّہ نہیں دیکھا ہے۔ میری بس ایک جان ہے جو تیرے اوپر فدا کر سکتا ہوں۔ جوان نے اس کا ہاتھ چوما، اس نے کہا میرے پاس ٹھیر، میں تیرے لیے کوئی تدبیر نکالوں گا۔ پھر وہ جوان کا ہاتھ پکڑ کر باغ کے اندر لے گیا۔ اُسے دیکھ کر ابراہیم نے خیال کیا کہ بس جنّت یہی ہے۔ اس کے بعد بوڑھا اسے بارہ دری میں لے گیا اور کہا کہ جمیلہ اسی میں آکر ٹھیرتی ہے۔ جوان نے دیکھا کہ وہ بہترین تفریح کی جگہ ہے وہاں بے شمار سونے اور لاجورد کی تصویریں ہیں۔ بارہ دری کے چار دروازے ہیں اور ان سے زینے پانچ پانچ سیڑھیوں کے ہیں، اُس کے بیچ میں ایک حوض ہے جس میں اُترنے کے لیے سونے کا زینہ ہے جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں، حوض کے بیچ میں سونے کا فوّارہ ہے اور اس میں چھوٹی بڑی مورتیں جن کے منھ میں سے پانی نکلتا ہے۔ جب پانی نکلتا ہے اور چڑیاں چہچہاتی ہیں تو سننے والے کو خیال ہوتا ہے کہ میں جنّت میں ہوں۔ بارہ دری

کے چاروں طرف ایک نہر ہی جس کے ڈول چاندی کے ہیں اور ان پر زربفت چڑھا ہوا ہی۔ نہر کے بائیں طرف ایک جھروکا ہی جہاں سے ایک ہرا گنبد دکھائی دیتا ہی جس میں طرح طرح کے جنگلی جانور، ہرن اور خرگوش ہیں، اس کے داہنی طرف ایک اور جھروکا ہی جس میں سے ایک میدان دکھائی دیتا ہی جہاں طرح طرح کی چڑیاں ہیں جو اپنی اپنی بولیاں بولتی ہیں۔

جوان اس باغ کو دیکھ کر خوش ہو گیا باغ کے دروازے پر بیٹھ گیا باغ بان اس کے پہلو میں ہو بیٹھا اور کہنے لگا میرا باغ تجھے کیسا پسند ہی؟ اس نے کہا یہ دنیا کی جنّت ہی۔ باغ بان ہنسنے لگا اور جا کر ایک سینی لے آیا جس میں مُرغیاں، بٹیریں، دوسرے عمدہ عمدہ کھانے اور شکر کی مٹھائیاں تھیں انھیں جوان کے آگے رکھ کر کہا پیٹ بھر کر کھا۔ ابراہیم کا بیان ہی کہ میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور وہ مجھے کھاتے دیکھ کر خوش ہوا اور کہنے لگا واللہ امیروں اور امیر زادوں کی یہی شان ہی۔ اس کے بعد اس نے کہا ای ابراہیم! اس تھیلے میں کیا ہی؟ میں نے تھیلے کو اس کے سامنے انڈیل دیا، اس نے کہا جب جمیلہ کے پاس جائیو تو اسے لیتا جائیو کیوں کہ جب وہ آئے گی تو میں تجھے کوئی کھانے کی چیز نہ پہنچا سکوں گا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک جگہ لے گیا جو اس خوب صورت بارہ دری کے سامنے تھی اور وہاں درختوں کے بیچ میں ایک مچان بنا کر مجھ سے کہا اس پر چڑھ کر بیٹھ جا۔ جب وہ آئے گی تو تو اسے دیکھے گا اور وہ تجھے نہ دیکھ سکے گی۔ یہ بڑی سے بڑی تدبیر ہی جو میں کر سکتا ہوں باقی بھروسا خدا پر ہی۔ جب وہ گائے تو اس کے گیت کا مزہ لیجیو اور جب وہ چلی جائے تو تو بھی چلتا بنیو۔ جوان نے اس کا شکریہ ادا کیا اور چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ چومے لیکن اس نے

روک دیا۔ اس کے بعد جوان نے اپنا تھیلا مچان کے اوپر رکھ دیا باغ بان نے کہا کہ ابراہیم! باغ کی خوب سیر کر اور پھل کھا کیوں کہ تیری دوست کے آنے کا دن کل ہے۔ جب سویرا ہوا اور دن نکلا ابراہیم نے فجر کی نماز پڑھی، اتنے میں باغ بان آیا اس کا چہرہ فق تھا کہنے لگا بیٹا! مچان پر چڑھ جا کنیزیں بارہ دری میں فرش بچھانے آگئی ہیں اور وہ بھی عنقریب آتی ہوگی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی .....

نو سو ستانویں رات

نو سو ستانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! باغ بان نے کہا کہ عنقریب وہ بھی آتی ہوگی، خبردار! نہ تھوکیو نہ چھینکیو اور نہ ناک صاف کیجیو ورنہ ہم دونوں مارے جائیں گے۔ جوان مچان پر چڑھ بیٹھا اور باغ بان یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ بیٹا! خدا تجھے سلامت رکھے! جوان بیٹھا ہوا تھا کہ پانچ کنیزیں آئیں بارہ دری کے اندر جا کر انھوں نے کپڑے اتارے بارہ دری کو دھویا گلاب چھڑکا عود اور عنبر سلگایا زربفت کا فرش بچھایا۔ اس کے بعد پچاس کنیزیں باجے لیے آئیں اور ان کے درمیان ایک سرخ زربفت کے شامیانے کے نیچے خود جمیلہ تھی کنیزیں سونے کے کانٹوں سے شامیانے کے پردے اٹھائے ہوئے تھیں۔ جمیلہ بارہ دری کے اندر چلی گئی جوان اس کی جھلک بھی نہ دیکھ سکا اپنے دل میں کہنے لگا واللہ میری ساری محنت اکارت گئی خیر میں بھی ڈٹا رہوں گا، دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ کھانے پینے کے بعد کنیزوں نے اس کے لیے ایک کرسی بچھائی

وہ بیٹھ گئی اور کنیزوں نے گانا بجانا شروع کیا۔ اتنے میں بڑھیا ماما تالیاں بجاتی اور ناچتی باہر نکل آئی کنیزوں نے اسے پکڑ کر پھر اندر کھینچ لیا۔ اب پردہ اٹھا اور جمیلہ ہنستی ہوئی نکلی۔ ابراہیم نے دیکھا کہ وہ لباس اور زیوروں سے لدی ہوئی ہے اس کے سر پر ایک تاج ہے جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں گلے میں موتیوں کا ہار اور کمر سے زبرجد کے ٹکڑوں کی ایک پیٹی بندھی ہوئی ہے جس کی جھالریں یاقوت اور موتی پروئے ہوئے ہیں۔ کنیزوں نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی وہ برابر مسکراتی رہی۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ اُسے دیکھتے ہی مجھے اپنے تن بدن کا ہوش نہ رہا اس کا حُسن وجمال دیکھ کر میرے ہوش وحواس جاتے رہے اور میں غش کھا کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں رو رہا تھا اور میں نے بڑھیا کو کنیزوں سے کہتے سنا کہ تم میں سے دس اٹھ کر گائیں بجائیں۔ انھیں دیکھ کر ابراہیم اپنے دل میں کہنے لگا کاش جمیلہ اٹھ کر ناچتی۔ جب دسوں کنیزیں ناچ چکیں تو انھوں نے کہا اے ہماری آقا! اب ہماری خواہش ہے کہ تو بھی ناچ تاکہ ہمارا سرور مکمّل ہو جائے آج بے حد پیارا دن ہے۔ ابراہیم بن خصیب اپنے دل میں کہنے لگا بے شک آسمان کے دروازے کھُل گئے ہیں خدا نے میری دُعا سُن لی۔ اتنے میں جمیلہ نے اپنے کپڑے اتار ڈالے محض ایک قمیص میں رہ گئی جو سونے کے تاروں سے بُنی ہوئی تھی اور جس میں ہیرے جواہرات پروئے ہوئے تھے۔ اس کا سینہ انار کی طرح اُبھرا ہوا تھا جب اس نے اپنا چہرہ کھولا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا چودھویں رات کا چاند نکل آیا وہ ایسے عجیب وغریب انداز سے ناچی کہ انسان جام میں بُلبلوں کے رقص کو بھول جائے اور اُسے سرپر سے

پنگھڑیوں کا جھکنا یاد آجائے۔ ابراہیم کا بیان ہے میں اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کی نظر مجھ پر پڑی اور مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ اپنی کنیزوں سے کہنے لگی تم گاتی رہو میں ابھی آتی ہوں اور وہ ڈیڑھ بالشت کی چھری لے کر میری طرف بڑھی۔ جوں ہی وہ میرے پاس پہنچی میرے ہوش جاتے رہے، لیکن مجھے دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے چھری گر پڑی اور اس کی زبان سے نکلا پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیر دیتی ہے! اس کے بعد بولی اے جوان! ڈر نہیں تجھے امان ہے۔ یہ سُن کر میرے آنسو بہنے لگے اور وہ انھیں اپنے ہاتھ سے پونچھنے لگی۔

پھر اس نے کہا اے جوان! تو کون ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟ میں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور اس کا دامن پکڑ لیا۔ وہ بولی گھبرا نہیں، سوا تیرے کسی مرد کے دیدار سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوئیں، بتا تو ہے کون؟ ابراہیم نے اپنی ساری روداد بیان کی، لڑکی کو بڑا تعجب ہوا کہنے لگی اے میرے آقا! خدا کی قسم بتا کیا تو ہی ابراہیم بن خصیب ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ چمٹ گئی یہ کہتے ہوئے اے میرے آقا! تو ہی تو وہ شخص ہے جس کی وجہ سے میں نے مردوں کو چھوڑ دیا ہے۔ میں نے سُنا تھا کہ مصر میں ایک لڑکا ہے جس سے زیادہ خوب صورت دُنیا بھر میں نہ ہوگا اور میں تجھ پر نادیدہ دل و جان سے عاشق ہوگئی۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے تیرا منہ مجھے دکھا دیا۔ واللہ اگر کوئی اور ہوتا تو میں باغ بان، درزی، سرائے کے دربان اور اس کی بیوی کی گردنیں اڑا دیتی۔ اچھا اب بتا کہ بغیر کنیزوں کو خبر کیے تیرے لیے کھانا کیسے منگواؤں؟ میں نے جواب دیا میرے پاس کھانے پینے کی چیزیں ہیں جنھیں ہم کھا پی سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے

تھیلا اُلٹ دیا وہ ایک مُرغی لے کر مجھے نوالے دینے لگی اور میں اُسے نوالے دینے لگا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ پھر میں نے شراب نکالی اور ہم دونوں نے پی۔ صبح سے ظہر تک کنیزیں گاتی رہیں اور وہ میرے پاس بیٹھی رہی۔ بعد ازاں وہ اٹھی اور مجھ سے کہا فوراً اپنے لیے ایک کشتی منگا اور فلاں جگہ میرا انتظار کر، اب میں تیری جُدائی گوارا نہیں کر سکتی۔ میں نے کہا اے میری آقا! میرے پاس اپنی کشتی ہے اس کے ملاح میرے مزدور ہیں اور وہ میرے منتظر ہوں گے۔ اس نے کہا بس پھر اور کیا چاہیے! یہ کہہ کر وہ اپنی کنیزوں کے پاس گئی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔۔۔

نوسواٹھاونویں رات

نوسواٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جمیلہ نے اپنی کنیزوں کے پاس جا کر کہا چلو محل میں چلیں وہ بولیں ابھی سے؟ ہم تو یہاں تین تین دن ٹھہرا کرتے تھے۔ اس نے کہا میری طبیعت بھاری معلوم ہوتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بیمار پڑ جاؤں۔ انھوں نے اپنے کپڑے پہن لیے اور کنارے پر جا کر بجرے میں بیٹھ گئیں۔ اب باغ بان ابراہیم کے پاس گیا، اسے کیا معلوم تھا کہ کیا ماجرا پیش آیا ہے، کہنے لگا اے ابراہیم! کیا تجھے اس کا دیدار نصیب نہیں ہوا، وہ تو یہاں تین دن اور ٹھہرے گی، کہیں اس نے تجھے دیکھ تو نہیں لیا؟ ابراہیم بولا نہ اس نے مجھے دیکھا نہ میں نے اسے بلکہ وہ تو بارہ دری سے نکلی بھی نہیں۔ باغ بان بولا بیٹا! تو سچ کہتا ہے ورنہ ہم دونوں مارے جاتے۔ اچھا میرے ساتھ ٹھہرا رہ، وہ

دوسرے ہفتے پھر آئے گی اور تو اسے خوب جی بھر کر دیکھ لیجیو۔ ابراہیم بولا میرے پاس گھر میں مال ہے اور مجھے اس کا ڈر لگا ہوا ہے، دوسرے میں اپنے لوگوں کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں کہیں یہ نہ سمجھیں کہ میں کھو گیا۔ اس نے کہا بیٹا! تیری جدائی مجھ پر گزرتی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اُسے گلے لگایا اور رخصت کیا۔ ابراہیم نے سرائے جاکر دربان سے اپنا سارا مال لیا، دربان بولا خیریت تو ہے؟ ابراہیم نے کہا میرا مطلب پورا نہ ہوا اب میں اپنے وطن جا رہا ہوں۔ دربان رونے لگا اُسے رخصت کیا اور اس کا سامان خود لے کر کشتی میں رکھا۔

کشتی میں بیٹھ کر ابراہیم اس جگہ پہنچا جہاں جمیلہ نے کہا تھا کہ میرا انتظار کیجیو۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو وہ اس بھیس میں آئی کہ لباس جنگی سپاہی کا تھا، داڑھی گول اور کمر سے پیٹی بندھی ہوئی تھی، ایک ہاتھ میں تیر کمان اور دوسرے میں ننگی تلوار۔ آتے ہی اس نے کہا کیا تو ہی مصر کے عامل خصیب کا بیٹا ہے؟ ابراہیم بولا ہاں میں ہی ہوں۔ اس نے کہا تیری کیوں شامت آئی ہے کہ امیرزادیوں کو بگاڑنے آیا ہے؟ چل والی تجھے بلاتا ہے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ میں غش کھا کر گر پڑا اور ملاح مارے ڈر کے مرنے کے قریب ہو گئے۔ میری یہ حالت دیکھ کر اس نے داڑھی اُتار تلوار پھینک دی، پیٹی کھول ڈالی میں نے دیکھا کہ وہ تو جمیلہ ہے اور کہنے لگا خدا کی قسم تو نے میرا دل پاش پاش کر دیا۔ اس کے بعد میں نے ملاحوں سے کہا جلدی سے چل کھڑے ہو۔ انھوں نے بادبان کھولے اور تیز تیز روانہ ہو گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد ہم بغداد پہنچ گئے دیکھا کہ کنارے پر ایک کشتی کھڑی ہے، اس کے ملاح ہمارے ملاحوں کو دیکھ کر کہنے لگے

مبارک ہو کہ تم صحیح وسلامت لوٹ آئے۔ ملاح وہ کشتی بڑھا کر ہماری کشتی کے پاس لے آئے ہم نے دیکھا کہ اس میں ابو القاسم صندلانی بیٹھا ہوا ہے ہمیں دیکھ کر اس نے کہا بس یہی میرا مقصد تھا، جاؤ خدا کو سونپا، میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ اس کے بعد اس نے کہا شکر ہے خدا کا کہ تو صحیح سلامت آ گیا، کیا تیرا مقصد پورا ہو گیا؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے وہ شمع جو اس کے پاس تھی ہمارے آگے کی اُسے دیکھتے ہی جمیلہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ صندلانی نے اُسے دیکھ کر کہا جاؤ خدا کو سونپا، میں والی کے ایک کام سے بصرے جا رہا ہوں لو یہ میری طرف سے ہدیہ۔ اور اس نے ایک پٹاری حلوے کی نکالی اور ہماری کشتی میں پھینک دی، اس حلوے میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ ابراہیم نے کہا اے میری آنکھ کے تارے! کھا۔ وہ رونے لگی اس نے کہا اے ابراہیم! تو جانتا ہے کہ یہ کون ہے؟ وہ بولا ہاں، یہ فلاں شخص ہے۔ لڑکی نے کہا یہ میرا چچیرا بھائی ہے، ایک بار اس نے میرے ساتھ شادی کا پیغام بھیجا تھا میں نے قبول نہیں کیا، اب وہ بصرے جا رہا ہے، ضرور میرے باپ کو خبر کرے گا۔ میں نے کہا اے میرے آقا! اس کے بصرے پہنچنے سے پہلے ہم موصل پہنچ چکے ہوں گے، لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ غیب میں اُن کے لیے کیا پوشیدہ ہے۔

میں نے حلوا کھایا ابھی وہ پیٹ میں بھی نہ اُترا ہوگا کہ میرا سر جا کر زمین سے ٹکرایا۔ صبح ہوئی تو مجھے چھینک آئی اور بھنگ میری ناک سے نکل پڑی میں نے آنکھیں کھول دیں دیکھا کہ میں ننگا ایک کھنڈر میں پڑا ہوں۔ اپنا منہ پیٹنے لگا اور دل میں کہا یہ صندلانی کا فریب ہے۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جاؤں سوا پاجامے کے میرے بدن پر

ایک دھجی نہ تھی، میں اُٹھ کر آہستہ آہستہ چلنے لگا کیا دیکھتا ہوں کہ والی میری طرف چلا آ رہا ہے اس کے ساتھ اور لوگ ہیں تلواریں اور ڈھالیں لیے ہوے۔ ایک حمّام کا کھنڈر دیکھ کر میں وہاں چھپ گیا۔ اتنے میں میرا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا میں نے اسے ٹٹولا تو میرے ہاتھ خون میں لتھڑ گئے میں نے انھیں پاجامے سے پونچھا مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہے۔ میں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا تو وہ ایک مقتول پر جا پڑا اس کا سر میرے ہاتھ میں آ گیا۔ میں نے اسے پھینک دیا لاحول پڑھنے لگا اور حمّام کے ایک کونے میں جا کر چھپ رہا۔ اس اثنا میں والی حمّام کے دروازے پر آ کر ٹھیر گیا اور کہنے لگا اس کے اندر جا کر تلاش کرو اور دس آدمی مشعلیں لے کر اندر آئے۔ ڈر کے مارے میں ایک دیوار کے پیچھے جا چھپا دیکھا کہ مقتول ایک لڑکی ہے چودھویں رات کی طرح خوب صورت اس کا سر ایک طرف پڑا ہے اور دھڑ دوسری طرف وہ قیمتی کپڑے پہنے ہوے ہے۔ اسے دیکھ کر میرا دل دھڑکنے لگا والی نے اندر آ کر کہا ہر کونے میں ڈھونڈو۔ اب وہ اس جگہ آ گئے جہاں میں تھا اور ایک شخص کی نظر مجھ پر پڑ گئی، اس کے ہاتھ میں ڈیڑھ بالشت کا ایک خنجر تھا۔ جب وہ میرے پاس پہنچا تو کہنے لگا پاک ہے وہ ذات جس نے اس خوب صورت مکھڑے کو پیدا کیا! اے لڑکے! تو کہاں سے آیا ہے؟ اس کے بعد اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا اے لڑکے! تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ میں نے کہا خدا کی قسم میں نے نہیں قتل کیا ہے مجھے تو اس کے قاتل کی خبر تک نہیں، میں تو یہاں تمھارے ڈر کے مارے آ چھپا ہوں۔ اس کے بعد میں نے اسے سارا قصہ سُنا دیا اور کہا خدا کے لیے میرے اوپر ظلم نہ کر، میں خود اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں۔ اس نے مجھے لے جا کر

والی کے سامنے پیش کردیا۔ اس نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں پر خون کے نشان ہیں تو کہنے لگا اس کے لیے اب کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں، اس کی گردن اُڑا دو، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نوسوانسٹھویں رات

نوسوانسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! والی کہنے لگا اس کی گردن اُڑا دو۔ یہ سُن کر میں رونے لگا میرے آنسو بہنے لگے اور ایک چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا۔ میری یہ حالت جو دیکھی تو جلاد کا دل پسیج گیا اس نے کہا خدا کی قسم یہ قاتل کا چہرہ نہیں ہے۔ والی بولا اُڑا دو اس کی گردن۔ مجھے قتل کی چٹائی پر بٹھایا میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی جلاد نے تلوار لے کر والی سے اجازت مانگی اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اُڑا دے میں ہائے پردیس چلانے لگا اتنے میں چند سوار آ پہنچے اور ان میں سے ایک کہنے لگا اسے جانے دو، اے جلاد! اپنا ہاتھ روک لے۔ اس کا ایک عجیب وغریب سبب تھا وہ یہ کہ مصر کے عامل خصیب نے خلیفہ ہارون الرشید کے پاس اپنے حاجب کو بھیجا تھا اس کے ساتھ تحفے تحائف کر کے لکھا تھا کہ میرا بیٹا ایک سال سے غائب ہے میں نے سُنا ہے وہ بغداد میں ہے اس لیے میں خلیفہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مہربانی فرما کر اسے تلاش کرے اور حاجب کے ساتھ میرے پاس بھیج دے۔ خط پڑھ کر خلیفہ نے والی سے کہا اسے تلاش کر۔ والی اور خلیفہ اس کی تلاش میں تھے کہ انھیں خبر ملی وہ بصرے میں ہے اور خلیفہ

نے ایک خط لکھ کر مصری حاجب کے ہاتھ بصرے روانہ کیا۔ حاجب کو اپنے آقا کے بیٹے کا اتنا خیال تھا کہ وہ فوراً چل کھڑا ہوا اس نے دیکھا کہ وہ والی کے پاس مقتولوں کی چٹائی پر بیٹھا ہوا ہے۔ حاجب کو دیکھتے ہی والی گھوڑے سے اتر پڑا حاجب نے پوچھا یہ کون لڑکا ہے؟ حاجب کو اب تک یہ خبر نہ تھی کہ وہ عامل کا بیٹا ہے اس نے کہا کہ یہ تو قاتل کا چہرہ نہیں معلوم ہوتا اور حکم دیا کہ اس کی مشکیں کھول دی جائیں۔ جب لڑکا حاجب کے سامنے آیا تو وہ پہچان نہ سکا مصیبت نے اس کی خوبصورتی بدل دی حاجب نے کہا اے لڑکے! اپنا حال بیان کر اور یہ مقتول لڑکی تیرے قریب کیسی ہے؟

لیکن ابراہیم حاجب کو دیکھ کر پہچان گیا اور کہنے لگا بھلے مانس! تو نے مجھے پہچانا نہیں؟ کیا میں تیرے آقا کا بیٹا ابراہیم نہیں ہوں؟ غالباً تو میرے ہی کھوج میں آیا ہے حاجب نے اسے غور سے دیکھ کر پہچان لیا اور اس کے قدموں پر گر پڑا۔ والی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور حاجب اس سے کہنے لگا ظالم، ستیاناس ہو تیرا! کیا تو مصر کے عامل میرے آقا خصیب کے بیٹے کو قتل کرنا چاہتا ہے؟ والی نے حاجب کا دامن چوم کر کہا اے میرے مولا! میں اسے کیوں کر پہچان سکتا جب کہ وہ اس حالت میں تھا اور لڑکی قتل کی ہوئی اس کے پاس پڑی تھی! حاجب بولا ستیاناس ہو تیرا! اس لڑکے کی عمر پندرہ برس کی ہے اور ابھی تک اس نے ایک چڑیا کو بھی نہیں مارا، پھر وہ انسانوں کو کیوں کر قتل کر سکتا ہے! تو نے اس سے سارا ماجرا پوچھا بھی یا نہیں؟ والی اور حاجب دونوں نے سپاہیوں سے کہا قاتل کو ڈھونڈو اور وہ دوبارہ حمام کے اندر

گئے قاتل ان کی نظر پڑ گیا وہ اُسے پکڑ کر والی کے پاس آئے۔ والی اُسے خلیفہ کے پاس لے گیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ لڑکی کے قاتل کو قتل کر دیا جائے اور کہا کہ خصیب کے بیٹے کو حاضر کرو۔

ابراہیم خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا تو وہ مسکرایا اور کہنے لگا اپنا قصہ بیان کر۔ ابراہیم نے شروع سے لے کر آخر تک سُنا دیا۔ خلیفہ کو بڑا افسوس ہوا اور اس نے سرور کو بُلا کر کہا کہ فوراً ابوالقاسم صندلانی کے گھر پر دھاوا بول دے اُسے اور لڑکی کو لے آ۔ سرور نے جا کر دیکھا کہ لڑکی اپنے بالوں میں بندھی پڑی ہے اسے کھول کر صندلانی کے ساتھ خلیفہ کے پاس لے آیا۔ رشید لڑکی کا حُسن دیکھ کر دنگ ہو گیا اور حکم دیا کہ صندلانی کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالو جن سے اس نے اس لڑکی کو مارا ہے اور پھر اُسے سولی پر چڑھا دو اس کی تمام نقدی اور جایداد ابراہیم کو دے دو۔ اتنے میں جمیلہ کا باپ ابواللیث جو بصرے کا عامل تھا آ پہنچا تاکہ وہ خلیفہ سے خصیب کے بیٹے کی شکایت کرے کہ وہ اس کی بیٹی کو بھگا لے گیا ہے۔ رشید بولا اُسی کی وجہ سے تو وہ تکلیف اور قتل سے بچ گئی۔ پھر اس نے ابراہیم کو بلوایا اور ابواللیث سے کہا کیا تو راضی ہے کہ یہ لڑکا جو مصر کے عامل کا بیٹا ہے تیری بیٹی کا شوہر بن جائے؟ اس نے جواب دیا خدا کا اور تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ خلیفہ نے قاضی اور گواہوں کو بُلوا کر دونوں کا نکاح کرا دیا اور ابراہیم بن خصیب کو صندلانی کا سارا مال دے کر اس کے وطن بھجوا دیا، دونوں بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ مزدن کو گرا اور صحبتوں

کو درہم برہم کرنے والی موت آپہنچی، پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں۔

معتضد باللہ اور ابوالحسن خراسانی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ! معتضد باللہ بڑا عالی ہمت اور شریف النفس انسان تھا۔ محض بغداد میں اس کے چھ سو وزیر تھے اور لوگوں کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ ایک روز وہ اور ابن حمدون رعایا کی سیر کرنے نکلے تاکہ دیکھیں کہ کیا نئی باتیں پیش آتی ہیں لیکن گرمی اتنی تیز پڑ رہی تھی کہ وہ سڑک کو چھوڑ کر ایک گلی میں پھر گئے انھوں نے دیکھا کہ گلی کے صدر میں خوب صورت اور بلند ایک حویلی ہے جس سے حویلی کے مالک کی تعریف ٹپکتی ہے۔ دونوں دروازوں پر ستانے کی غرض سے ٹھیر گئے۔ اتنے میں اندر سے دو نوکر نکلے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح تھے اور ایک دوسرے سے کہنے لگا کاش ایک اور مہمان آگیا ہوتا کیوں کہ ہمارا آقا بغیر دو مہمانوں کے کھانا نہیں کھاتا اور اس وقت تک مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ سن کر خلیفہ کو تعجب ہوا وہ کہنے لگا ثابت ہوتا ہے کہ مکان والا بڑا سخی ہے، ہمیں چاہیے کہ اندر چل کر اس کی مروّت کا تجربہ کریں، ممکن ہے کہ اس وجہ سے وہ ہمارے انعام کا مستحق ہو جائے۔ اب اس نے غلام سے کہا اپنے آقا سے جاکر کہو کہ چند پردیسی اندر آنا چاہتے ہیں۔ خلیفہ کا دستور تھا کہ جب وہ اپنی رعیت کی سیر کرنے جاتا تو تاجروں کا بھیس بدل لیتا۔ نوکر نے اندر جاکر خبر دی اس کا آقا خوش ہو کر خود باہر نکل

آیا دیکھا کہ وہ نہایت خوب صورت ہی، نیشاپوری قمیص پہنے ہوے اس کی قبا سنہری ہی وہ عطر میں بسا ہوا ہی اور اس کی انگلی میں یاقوت کی ایک انگوٹھی ہی۔ انھیں دیکھتے ہی وہ بولا آقاؤں! خوش آمدید، تم نے قدم رنجہ فرما کر مجھ پر بڑا احسان کیا مکان کے اندر داخل ہوتے ہی وہ اپنا گھر بار بھول گئے کیوں کہ وہ جنت کا ایک ٹکڑا تھا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔۔۔۔

نوسوساٹھویں رات

نوسوساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! خلیفہ اندر جاکر اپنے گھر بار کو بھول گیا کیوں کہ وہاں ایک باغ تھا جس میں ہر قسم کے درخت تھے اور تمام کمروں میں قیمتی قیمتی فرش بچھے ہوے۔ معتضد بیٹھ کر مکان اور فرش کو غور سے دیکھنے لگا۔ ابن حمدون کا بیان ہی کہ میں نے دیکھا خلیفہ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا ہی۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا خدا خیر کرے آج وہ ناراض معلوم ہوتا ہی۔ اتنے میں لوگ ایک سونے کا تشت لائے ہم نے ہاتھ دھوے، پھر انھوں نے ایک ریشمی چادر بچھا کر اس پر خیزران کا دسترخوان لگایا۔ جب رکابیوں پر سے سرپوش اٹھائے گئے تو کھانے اس طرح رکھے ہوے تھے جیسے بہار کے پھول بہترین زمانے میں۔ اب مکان کے مالک نے کہا اے آقاؤں! بسم اللہ، بھوک میرے چٹکیاں لے رہی ہی، مجھ پر مہربانی کرکے کھانا شروع کرو جیسے بزرگ لوگ کیا کرتے ہیں۔ مکان کا مالک مرغیوں کے ٹکڑے کرکے ہمارے آگے سرکاتے ہوے مذاق کرتا، اشعار پڑھتا، کہانیاں سناتا اور مجلس کی شان کے

لائق لطیفے بیان کرتا جاتا۔ ابن حمدون کا بیان ہے کہ ہم کھا پی کر ایک دوسرے کمرے میں گئے جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو گئی جہاں نفیس خوشبوئیں مہک رہی تھیں وہاں اس نے ہمارے آگے عمدہ عمدہ پھل اور مٹھائیاں رکھیں لیکن باوجود ان تمام باتوں کے خلیفہ کی تیوری برابر چڑھی رہی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی، حالاں کہ میں جانتا تھا کہ وہ ہنسی مذاق کو بہت پسند کرتا ہے اور یہ بھی کہ اس میں نہ حسد کا مادّہ ہے نہ ظلم کا۔ اس کے بعد چاندی اور بلّور کے برتنوں میں شراب لائی گئی، مکان کے مالک نے خیزران کی چھڑی ایک کمرے کے دروازے پر ماری، دروازہ کھلا اس میں سے تین باکرہ اور اُبھرے ہوئے سینے والی لڑکیاں نکلیں، ان کا چہرہ ایسا تھا جیسے چوتھے پہر کا سورج، ایک ستار بجانے والی دوسری رباب بجانے والی اور تیسری ناچنے والی۔

ابن حمدون کا بیان ہے کہ اس نے ہمارے اور تینوں لڑکیوں کے بیچ میں ایک زربفت کا پردہ ڈال دیا جس کی جھالر ریشم کی تھی اور حلقے سونے کے۔ خلیفہ ان میں سے کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوا اور نہ مکان والے کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا مہمان کون ہے۔ بالآخر خلیفہ نے اس سے پوچھا کیا تو امرا میں سے ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، میں سوداگر زادہ ہوں لوگ مجھے ابوالحسن علی بن احمد خراسانی کہتے ہیں۔ خلیفہ نے کہا اور تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں؟ وہ بولا خدا کی قسم میں تم دونوں بزرگوں میں سے کسی کو نہیں جانتا۔ ابن حمدون نے کہا یہ امیرالمومنین معتضد باللہ متوکل علی اللہ کا پوتا ہے۔ اتنا سنتے ہی وہ شخص اٹھا خلیفہ کے آگے زمین چومی مارے ڈر کے کانپنے لگا اور کہا امیرالمومنین! تجھے میں تیرے

پاک بزرگوں کا واسطہ دیتا ہوں اگر مجھ سے کوئی تقصیر یا بے ادبی سرزد ہوئی ہو تو معاف کیجیو۔ خلیفہ نے کہا جو بھلائی تو نے ہمارے ساتھ کی ہے اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی لیکن جو بات مجھے ناپسند ہے اس کے متعلق اگر تو نے سچ سچ کہہ دیا اور میری سمجھ میں آ گیا تو تیری خیریت ہے اور اگر تو نے ٹھیک بات نہ کہی تو میں ظاہری حالت پر فیصلہ کر کے اتنی سخت سزا دوں گا کہ کسی کو بھی نہ دی ہو گی۔ اس نے کہا خدا نہ کرے کہ میں تجھ سے جھوٹ بولوں لیکن اے امیر المومنین! بتا تو سہی کہ میری کون سی بات تجھے ناپسند ہے؟ خلیفہ بولا جب سے میں تیرے ہاں آیا ہوں میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہر برتن، فرش اور زیب و زینت کی تمام چیزوں یہاں تک کہ تیرے کپڑوں پر بھی میرے دادا متوکل علی اللہ کا نام ہے۔ اس نے کہا درست ہے، اے امیر المومنین! خدا تیری مدد کرے! سچائی تیرا لباس ہے، صدق تیری چادر اور کسی کی یہ ہمت نہیں کہ تیرے آگے سچ کے علاوہ کچھ کہہ سکے۔ خلیفہ نے کہا بیٹھ جا جب وہ بیٹھ گیا تو خلیفہ بولا اب کہہ۔

اس نے کہا امیر المومنین! سُن، بغداد میں نہ مجھ سے زیادہ مال دار کوئی شخص تھا نہ میرے باپ سے۔ اب اس کا سبب سُن جس کی وجہ سے تو مجھ سے ناراض ہے۔ میرے باپ کا کاروبار صرّاف، عطّار اور بزّازہ بازاروں میں تھا ان تمام جگہوں میں اس کی دُکانیں تھیں جہاں اس کے وکیل اور سامان رہا کرتا۔ صرّاف بازار والی دُکان کے اندر ایک کمرہ تھا جس میں وہ لوگوں سے تنہائی میں ملا کرتا اور دُکان خرید و فروخت کے لیے تھی۔ اس کے مال و دولت کی نہ حد تھی نہ شمار اور میں اس کا اکلوتا بیٹا تھا وہ مجھے بہت چاہتا۔ جب وہ مرنے کے قریب ہوا تو اس نے مجھے بُلا کر وصیت کی کہ ماں کی خبر گیری رکھیو اور خدا سے ڈرتا رہیو۔ اس کے بعد اس کا

انتقال ہوگیا، رحمۃ اللہ علیہ ! خدا امیر المومنین کو قائم رکھے! اب میں کھانے پینے اور مزے اُڑانے لگا، یار دوستوں کی صحبتوں میں پڑ گیا۔ ماں مجھے برابر منع کرتی رہی لیکن میں نے اس کی ایک نہ سُنی یہاں تک کہ سارا مال ختم ہوا۔ اس کے بعد میں نے ایک ایک کر کے جایدادیں بیچنی شروع کر دیں اور سوا اُس گھر کے جس میں میں رہتا تھا کچھ باقی نہ رہا۔ اے امیر المومنین! وہ بڑا خوب صورت مکان تھا، میں نے اپنی ماں سے کہا اُسے میں بیچنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا بیٹا! اگر تو اسے بھی بیچ ڈالے گا تو لوگوں میں بدنامی ہوگی اور تیرے رہنے کے لیے کوئی گھر بھی باقی نہ رہے گا۔ میں نے کہا وہ پانچ ہزار دینار میں بکے گا میں ایک دوسرا مکان ایک ہزار دینار میں خرید کر باقی سے تجارت کروں گا۔ ماں نے کہا کیا اس گھر کو ان داموں تو میرے ہاتھ بیچے گا؟ میں نے کہا ہاں۔ ماں نے ایک صندوق کھول کر اس میں سے ایک چینی کا پیالہ نکالا جس میں پانچ ہزار دینار رکھے۔ انھیں دیکھ کر مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا گھر سونے سے بھرا ہوا ہے۔ ماں نے کہا بیٹا! یہ گمان نہ کیجیو کہ یہ مال تیرے باپ کا ہے۔ خدا کی قسم بیٹا! یہ میرے باپ کا مال ہے اور میں نے اسے اس لیے اٹھا رکھا تھا کہ بُرے وقت کام آئے۔ جب تک تیرا باپ زندہ تھا مجھے اس مال کی ضرورت نہیں پڑی اس وقت میں مال دار تھی۔

اے امیر المومنین! میں نے دام اس سے لے لیے اور پہلے کی طرح گلچھرے اُڑانے لگا اور وہ پانچ ہزار دینار بھی خرچ ہو گئے، میں نے دوبارہ ماں سے کہا کہ میں اس گھر کو بیچنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا بیٹا! میں نے منع کیا تھا کہ نہ بیچ کیوں کہ میں جانتی تھی کہ اس کی تجھے ضرورت

ہے، اب تو دوبارہ اُسے کیسے بیچ سکتا ہے؟ میں نے کہا زیادہ باتیں نہ بنا، میں اسے بیچ کر رہوں گا۔ اس نے کہا کہ میں پندرہ ہزار دینار میں خریدتی ہوں بہ شرطے کہ میں خود تیرا انتظام کروں۔ میں نے اس شرط پر اس کے ہاتھ مکان بیچ دیا۔ اس نے باپ کے وکیلوں کو بلاکر ہر ایک کو ایک ایک ہزار دینار دیے، سارا مال اپنے قبضے میں رکھا خود لین دین کرنے لگی اور مجھے کچھ دام دے کر کہا اس سے تجارت کر اور اپنے باپ کی دُکان پر جاکر بیٹھ۔ امیرالمومنین! جیسا میری ماں نے کہا تھا میں نے کیا اور صرّاف بازار میں جاکر دُکان کھول دی خوب کمائی ہونے لگی۔ میری یہ حالت دیکھ کر ماں نے تمام ہیرے جواہرات، موتی اور سونا دکھا دیا جو اس نے جمع کر رکھا تھا۔ اب میری تمام جایدادیں واپس آگئیں جو میں نے اُڑا دی تھیں اور میں پہلے کی طرح مال دار ہوگیا۔ امیرالمومنین! ایک دن جب کہ میں دُکان پر بیٹھا تھا ایک لڑکی آئی جس سے زیادہ حسین کسی کی نظر سے نہ گزری ہوگی اور کہنے لگی ابوالحسن علی بن احمد خراسانی کی دُکان یہی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ میں نے کہا میں ہوں، لیکن اے امیرالمومنین! اس کا حُسن دیکھ کر میری عقل دنگ تھی۔ وہ بیٹھ گئی اور مجھ سے کہا اپنے غلام سے کہ مجھے تین سو دینار تول دے۔ میں نے غلام سے کہا۔ اس نے تول دیے وہ انھیں لے کر چل دی اور میں ہکّا بکّا دیکھتا رہ گیا۔ غلام نے مجھ سے پوچھا تو اسے پہچانتا ہے؟ میں بولا نہیں۔ اس نے کہا پھر تو نے مجھ سے کیوں کہا کہ اسے تول دے؟ میں نے جواب دیا اس کے حُسن و جمال سے میں اتنا بدحواس ہوگیا تھا کہ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میں نے کیا کہا۔

بغیر مجھ سے کچھ کہے غلام اس کے پیچھے ہولیا تھوڑی دیر کے بعد لوٹا تو اس کے آنسو نکل رہے تھے اور منھ پر تھپڑ کا نشان تھا۔ میں نے پوچھا خیریت تو ہے؟ اس نے کہا میں لڑکی کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا کہ دیکھوں وہ کہاں جاتی ہے لیکن جوں ہی اسے یہ معلوم ہوا اس نے پھر کر اس زور سے میرے طمانچہ مارا کہ قریب تھا میری آنکھ نکل پڑے۔ اے امیرالمومنین! اس کے بعد ایک مہینے تک میں اس کی راہ دیکھتا رہا وہ نہ دکھائی دی۔ چاند رات کے دن وہ پھر آئی اور سلام کیا، مارے خوشی کے میں باغ باغ ہوگیا۔ اس نے میری خیریت پوچھی کہنے لگی شاید تو نے اپنے دل میں کہا ہوگا کہ یہ کون دغاباز عورت تھی جو میرے دام لے کر چلتی بنی۔ میں نے جواب دیا اے میری آقا! میرا مال اور میری جان دونوں تیرے ہیں۔ اس نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دی اور سستانے کی غرض سے بیٹھ گئی اس کا لباس اور گہنا اس کے چہرے اور سینے پر کھیلنے لگا، اس نے کہا میرے لیے تین سو دینار اور تول دے۔ میں نے کہا سر آنکھوں سے اور دینار تول کر اُسے دے دیے وہ انھیں لے کر روانہ ہوئی۔ میں نے غلام سے کہا اس کے پیچھے پیچھے جا وہ جاکر فوراً ہی بدحواسی کے ساتھ لوٹ آیا۔ ایک مدت کے بعد وہ پھر آئی تھوڑی دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہی اور کہا پانسو دینار تول دے، مجھے ضرورت ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس سے پوچھوں آخر کس بات پر میں تجھے دام دوں لیکن اس کی محبت کی وجہ سے میری زبان بند ہوگئی میں نے چپکے سے پانسو دینار تول کر اسے دے دیے اور وہ لے کر چل دی۔ اب میں خود اس کے پیچھے پیچھے ہولیا میں نے دیکھا کہ جوہری بازار پہنچ کر اس نے ایک شخص

سے ایک ہار خریدا اور پلٹ کر مجھ سے کہا پانسو دینار مجھے تول دے جب ہار والے کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے اٹھ کر میری تعظیم کی اور میں نے اس سے کہا اسے ہار دے دے، دام میں دوں گا۔ اس نے ہار دے دیا اور لڑکی ہار لے کر آگے بڑھ گئی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی.....

نوسو اکسٹھویں رات

نوسو اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! لڑکی ہار لے کر آگے بڑھ گئی۔ ابوالحسن خراسانی کہتا ہی کہ میں اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا دیکھا کہ دجلے پہنچ کر وہ ایک کشتی پر جا بیٹھی۔ میں نے زمین کی طرف اشارہ کیا گویا میں اس کے آگے زمین چومتا ہوں لیکن وہ ہنستی ہوئی چل دی۔ میں اسے برابر دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک محل میں داخل ہو گئی، غور سے دیکھنے پر مجھے یہ پتا چلا کہ وہ خلیفہ متوکل کا محل ہی۔ ای امیرالمومنین! اب میں وہاں سے لوٹا اور اپنے دل میں کہنے لگا وہ میرا مال بھی لے گئی اور عقل بھی اور اب میری جان بھی اس کی محبت میں چلی جائے گی۔ گھر جا کر میں نے ماں سے سارا ماجرا بیان کیا، اس نے کہا بیٹا، خبردار! اب اس سے کوئی واسطہ نہ رکھیو ورنہ تو تباہ ہو جائے گا۔ جب میں دکان پہنچا تو میرا عطار بازار والا وکیل آیا جو بہت بوڑھا تھا اور کہنے لگا ای میرے آقا! تیری حالت متغیر کیوں ہی؟ میں نے سارا ماجرا بیان کیا وہ کہنے لگا بیٹا! یہ کنیز خلیفہ کی چہیتی کنیز ہی، اب تک جو تیرا مال گیا اس کا دھیان دل سے نکال ڈال اور اگر وہ پھر

آئے تو خبردار! اسے منہ نہ لگائیو اور مجھے اس کی خبر کیجیو تاکہ میں کوئی تدبیر نکالوں جس سے تیری جان بچے۔ جب چاند رات ہوئی تو وہ پھر آئی میں اسے دیکھ کر باغ باغ ہو گیا، اس نے پوچھا تو نے میرا پیچھا کیوں کیا تھا؟ میں نے کہا عشق کی زیادتی کی وجہ سے۔ یہ کہہ کر میں اس کے سامنے رونے لگا اس پر اسے اتنا ترس آیا کہ وہ بھی رو پڑی اور کہنے لگی جتنی محبت تیرے دل میں میری طرف سے ہے اس سے زیادہ میرے دل میں تیری طرف سے ہے۔ لیکن کیا کرنا چاہیے؟ میرے اختیار میں اس سے زیادہ نہیں کہ میں تجھے مہینے میں ایک بار آکر دیکھ جایا کروں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک پرچہ مجھے دیا کہ اسے فلاں جگہ فلاں شخص کے پاس لے جا، وہ میرا وکیل ہے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس سے لے لے۔ میں بولا مجھے کسی مال کی حاجت نہیں بلکہ میرا جان مال تجھ پر قربان ہے۔ اس نے کہا میں جلد کوئی نہ کوئی اس کی تدبیر نکالوں گی کہ تیری پہنچ مجھ تک ہو جائے خواہ اس میں مجھے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے۔

یہ کہہ کر وہ مجھ سے رخصت ہوئی میں نے بوڑھے عطر فروش کو یہ قصہ بھی جا سنایا۔ وہ مجھے متوکل کے محل تک لے گیا میں نے دیکھا کہ یہ وہی محل ہے جہاں لڑکی گئی تھی۔ بوڑھا پریشان تھا کہ کیا تدبیر نکالے اتنے میں اس کی نظر ایک درزی پر پڑی جس کی دکان محل کے جھروکے کے سامنے تھی اور جس میں کئی شاگرد کام کر رہے تھے۔ بوڑھے نے کہا بس اسی سے تیرا مقصد پورا ہوگا لیکن اپنا گریبان پھاڑ ڈال اور جا کر اس سے کہہ کہ اسے سی دے۔ جب وہ سی دے تو اسے دس دینار دے دیجیو۔ میں درزی کے پاس دو رومی زربفت کے ٹکڑے لے گیا اور کہا ان کی

چار صدریاں سی دے دو لمبی اور دو چھوٹی آستینوں والی۔ جب اس نے صدریاں سی کر تیار کر دیں تو میں نے اس کی مزدوری سے کئی گنے زیادہ دام دیے اور اس سے کہا یہ صدریاں اپنے لیے رہنے دے۔ اب میں اس کی دُکان پر دیر تک بیٹھا رہنے لگا۔ اس کے بعد اس سے اور بہت سے کپڑے سلوائے اور کہا کہ انھیں دُکان کے آگے لٹکا دے، تاکہ لوگ انھیں دیکھ کر خریدیں۔ جو کوئی خلیفہ کے محل میں سے آتا اور کسی کپڑے کو پسند کرتا میں اسے بے دام دے دیتا یہاں تک کہ دربان کو بھی کئی کپڑے دے دیے۔ ایک دن درزی کہنے لگا بیٹا! مہربانی کرکے یہ تو بتا کہ تیرا قصّہ کیا ہے، تو نے سو کے قریب قیمتی کپڑے مجھ سے سلوائے ہیں جن میں ایک سے ایک بڑھ کر قیمتی ہے اور اکثر ان میں سے تو نے لوگوں کو مُفت دے دیے۔ یہ تاجروں کا کام نہیں وہ تو ایک ایک درہم گن کر رکھتے ہیں۔ تیری پونجی کتنی ہے کہ تو اس قدر بخششیں کرتا ہے اور سال میں تیری کتنی آمدنی ہے؟ سچ سچ کہہ دے تاکہ میں تیری مطلب برآری میں کوشش کروں۔ اس کے بعد وہ بولا تجھے خدا کی قسم سچ بتا کسی پر عاشق تو نہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے پوچھا کس پر؟ میں نے کہا خلیفہ کے محل کی ایک کنیز پر۔ وہ بولا ستیاناس کرے خدا ان کا! کتنے لوگوں کو انھوں نے پریشان کر رکھا ہے! تو اس کا نام جانتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا اس کا حُلیہ بیان کر۔ جب میں نے اس کا حُلیہ بیان کیا تو وہ کہنے لگا ستیاناس ہو اس کا! وہ خلیفہ متوکل کی چہیتی ستار بجانے والی کنیز ہے، لیکن اس کا ایک غلام ہے، میں تیرے اور اس کے درمیان دوستی کرا دوں گا، ممکن ہے اس کے ذریعے سے تیری رسائی ہو جائے۔

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہی غلام آ پہنچا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چودھویں رات کا چاند نکل آیا۔ اس وقت میرے سامنے رنگ بہ رنگ زربفت کے کپڑے تھے جو درزی نے میرے لیے سیے تھے، غلام انھیں غور سے دیکھنے لگا پھر آگے بڑھ کر میرے پاس آیا۔ میں نے بڑھ کر اسے سلام کیا، اس نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا تاجر۔ اس نے کہا کیا یہ کپڑے بیچتا ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ اس نے پانچ کپڑے پسند کرکے پوچھا ان پانچ کے کیا دام ہیں؟ میں نے کہا مفت نذر ہیں تاکہ تیرے اور میرے درمیان دوستی ہو جائے۔ یہ سن کر وہ خوش ہو گیا پھر میں گھر جا کر اس کے لیے ایک اور لباس لے آیا جس میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے جس کی قیمت تین ہزار دینار تھی اور اس کے پاس لے گیا اس نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد وہ مجھے محل کے اندر ایک کمرے میں لے گیا اور کہا تاجروں میں تو کس نام سے مشہور ہے؟ میں نے کہا ایک تاجر کے نام سے۔ اس نے کہا تو نے مجھے شک میں ڈال رکھا ہے۔ میں نے کہا یہ کیسے؟ وہ بولا تو نے مجھے اتنی بیش بہا چیزیں دیں کہ میرے دل پر قبضہ کر لیا اور مجھے یقین ہے کہ تو ابوالحسن خراسانی صرّاف ہے۔ اے امیرالمومنین! یہ سن کر میں رونے لگا۔ اس نے کہا کیوں روتا ہے؟ واللہ جس کی خاطر تو رو رہا ہے اس کے دل میں تیری طرف سے اتنی محبت ہے کہ تیرے دل میں بھی اس کی طرف سے نہ ہو گی، اور محل کی کنیزوں میں تم دونوں کا ماجرا پھیل گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا میری مصیبت میں مدد کر۔ اس نے دوسرے دن کا وعدہ کیا اور میں گھر چلا گیا۔ دوسرے دن صبح سویرے

میں اس کے کمرے میں گیا اس نے کہا کل جب وہ خلیفہ کی خدمت سے لوٹی تو میں نے اس سے تیرا سارا قصہ بیان کیا اور وہ تجھ سے ملنا چاہتی ہے، شام تک یہاں ٹھیرا رہ۔ جب شام ہوئی تو غلام ایک قمیص لایا جو سونے کے تاروں سے بنی ہوئی تھی اور خلیفہ کے پہننے کی ایک پوشاک۔ مجھے یہ دونوں چیزیں پہنا کر اس نے خوش بوؤں کی دھونی دی اور میں ہوبہو خلیفہ کی طرح ہو گیا۔ اس کے بعد وہ مجھے ایک جگہ لے گیا جہاں دو رویہ کمرے تھے اور کہنے لگا یہ خاص خاص کنیزوں کے کمرے ہیں، جب تو یہاں سے گزرے تو ہر دروازے پر ایک ایک پھلی رکھ دیجیو، خلیفہ ہر رات ایسا ہی کرتا ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔ ۔ ۔ ۔

نو سو باسٹھویں رات

نو سو باسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! غلام نے کہا کہ پھلیاں رکھتے رکھتے تو کمروں کی ایک اور قطار پر پہنچے گا جو تیرے داہنی طرف ہوگی۔ وہاں تجھے ایک کمرہ ملے گا جس کا دروازہ مرمر کا ہوگا۔ اسے اپنے ہاتھ سے چھوئیو اور اندر داخل ہو جائیو، وہیں تیری محبوبہ تجھے مل جائے گی۔ اب رہا وہاں سے باہر آنا تو خدا یہ بھی میرے لیے آسان کر دے گا خواہ تجھے صندوق ہی میں بند کرکے کیوں نہ لانا پڑے۔ یہ کہہ کر وہ تو چل دیا میں دروازے گننے اور ہر دروازے پر ایک ایک پھلی رکھنے لگا۔ جب میں کمروں کے بیچ میں پہنچا تو مجھے شور غل سنائی دیا اور شمعوں کی روشنی بڑھتے بڑھتے میرے پاس تک

پہنچ گئی۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ خلیفہ ہے اور اس کے اِرد گرد شمعیں لیے ہوئے کنیزیں ہیں۔ میں نے ایک کنیز کو دوسری سے کہتے سُنا بہن! کیا ہمارے دو خلیفہ ہیں؟ ایک خلیفہ تو ابھی میرے کمرے کے پاس سے گزرا تھا۔ مجھے عطر کی خوش بو آئی تھی اس نے میرے دروازے پر دستور کے موافق پھلی بھی رکھی اب مجھے پھر خلیفہ کی شمعوں کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ دوسری کنیز نے کہا یہ عجیب و غریب بات ہے کیوں کہ یہ کسی کی ہمت نہیں کہ وہ خلیفہ کے کپڑے پہنے۔ جب روشنی میرے قریب پہنچی تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اتنے میں ایک غلام نے پکار کر کہا کنیزو! اس طرف آؤ، وہ سب ایک کمرے میں داخل ہو گئیں اور وہاں سے نکل کر میری محبوبہ کے کمرے کے پاس پہنچیں خلیفہ نے پوچھا یہ کس کا کمرہ ہے؟ انھوں نے کہا شجرۃ الدر کا۔ خلیفہ بولا اسے بلاؤ اور اس نے نکل کر خلیفہ کے قدم لیے۔

خلیفہ نے شجرۃ الدر سے پوچھا آج رات پیے گی؟ اس نے جواب دیا اگر تیرے قدموں میں ہوں گی اور تیرا دیدار ہوتا رہے گا تو پیوں گی ورنہ آج مجھے شراب کی خواہش نہیں۔ خلیفہ نے غلام کو حکم دیا خزانچی سے کہہ کہ اسے فلاں ہار دے دے، اور ساتھیوں سے کہا اس کے کمرے میں چلو۔ شجرۃ الدر اندر گئی اور خلیفہ بھی اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اُن کے آگے آگے ایک لڑکی تھی جس کے چہرے کی روشنی اس شمع پر غالب تھی جو اس کے ہاتھ میں تھی۔ جب وہ میرے قریب آئی تو اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ اس کے بعد وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی اور کہا تو کون ہے؟ میں نے اس کے آگے زمین چومی اور کہنے لگا ای میری

آقا! تجھے میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں میرا خون نہ خشک کر بلکہ میرے اوپر رحم کھا۔ یہ کہہ کر مارے ڈر کے میں رونے لگا۔ وہ بولی بے شک تو چور ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں چور نہیں، کیا صورت سے میں چور معلوم ہوتا ہوں؟ اس نے کہا اگر تو سچ سچ بتا دے تو میں تجھے پناہ دے دوں گی۔ میں نے کہا میں ایک ناسمجھ اور بے وقوف عاشق ہوں، عشق اور ناسمجھی نے مجھے اس بھنور میں لا پھنسایا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ جا کر زنانے کپڑے لے آئی اور مجھے پہنا کر اپنے کمرے میں لے گئی ایک تخت پر مجھے بٹھا کر کہا ڈر نہیں کیا تو، خراسانی صرّاف ابوالحسن نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ بولی تیرے سچ بولنے پر خدا نے تیرا خون معاف کر دیا ورنہ تو مارا جاتا خاص کر اس وجہ سے کہ تو خلیفہ کے کپڑے پہنے ہوئے اور اس کا عطر لگائے ہوئے ہے۔ اگر تو واقعی ابوالحسن ہے تو بے خوف ہو جا کیوں کہ تو شجرۃ الدر کا محبوب ہے اور وہ میری بہن ہے ہمیشہ تیرا ذکر کیا کرتی ہے اس نے تیرا سارا قصّہ مجھ سے بیان کیا ہے۔ جتنا تو اُسے چاہتا ہے اس سے زیادہ وہ تجھے چاہتی ہے لیکن تو یہاں آیا کیسے؟ اس کے کہنے پر یا بغیر اُس کے کہے تو نے اپنی جان ہلاکت میں ڈالی؟ اس سے ملنے میں تیرا کیا مقصد ہے؟

میں نے جواب دیا اے میری آقا! واللہ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر یہاں آیا ہوں، میرا مقصد سوا اس کے کچھ نہیں کہ اُسے دیکھوں اور اس کی باتیں سنوں۔ اس کے علاوہ کبھی میرے دل میں اس کی طرف سے کوئی بُرا خیال نہیں آیا ہے۔ اس نے کہا اسی نیک نیتی کی وجہ سے خدا نے تجھے بچا لیا اور میرے دل میں تیری طرف سے رحم ڈال دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی باندی سے کہا شجرۃ الدر کے پاس جا کر کہہ

تیری بہن تجھے سلام کہتی اور بلاتی ہے اس کا دل گھبرا رہا ہے۔ باندی جاکر یہ جواب لائی کہ خدا تیرا سایہ میرے اوپر قائم رکھے اور میں تجھ پر قربان جاؤں ۔اگر تو کسی اور وقت مجھے بلاتی تو میں دریغ نہ کرتی لیکن اس وقت خلیفہ کے سر کے درد کی وجہ سے میں مجبور ہوں اور تو جانتی ہے کہ وہ میری کتنی عزت کرتا ہے۔ اس نے باندی سے کہا کہ پھر جا کر اس سے کہہ کہ تجھے ضرور آنا ہوگا کیوں کہ میں تجھ سے ایک راز کی بات کہنا چاہتی ہوں۔ باندی جاکر اسے لے آئی، بہن نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا اسے گلے لگایا اور کہا اے ابوالحسن! نکل کر اس کے ہاتھ چوم۔ میں کمرے کے پیچھے ایک کوٹھری میں تھا وہاں سے نکل آیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ مجھ سے لپٹ گئی مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور کہا اپنا ماجرا سنا۔ میں نے سارا ماجرا سنایا تو کہنے لگی مجھے افسوس ہے کہ تجھے ایسی ایسی تکلیفیں اٹھانی پڑیں خیر شکر ہے خدا کا کہ تو صحیح و سلامت بچ گیا اور تیری سلامتی کی انتہا ہے کہ میرے اور میری بہن کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بہن سے کہا ہم نے عہد کیا ہے کہ حرام کاری نہ کریں گے لیکن چونکہ اس نے میری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے اور مصیبتیں جھیلی ہیں میں اس کے قدموں کی خاک اور جوتوں کی مٹی بن کر رہوں گی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔۔۔۔

نوسو تریسٹھویں رات

نوسو تریسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!

لڑکی نے اپنی بہن سے کہا میں اس کے قدموں کی خاک اور جوتوں کی مٹی بن کر رہوں گی۔ بہن نے جواب دیا اسی نیت کی وجہ سے خدا نے اسے نجات دی۔ لڑکی نے کہا تو دیکھ لے گی کہ میں حلال طریقے سے اس سے ملوں گی اور اس مقصد کے حاصل کرنے میں میں اپنی جان لڑا دوں گی۔

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ بڑا شور و غل اٹھا ہم نے دیکھا کہ خلیفہ شجرۃ الدر کے کمرے میں آرہا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے مجھے تہ خانے میں بند کر دیا اوپر سے تختہ لگا دیا اور جا کر خلیفہ کا خیر مقدم کیا۔ خلیفہ آکر بیٹھ گیا وہ کھڑی ہو کر اس کی خدمت کرنے لگی اور حکم دیا کہ شراب لائی جائے۔ خلیفہ ایک کنیز کو بہت چاہتا تھا جس کا نام بنجہ تھا اور جو معتز باللہ کی ماں تھی لیکن اس کنیز نے خلیفہ کو چھوڑ رکھا تھا اور خلیفہ نے اسے، وہ وہ اپنے حسن و جمال کے گھمنڈ میں متوکل سے صلح نہ کرتی اور متوکل اپنی خلافت اور بادشاہت کے زعم میں اس سے صلح نہ کرتا اور اس کے آگے نہ جھکتا، حالاں کہ اس کی محبت اس کے دل میں شعلے مار رہی تھی۔ تاہم وہ اور کنیزوں سے اپنا غم غلط کرتا اور ان کے کمروں میں جاتا۔ اسے شجرۃ الدر کا گانا بہت پسند تھا خلیفہ نے اس سے گانے کی درخواست کی شجرۃ الدر نے ستار لے کر گانا بجانا شروع کیا۔ خلیفہ بہت خوش ہوا اور میں تو اے امیر المومنین! تہ خانے کے اندر اتنے مزے میں آگیا کہ اگر خدا مجھ پر مہربان نہ ہوتا تو چیخ مار کر بدنام ہو گیا ہوتا۔ خلیفہ نے اس سے کہا مانگ کیا مانگتی ہے۔ بولی مجھے آزاد کر دے اور ثواب لے۔ اس نے کہا میں تجھے خدا کے لیے آزاد کرتا ہوں۔ لڑکی نے اٹھ کر اس کے آگے زمین چومی اور خلیفہ بنجہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ ایک کنیز نے آگے

بڑھ کر بنجہ کو خبر دی کہ خلیفہ آرہا ہے۔ اس نے خلیفہ کا خیر مقدم کیا اس کے آگے زمین چومی اور اس کے قدموں کو بوسہ دیا۔ اس طرح دونوں میں پھر ملاپ ہوگیا۔

یہ تو خلیفہ کا قصّہ ہوا، اب شجرالدر کا ماجرا سنو۔ وہ خوش خوش میرے پاس دوڑی ہوئی آئی اور کہنے لگی میں آزاد ہوگئی ہوں، یہ تیرے قدموں کی برکت ہے۔ اگر خدا نے میری تدبیر کارگر کر دی تو میں حلال طور پر تیرے ساتھ ہو جاؤں گی۔ میں نے کہا شکر ہے خدا کا۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ اس کا غلام آیا ہم نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا شکر ہے خدا کا کہ نتیجہ اچھا نکلا اور اب میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تجھے یہاں سے صحیح و سالم نکال بھی دے۔ اتنے میں لڑکی کی بہن جس کا نام فاتر تھا آ پہنچی اور کہنے لگی بہن! اب کیا تدبیر ہو کہ وہ محل سے صحیح و سالم نکل جائے؟ اس کے قدموں کی برکت سے تو آزاد ہوگئی۔ اس نے کہا سوا اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ میں اسے زنانے کپڑے پہنا دوں۔ اے امیرالمومنین! جب میں زنانے کپڑے پہن کر نکلا تو ابھی محل کے صحن تک پہنچا ہوں گا کہ دیکھا امیرالمومنین بیٹھا ہوا ہے اور غلام اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ جوں ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی وہ مجھے شک کی نگاہ سے دیکھنے لگا اور اپنے نوکروں سے کہا اس لڑکی کو لے آؤ جو جارہی ہے۔ جب انھوں نے میری نقاب اٹھائی تو مجھے پہچان لیا اور مجھ سے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ میں نے اپنا سارا کچا چٹھا سچ سچ بیان کر دیا اور کوئی بات اس سے نہ چھپائی۔ میرا بیان سن کر وہ سوچ میں پڑ گیا پھر اٹھ کر فوراً شجرۃ الدر کے کمرے میں گیا اور کہا تو میرے اوپر ایک سوداگرزادے

کو کیوں کر ترجیح دیتی ہو؟ اس نے زمین چوم کر سارا قصہ شروع سے آخر تک سنا دیا۔ اس کی گفتگو سن کر خلیفہ کا دل پسیج گیا اُسے رحم آگیا وہ سمجھ گیا کہ عشق نے اسے مجبور کر دیا ہے اور وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد اس کا غلام اس کے پاس آیا اور کہنے لگا خوش ہو کر تیرے دوست نے خلیفہ سے حرف بہ حرف وہی بیان کیا ہے جو تو نے۔

وہاں سے واپس آکر خلیفہ نے مجھے بتایا اور کہا تاجر ہو کر تو خلیفہ کے محل میں کیوں آیا؟ میں نے کہا اے امیر المومنین، اپنی جہالت، عشق اور تیرے عفو و کرم کی وجہ سے میری یہ ہمت پڑی۔ یہ کہکر میں رو پڑا اور اس کے آگے زمین چومی اس نے کہا میں نے تم دونوں کو معاف کیا۔ اس کے بعد اس نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا میں بیٹھ گیا اور اس نے قاضی احمد بن ابی دؤد کو بلا کر ہم دونوں کا نکاح پڑھوا دیا اور کہا کہ لڑکی کا سارا سامان میرے گھر پہنچا دیا جائے اور اس کا زفاف میرے ساتھ اسی کے کمرے میں ہوا۔ تین دن کے بعد میں وہاں سے نکلا اور اے امیر المومنین جو کچھ تو نے دیکھا اور تجھے برا لگا سب اسی کا جہیز ہے۔ اس کے بعد وہ ایک دن مجھ سے کہنے لگی تو جانتا ہے کہ متوکل بڑا شریف مزاج آدمی ہے لیکن ممکن ہے کہ کسی نہ کسی روز اسے ہماری یاد آجائے یا کوئی حاسد اسے ہماری یاد دلا دے، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ ایک تدبیر کر کے اس سے بھی نجات پاؤں۔ میں پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا میں چاہتی ہوں کہ اس سے حج کرنے اور گانے سے تائب ہونے کی درخواست کر دوں۔ میں نے کہا تیری رائے بہت مناسب ہے۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ کا پیادہ اسے بلانے آیا کیونکہ وہ اس کا گانا بہت پسند کرتا تھا اور اس نے جا کر خلیفہ کی خدمت کی۔ خلیفہ نے اس سے کہا آنا جانا بند نہ کیجیو وہ بولی سر آنکھوں سے

ایک روز جب وہ خلیفہ کے ہاں سے لوٹی تو اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور وہ رو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر میں ڈر گیا اور اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگا سمجھا کہ اس نے ہماری گرفتاری کا حکم دیا ہوگا۔ میں نے پوچھا کہ کیا متوکل ہم پر ناراض ہوگیا ہے؟ اس نے کہا متوکل ہے کہاں؟ اس کا تو انتقال ہوگیا۔ میں نے کہا آخر کیسے؟ بتا تو سہی۔ وہ بولی، وہ پردے کے پیچھے بیٹھا شراب پی رہا تھا اس کے ساتھ فتح بن خاقان اور صدقہ بن صدقہ تھے۔ اتنے میں اس کے بیٹے منتصر اور ترکوں کی ایک جماعت نے اس پر حملہ کر دیا اسے مار ڈالا، خوشی غم سے بدل گئی اور لطف رونے پیٹنے سے۔ یہ سنتے ہی میں لڑکی کو لے وہاں سے بھاگا، خدا نے ہمیں صحیح وسلامت بصرے پہنچا دیا وہاں پہنچ کر ہمیں خبر ملی کہ منتصر اور مستعین میں لڑائی ہو رہی ہے میں نے اپنا سارا مال متاع بصرے منتقل کر دیا۔ اے امیر المومنین! یہ ہے میری کہانی، اس سے ایک لفظ زیادہ نہ کم، اور جو کچھ تو میرے پاس دیکھ رہا ہے اور جن پر تیرے دادا متوکل کا نام ہے وہ اسی کی دی ہوئی چیزیں ہیں۔ یہ سن کر خلیفہ خوش ہوگیا۔ اس نے ... لڑکی اور اس کے بچوں کو خلیفہ کے سامنے لایا وہ ان کی خوب صورتی دیکھ کر حیران ہوگیا اور انھوں نے اس کے آگے زمین چومی۔ اب خلیفہ نے دوات قلم منگوا کر مجھے ایک پروانہ لکھ دیا کہ بیس سال ہماری جایدادوں سے لگان نہ لیا جائے۔ خلیفہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے ابوالحسن کو اپنا مصاحب بنا لیا یہاں تک کہ موت نے انھیں الگ الگ کر دیا اور محلوں میں رہنے کے بعد وہ قبروں میں رہنے لگے، پاک ہے وہ ذات جو حکم چلاتی اور گناہوں کو معاف کرتی ہے۔

قمرالزمان اور جوہری کی بیوی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ! پرانے زمانے میں ایک تاجر تھا جس کا نام عبدالرحمان تھا۔ خدا نے اسے ایک بیٹی دی تھی اور ایک بیٹا، بیٹی کا نام اس نے اس کے حسن و جمال کی وجہ سے کوکب الصباح رکھا تھا اور بیٹے کا اس کی خوب صورتی کے سبب قمرالزماں۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ ایسے حسین و جمیل ہیں تو اُسے ڈر ہوا کہ کہیں انھیں نظر نہ لگ جائے یا حاسدوں کی زبان اور مکاروں کی مکاری یا بدچلنوں کے حیلے سے انھیں نقصان پہنچ جائے، اس لیے اس نے انھیں چودہ سال تک ایک محل میں بند رکھا اور سوائے ان کے ماں باپ اور اس خادمہ کے جو ان کی خدمت کیا کرتی تھی کسی کی نظر ان پر نہ پڑی۔ باپ نے بیٹے کو اور ماں نے بیٹی کو قرآن پڑھایا یہاں تک کہ دونوں حافظ ہو گئے۔ اسی طرح سے انھوں نے خوش نویسی، حساب اور فنون و آداب اپنے والدین ہی سے سیکھے کسی دوسرے معلّم کی مدد نہ لی۔ لڑکا بالغ ہوا تو تاجر سے اس کی بیوی نے کہا آخر قمرالزمان کو کب تک لوگوں کی نظروں سے بچائے گا؟ وہ لڑکی ہے یا لڑکا؟ وہ بولا لڑکا۔ بیوی نے کہا اگر وہ لڑکا ہے تو اسے بازار لے جا کر دکان پر کیوں نہیں بٹھاتا تاکہ وہ لوگوں سے واقفیت پیدا کرے، اور لوگ اس سے ملیں، تو اُسے خرید و فروخت سکھا؟ اگر تیرے ساتھ کوئی بات پیش آ جائے تو لوگوں کو معلوم ہو کہ وہ تیرا بیٹا ہے، وہ تیرے ترکے کو اپنے قبضے میں لے سکے گا۔ اگر اسی بےخبری میں تو مر گیا اور اس نے کہا میں تاجر عبدالرحمان کا بیٹا ہوں، تو اس کی بات کا کوئی یقین نہ کرے گا سب کہیں گے کہ ہم نے تجھے کبھی نہیں دیکھا، ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا کوئی بیٹا تھا۔ اس طرح سے تیرا

مال حکام کے لیں گے اور تیرا بیٹا محروم ہو جائے گا۔ بیٹی کے متعلق بھی میں یہی چاہتی ہوں کہ لوگوں میں اس کا چرچا کروں تاکہ کوئی برابر والا اس کے نکاح کا پیغام بھیجے ہم اس کی شادی کریں اور خوشیاں منائیں۔ اس نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں انھیں نظر نہ لگ جائے۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نوسوچونسٹھویں رات

نوسوچونسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب تاجر نے کہا کہ کہیں انھیں نظر نہ لگ جائے تو اس کی بیوی بولی جسے خدا بچانا چاہتا ہے اس کا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ آج ہی سے اسے دُکان لے جا۔ یہ کہہ کر اس نے بیٹے کو نہایت نفیس کپڑے پہنائے اور وہ دیکھنے والوں کے لیے ایک فتنہ اور عاشقوں کے دل کے لیے حسرت بن گیا۔ الغرض باپ اسے لے کر بازار گیا جو کوئی اسے دیکھتا دل تھام کر رہ جاتا بڑھ کر اس کا ہاتھ چومتا اور اسے سلام کرتا۔ باپ لوگوں کو بُرا بھلا کہتا کہ تم نے کیوں تماشہ لگا رکھا ہے؟ بعض کہتے کہ فلاں جگہ سورج نکلا ہے اور بازار میں چمک رہا ہے۔ بعض کہتے فلاں طرف چودھویں رات کا چاند طلوع ہو رہا ہے۔ بعض کہتے لوگوں کے لیے عید کا چاند نکل آیا ہے۔ یہ باتیں سن کر باپ کو بڑی شرمندگی ہوئی لیکن وہ کس کس کی زبان روکتا! اب وہ ماں کو بُرا بھلا کہنے لگا کیونکہ اسی کی وجہ سے بیٹا باہر نکلا تھا۔ بالآخر لوگوں کی بھیڑ میں سے نکلتا ہوا دکان پہنچا خود بیٹھا لڑکے کو بٹھایا۔ سامنے ہجوم لگا ہوا تھا جو کوئی ادھر سے گزرتا اس خوب صورت مکھڑے کو دیکھنے کے لیے دکان پر ٹھہر جاتا اس کے اردگرد مردوں اور عورتوں کا جھرمٹ لگ گیا۔

عبدالرحمان نے دیکھا کہ مردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور وہ ٹکٹکی باندھے اس کے بیٹے کو دیکھ رہے ہیں تو وہ بہت پشیمان ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔

اتنے میں بازار کی طرف سے ایک سیّاح درویش آتا نظر آیا۔ اس کا لباس پارساؤں کا سا تھا وہ لڑکے کے پاس آکر اشعار پڑھنے اور بڑے بڑے آنسو بہانے لگا۔ وہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر گھومتا اور اپنا داہنا ہاتھ داڑھی پر پھیرتا۔ اس نے آگے بڑھ کر لڑکے کو ایک ریحان کی چھڑی دی، باپ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جو کچھ دام نکلے نکال کر درویش کو دے دیے اور کہا چلتا ہو۔ درویش نے درہم لے لیے اور دُکان کی چوکی پر لڑکے کے سامنے بیٹھ گیا، اسے دیکھ دیکھ کر رونے، آہیں بھرنے لگا اور اس کے آنسو پانی کی طرح بہنے لگے۔ لوگ اسے دیکھتے، اس پر فقرے کستے، کوئی کہتا درویش سارے بدکار ہوتے ہیں، کوئی کہتا کہ درویش کے دل میں لڑکے کی محبّت کی آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ حالت دیکھ کر تاجر اٹھا اور بیٹے سے کہا چل دُکان میں قفل لگا کر گھر چلیں۔ آج خرید فروخت نہیں ہوسکتی۔ خدا تیری ماں سے سمجھے! یہ سارا اسی کا کیا دھرا ہے۔ جب وہ گھر کی طرف چلا تو درویش اور دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ لڑکا مکان کے اندر چلا گیا تو تاجر نے درویش کی طرف مخاطب ہوکر کہا تو کیا چاہتا ہے اور کیوں رو رہا ہے؟ وہ کہنے لگا اے میرے آقا! میں چاہتا ہوں کہ آج رات تیرا مہمان رہوں اور مہمان خدا کا مہمان ہوتا ہے۔ تاجر نے کہا اے خدا کے مہمان! مرحبا، اندر آ، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی . . . . .

نوسو پینسٹھویں رات

نوسو پینسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! تاجر نے کہا اے خدا کے مہمان! مرحبا، اندر آ۔ اور اپنے دل میں کہنے لگا اگر یہ درویش لڑکے پر عاشق نکلا اور اس کے ساتھ بدکاری کرنی چاہی تو میں آج ہی رات کو اسے قتل کر کے چپکے سے دفن کردوں گا، اور اگر اس کی نیت بری نہ ہوئی تو مہمان اپنی قسمت کا کھاتا ہے۔ اب اس نے درویش اور قمر الزماں کو ایک ہی کمرے میں اتارا اور قمر الزماں کے کان میں کہہ دیا کہ بیٹا! جب میں چلا جاؤں تو تو درویش کے پہلو میں بیٹھ کر اس سے ہنسی مذاق کیجیو، اگر وہ تجھ سے بدکاری کی خواہش کرے گا تو خاطر جمع رکھ میں محراب سے اتر کر اسے مار ڈالوں گا۔ لڑکا درویش کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو وہ درویش کے پہلو میں جا بیٹھا، درویش اسے دیکھتا آہ کھینچتا اور روتا۔ لڑکا اس سے بات کرتا تو وہ نرمی سے جواب دیتا، کانپتا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر ٹھنڈے سانس بھرنے لگتا۔ جب رات کا کھانا آیا تو درویش کھاتا جاتا اور لڑکے کو برابر دیکھتا اور روتا جاتا۔ چوتھائی رات گزر چکی تو لڑکے کے باپ نے آ کر کہا بیٹا! اپنے چچا درویش کی خدمت کیجیو اور اس کی مخالفت نہ کیجیو۔ یہ کہہ کر وہ جانا چاہتا ہی تھا کہ درویش نے کہا اے میرے آقا! اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لیتا جا یا تو بھی یہیں ہمارے ساتھ سو۔ وہ بولا نہیں، یہ میرا بیٹا تیرے پاس سوئے گا تاکہ اگر تجھے رات میں کوئی ضرورت پڑے تو وہ اسے پورا کر دے اور تیری خدمت کرے۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا دوسرے کمرے میں جا بیٹھا اور محراب میں سے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

یہ تو تاجر کا قصہ ہوا، اب اس کے بیٹے کا ماجرا سنو۔ وہ درویش کے

پاس جاکر نخرے کرنے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے لگا۔ درویش کو غصہ آگیا کہنے لگا بیٹا! یہ کیا بات ہے؟ خدا مجھے مردود شیطان سے بچائے! خداوندا، ایسی بری بات مجھے ہرگز پسند نہیں۔ بیٹا میرے پاس سے چلا جا! اب درویش لڑکے سے دور جاکر بیٹھ گیا لیکن لڑکا پھر اس کے پیچھے پیچھے پہنچا اس سے لپٹ گیا اور کہنے لگا درویش! تو اپنے آپ کو میرے وصال کی لذت سے کیوں محروم رکھتا ہے حالاں کہ میں دل سے تجھے چاہتا ہوں؟ اس پر درویش اور زیادہ ناراض ہوا اور بولا اگر تو نے مجھے زیادہ چھیڑا تو ابھی میں تیرے باپ کو آواز دے کر تیری شکایت کرتا ہوں۔ لڑکے نے کہا میرا باپ جانتا ہے کہ مجھے یہ عادت ہے اس لیے وہ مجھے منع نہیں کر سکتا۔ آخر مجھے سمجھا تو دے کہ تو کیوں مجھ سے کھنچتا ہے، کیا میں تجھے پسند نہیں؟ درویش نے کہا بیٹا! میں یہ حرکت نہیں کروں گا خواہ تلوار سے میری بوٹیاں کیوں نہ کردی جائیں۔ اس کے بعد درویش رونے لگا اور لڑکے سے کہا دروازہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں، میں یہاں نہیں سوؤں گا۔ لڑکا اٹھ کر اس سے لپٹ گیا اور کہنے لگا دیکھ میرا چمک دار چہرہ، لال لال رخسار، نرم نرم پہلو اور پتلے پتلے ہونٹ۔ یہ کہہ کر لڑکے نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں جنھیں دیکھ کر شراب اور شراب پلانے والا دونوں شرمندہ ہو جائیں اور اسے ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگا کہ جادو اور جادوگر دونوں عاجز آجائیں۔ دیکھ میرا سینہ، وہ لڑکیوں کے سینے سے بھی زیادہ خوب صورت ہے، اور چکھ میرا لعاب، وہ مصری سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔ زہد و عبادت کو الگ رکھ میرے وصال کی لذت لوٹ، میرے حسن کے مزے اُڑا اور ڈر نہیں، تیرا بال بیکا نہیں ہوگا، بے وقوفی جانے دے وہ بری عادت ہے۔ لڑکا یہ کہتا جاتا اور اپنی پوشیدہ خوب صورتیاں اسے

اُسے دکھا دکھا کر اس کی عقل کی باگ موڑنا چاہتا لیکن درویش کہتا خدا کی پناہ! بیٹا، یہ حرام کاری ہے، ایسی باتیں میں خواب میں بھی نہیں کر سکتا۔

جب لڑکے نے اور زیادہ ضد کی تو درویش قبلہ رُو کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ دو رکعتیں پڑھ چکا اور سلام پھیرا تو لڑکے نے چاہا کہ پھر اس کے پاس پہنچے تو اس نے دوبارہ نیت باندھ لی اور پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ یہی اس نے تیسری چوتھی اور پانچویں بار کیا۔ لڑکا بولا یہ کیسی نماز ہے؟ کیا تو چاہتا ہے کہ رات بھر محراب میں کھڑا رہ کر بادلوں پر اُڑنے لگے اور ہمارا مزا کرکرا کر دے۔ اب لڑکا اس سے لپٹ کر اس کا ماتھا چومنے لگا لیکن اس نے کہا بیٹا! شیطان کو مار کر دور بھگا دے اور خدا کا حکم مان۔ لڑکے نے کہا اگر تو وہ کام نہیں کرتا جو میں چاہتا ہوں تو ابھی باپ کو پکار کر کہتا ہوں کہ درویش مجھ سے بدفعلی کرنا چاہتا ہے اور وہ آکر تیری ہڈیاں پسلیاں توڑ ڈالے گا۔ لڑکے کا باپ یہ ساری باتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا اور اپنے کانوں سے سُن رہا تھا اسے یقین آگیا کہ درویش کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں۔ لڑکا برابر درویش کے پیچھے پڑا رہا، جب نماز کی نیت باندھتا وہ توڑ دیتا۔ بالآخر درویش لڑکے پر اتنا ناراض ہوا کہ اُسے بُرا بھلا کہنے لگا اور مارا یہاں تک کہ وہ رونے لگا اور باپ نے آکر اس کے آنسو پونچھے اُسے دلاسا دیا اور درویش سے کہا اگر تیرا یہ حال ہے تو تو میرے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر کیوں روتا اور ٹھنڈے سانس بھرتا ہے؟ میں نے تیرا امتحان لینے کے لیے یہ سب کیا تھا اب مجھے یقین آگیا کہ تو بڑا پارسا ہے۔ لیکن خدا کے لیے اپنے رونے کی وجہ تو بتا۔ درویش نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا پُرانے زخموں کو تازہ نہ کر۔ اس نے کہا تجھے ضرور بتانا ہوگا۔ درویش بولا سُن، میں درویش ہوں مُلک مُلک پھرتا اور خدا کی قدرت کا

تماشا دیکھتا ہوں۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں بصرے پہنچا، یہ جمعے کا دن اور صبح کا وقت تھا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند......

نوسوچھیاسٹھویں رات

نوسوچھیاسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! درویش نے کہا جب میں بصرے میں داخل ہوا تو جمعے کا دن اور صبح کا وقت تھا میں نے دیکھا کہ تمام دکانیں کھلی ہوئی ہیں، طرح طرح کا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں ان میں رکھی ہوئی ہیں لیکن کوئی جان دار وہاں نہیں، نہ مرد نہ عورت نہ لڑکی نہ لڑکا یہاں تک کہ گلی کوچوں میں نہ کتے ہیں نہ بلیاں، نہ کوئی آواز سنائی دیتی نہ کوئی شکل دکھائی دیتی ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا، میں کہنے لگا یا اللہ یہ لوگ اپنے کتے اور بلیاں لے کر کہاں چل دیے! چوں کہ میں بھوکا تھا میں نے ایک باورچی کے تنور پر سے ایک گرم روٹی لی اور ایک زیتون فروش کی دکان پر جا کر روٹی کو زیتون کے تیل اور شہد سے چپڑا اور کھا گیا۔ اس کے بعد میری نظر ایک قہوہ خانے پر پڑی اس کے اندر جا کر میں نے خوب قہوہ پیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہر والوں کو موت آگئی ہے اور وہ ابھی ابھی مر گئے ہیں یا ان پر کوئی بلا نازل ہوئی ہے اور وہ دکانوں کو کھلا چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ مجھے نوبت بجنے کی آواز سنائی دی میں مارے ڈر کے ذرا دیر کے لیے چھپ گیا ایک سوراخ میں سے دیکھا کہ چاند کی سی لڑکیاں دو دو کرکے چہرے کھلے چلی آ رہی ہیں۔ کل اسی لڑکیاں تھیں۔

ان کے بیچ میں ایک لڑکی ایک گھوڑے پر سوار تھی، سونے چاندی اور جواہرات سے اتنی لدی ہوئی کہ اس کے قدم مشکل سے اٹھتے تھے۔ یہ لڑکی بھی بے نقاب تھی۔ اس کے گلے میں ہیروں کا ہار تھا، سینے پر سونے کی ہنسلیاں اور کلائیوں میں کنگن جو تاروں کی طرح چمک رہے تھے پانووں میں سونے کے جھانجھن جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے کنیزیں تھیں ٹھیک سامنے ایک کنیز تلوار لگائے ہوئے جس کا قبضہ زمرد کا تھا اور جو بالر سونے کی جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

جب لڑکی اس جگہ پہنچی جو میرے سامنے تھی، تو اس نے گھوڑے کی لگام روک لی اور کہنے لگی اے لڑکیو! مجھے اس دکان میں سے کوئی آواز سنائی دیتی ہے جاکر ڈھونڈو، کہیں ایسا تو نہیں کوئی اس میں چھپا ہوا ہمارا تماشا دیکھ رہا ہو اور ہم کھلے منہ ہیں۔ وہ اندر جاکر ایک مرد کو پکڑ لائیں، لڑکی نے تلوار والی کنیز سے کہا اس کی گردن اڑا دے۔ اس نے اس کی گردن اڑا دی اور وہ اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئیں۔ یہ دیکھ کر میں سہم گیا لیکن میرا دل لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگ آ پہنچے اور اپنی اپنی دکانوں پر جا بیٹھے مقتول کے گرد تماش بینوں کی ایک بھیڑ لگ گئی۔ اب میں دکان میں سے نکل کر لوگوں سے، چپکے چپکے پوچھنے لگا کہ وہ لڑکی کون تھی کسی نے نہ بتایا۔ اس کے بعد میں بصرے سے چلا آیا اس کی محبت اب تک دل سے نہیں نکلی۔ جب میں نے تیرے بیٹے کو دیکھا جو اس لڑکی سے بے حد مشابہ ہے تو اس کی یاد تازہ ہو گئی محبت کی آگ لپٹیں مارنے لگی اور میں اس کے عشق میں تڑپنے لگا۔ یہ کہہ کر وہ اتنا رویا کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ پھر اس نے کہا اے میرے آقا! خدا کے لیے دروازہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور درویش چلا گیا۔

یہ تو درویش کا قصّہ ہوا، اب قمرالزماں کا ماجرا سُنو۔ اُس لڑکی کا ذکر سُنتے ہی اس کے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھی وہ اس کی محبّت میں بے چین ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی اس نے باپ سے کہا کہ ہر تاجر زادہ مُلکوں مُلکوں سفر کو جاتا باپ کے مال سے تجارت کرتا اور کماتا ہے، مجھے تو کیوں نہیں بھیجتا میں بھی دوسرے مُلکوں میں جاکر قسمت آزمائی کروں۔ باپ بولا بیٹا! تاجر اکثر غریب ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے بیٹوں کو سفر پر بھیجتے ہیں تاکہ وہ کمائی کرکے لائیں لیکن میرے پاس بہت کچھ مال و دولت ہے اور زیادہ کمانے کا لالچ نہیں پھر میں تجھے کیوں پردیس بھیجوں! علاوہ اس کے میں تیری جُدائی ایک گھڑی کے لیے بھی گوارا نہیں کر سکتا کیوں کہ تو بے حد حسین وجمیل ہے اور مجھے تیرے بارے میں ڈر لگتا ہے۔ بیٹے نے کہا سوا اس کے چارہ نہیں کہ تو مجھے سامان دے کر سفر پر بھیج ورنہ میں ایک دن تیری آنکھ بچا کر بھاگ جاؤں گا خواہ میرے پاس کچھ مال اور تجارت کا سامان ہو یا نہ ہو۔ باپ نے دیکھا کہ لڑکا مانتا ہی نہیں تو اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا بیٹا سفر کرنے پر تُلا کھڑا ہے حالاں کہ پردیس مصیبت ہے۔ بیوی بولی اس میں تیرا کیا نقصان ہے! تاجر زادوں کا یہی دستور رہا ہے اور وہ ایک دوسرے پر اس بات میں فخر کرتے ہیں کہ ہم نے اتنے سفر کیے، اتنا کمایا۔ اور مال کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اس سے نقصان نہیں پہنچتا۔ اگر تو اپنا مال دے کر اسے بھیجنا پسند نہیں کرتا تو میں اپنا مال دے کر بھیج دوں گی ورنہ تو ایک دن دیکھے گا کہ ہمارا بیٹا غائب ہو گیا ہم اُسے ڈھونڈ رہے ہیں وہ نہیں ملتا۔ ہمیں لوگوں میں ندامت ہو رہی ہے۔ تاجر نے اپنی بیوی کا کہنا مان لیا اور نوّے ہزار دینار کا سامان اس کے لیے تیار کر دیا۔ ماں نے اسے ایک تھیلی دی جس میں چالیس ہیرے کے نگ تھے جو اتنے قیمتی تھے کہ ان میں سب سے سستا

پانسو دینار کا تھا اور اس سے کہا ان ہیروں کو حفاظت سے رکھیو، یہ تیرے کام آئیں گے۔ قمرالزماں سب چیزیں لے کر بصرے کو روانہ ہوگیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی.....

نوسو سترسٹھویں رات

نوسوسترسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! قمرالزماں یہ تمام چیزیں لے کر بصرے کو روانہ ہوگیا اور جواہرات کو کمربند میں رکھ کر کمر سے باندھ لیا۔ جب بصرہ ایک منزل رہ گیا تو بدوؤں نے اس پر حملہ کیا اس کے کپڑے اُتار لیے نوکروں چاکروں کو قتل کر دیا۔ وہ اپنے آپ کو خون میں لتھیڑ کر مُردوں کے بیچ میں لیٹ گیا۔ بدوؤں نے مقتول سمجھ کر اسے چھوڑ دیا اور سارا سامان لے کر چل دیے۔ وہ چلے گئے تو قمرالزماں اٹھا اور بصرے کی طرف پیدل روانہ ہوگیا۔ اس وقت اس کے پاس سوا جواہرات کے اور کچھ نہ تھا۔ اتفاق کی بات وہ بھی جمعے ہی کے دن بصرے میں داخل ہوا اور جیسا کہ درویش نے بیان کیا تھا شہر کو آدمیوں سے خالی پایا، دُکانیں کُھلی ہوئی تھیں سارا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں ان میں رکھی ہوئیں۔ مگر انسان حیوان کوئی نظر نہ آیا۔ اتنے میں نوبت بجنے کی آواز آئی وہ ایک دُکان میں جا کر چھپ گیا لڑکیاں پہنچیں تو ان کا تماشا دیکھنے لگا جوں ہی نظر اس لڑکی پر پڑی ہوش جاتے رہے کھڑا رہنا دو بھر ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگ آ گئے بازاروں میں چہل پہل ہوگئی اس نے ایک جوہری کے پاس جا کر ایک ہیرا بیچا جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اور چل دیا۔ صبح ہوئی تو اس نے کپڑے بدلے حمام گیا وہاں سے نکلا تو ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ چاند نکل آیا۔ اس کے بعد اس نے چار ہیرے اور چار ہزار دینار کو بیچے اور زرق برق کپڑے پہن کر بصرے کے گلی کوچوں کی سیر کرنے لگا۔

ایک بازار میں اسے ایک نائی کی دُکان دکھائی دی وہاں جاکر اس نے بال بنوائے اس کے ساتھ باتیں کرنے لگا اور کہا چچا! میں پردیسی ہوں کل جب میں یہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ سارا شہر خالی پڑا ہے نہ آدم ہے نہ آدم زاد۔ اسی اثنا میں بہت سی لڑکیاں دیکھیں ان کے بیچ میں ایک لڑکی تھی جس کا شاید وہ جلوس تھا۔ نائی نے کہا تو نے کسی اور سے تو یہ بات نہیں کہی ہے۔ وہ بولا نہیں۔ نائی نے کہا خبردار! کسی سے یہ بات نہ کہیو کیوں کہ ہر آدمی راز نہیں رکھ سکتا، تو بچہ ہے اگر اُڑتی اُڑتی یہ بات ان لوگوں تک پہنچ گئی تو وہ تجھے قتل کر دیں گے۔ بیٹا! جو کچھ تو نے دیکھا ہے کسی نے نہیں دیکھا اور نہ ایسا کسی اور شہر میں ہوتا ہے۔ ہر جمعے کے دن لوگ کتے بلیوں کو باندھ کر خود مسجدوں میں جاکے اور دروازے بند کر دیتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ گلی کوچوں میں نکلے یا کسی سوراخ سے جھانکے، بیٹا! اس کی وجہ کسی کو معلوم نہیں لیکن میں آج اپنی بیوی سے پوچھوں گا کیوں کہ وہ دائی ہے بڑے بڑے گھرانوں میں آتی جاتی رہتی ہے اور شہر کی خبریں اُسے معلوم رہتی ہیں۔ خدا نے چاہا تو جب کل تو میرے پاس آئے گا تو میں اس سے پوچھ کر تجھے بتادوں گا۔ لڑکے نے مٹھی بھر سونا نکال کر اسے دے دیا اور کہا یہ اپنی بیوی کو دے دیجیو اب وہ میری ماں ہو گئی ہے۔ اس کے بعد اس نے اور ایک مٹھی بھر سونا نکالا اور یہ کہہ کر اسے دے دیا کہ یہ تیرے لیے ہے۔ نائی نے کہا بیٹا! تو یہیں بیٹھا رہ میں ابھی جاکر اپنی بیوی سے پوچھے آتا ہوں۔ گھر پہنچ کر اس نے لڑکے کا قصّہ بیان کیا کہا شہر کی ٹھیک ٹھیک خبر بتادے تاکہ میں جوان سے جاکر کہہ دوں۔ میرے

خیال میں وہ عاشق ہے، اور بڑا شریف اور سخی ہے، اگر ہم اسے بتادیں گے تو ہمیں بہت مال مل جائے گا۔ بیوی بولی اسے جاکر بلالا اور کہہ دے تیری حاجت پوری ہوگئی۔ جب نائی دکان پر پہنچا تو قمر الزماں بیٹھا ہوا اس کی راہ دیکھ رہا تھا کہنے لگا اپنی ماں میری بیوی کے پاس چل تیرا مقصد پورا ہوگیا۔ وہ نائی کے گھر پہنچا تو نائن نے جوان کو مرحبا کہا اور بٹھایا۔

جوان نے سو دینار نکال کر اسے دیے اور پوچھا مائی! اس لڑکی کا کیا قصّہ ہے؟ اس نے کہا بیٹا، سُن۔ ایک بار ہند کے بادشاہ نے بصرے کے حاکم کے پاس ایک ہیرا بھیجا اس نے جوہریوں کو بلا کر کہا کہ جس نے اس میں چھید کر دیا جو مانگے گا دوں گا اور اگر وہ ٹوٹ جائے گا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ جوہری بولے جہاں پناہ! ہیرا جلد ٹوٹ جاتا ہے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ہیرے میں چھید کیا جائے اور وہ ثابت رہے، لہذا ہم پر ایسا کام نہ ڈال جو ہماری طاقت سے باہر ہے، ہم اس ہیرے میں چھید نہیں کر سکتے۔ البتہ ہمارا چودھری ہم سے زیادہ استاد ہے۔ حاکم نے پوچھا تمہارا چودھری کون ہے؟ انھوں نے کہا استاد عبید۔ حاکم نے اسے بلا کر کہا کہ ہیرے میں چھید کر دے اس نے چھید کر دیا۔ حاکم نے کہا مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا کل تک مجھے مہلت دے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی بیوی کی رائے لینا چاہتا تھا، اور اس کی بیوی وہی لڑکی تھی جسے تو نے جلوس کے ساتھ دیکھا۔ جوہری کو اس سے بہت محبّت تھی اور اسی محبّت کی وجہ سے وہ بے اس کے مشورے کے کوئی کام نہ کرتا تھا۔ جوہری نے اس کے پاس جاکر کہا میں نے حاکم کے لیے ایک ہیرے میں چھید کیا ہے اور اس نے کہا ہے مانگ کیا مانگتا ہے۔ بتا کہ میں اس سے کیا مانگوں؟ وہ بولی مال و دولت کی تو ہمیں کوئی ضرورت نہیں لیکن

اگر تجھے مجھ سے محبت ہے تو حاکم سے یہ مانگ کہ وہ بصرے کے گلی کوچوں میں ڈھنڈورا پٹوا دے کہ ہر جمعے کی نماز سے دو گھنٹے پہلے سب لوگ چھوٹے ہوں یا بڑے مسجد میں چلے جایا یا گھر میں بند ہو جایا کریں لیکن دکانیں کھلی رہیں۔ میں اپنی کنیزوں کو لے کر اس وقت شہر میں سے گزرا کروں گی اور اگر مجھے کوئی راہ میں مل گیا تو اسے قتل کر دوں گی۔ اس نے حاکم کے پاس جا کر یہی مانگا اور حاکم نے بصرے میں ڈھنڈورا پٹوا دیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . .

نو سو اڑسٹھویں رات

نو سو اڑسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب حاکم نے یہ ڈھنڈورا پٹوا دیا تو لوگوں نے اس کے پاس آ کر کہا کہ کتے بلیاں ہمارا سامان آ کر خراب کر ڈالیں گے۔ حاکم نے حکم دیا کہ جب تک لوگ جمعے کی نماز پڑھ کر نہ نکلیں انھیں بند رکھا جائے۔ چناں چہ وہ لڑکی ہر جمعے کو نماز سے دو گھنٹے پہلے نکلا کرتی اور اپنی کنیزوں کے ساتھ جلوس میں بصرے کے گلی کوچوں سے گزرتی ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ محراب یا جھروکے میں سے اسے جھانکے۔ بس یہ بات ہے اب تجھے یہ تو معلوم ہو گیا کہ لڑکی کون ہے۔ لیکن بیٹا، تو محض اس کا حال جاننا چاہتا ہے یا تجھے اس سے ملنے کی آرزو ہے؟ اس نے کہا مائی، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ بولی بیٹا! بتا تیرے پاس کیا کیا قیمتی چیزیں ہیں؟ لڑکے نے بتایا کہ میرے پاس چار قسم کے ہیرے ہیں: پانسو دینار والے، سات سو والے، آٹھ سو والے اور ہزار والے۔ اس نے کہا کیا تو ان میں سے چار کو علاحدہ کر سکتا ہے؟ لڑکے نے کہا بلکہ سب۔ اس

نے کہا بیٹا! جاکر ایک ہیرا لے آ جس کی قیمت پانسو دینار ہو اور جوہریوں سے چودھری استاد عبید کی دُکان کا پتا پوچھ کر اُس کے پاس جا، تو دیکھے گا کہ وہ زرق برق کپڑے پہنے بیٹھا ہو اور شاگرد اس کے ہاتھ کے نیچے کام کر رہے ہیں۔ اُسے سلام کرکے دُکان پر بیٹھ جائیو اور ہیرا نکال کر کہیو استاد! سونے کی ایک انگوٹھی بنا کر اس ہیرے کو اس میں جڑ دے۔ انگوٹھی ایک مثقال سے زیادہ نہ ہو اور اس کی بناوٹ بہترین ہو۔ یہ کہہ کر بیس دینار اُستاد کو دیجیو ایک ایک دینار ہر کاری گر کو اور اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگیو اگر کوئی فقیر آئے تو اسے بھی ایک دینار دے دیجیو اور ہر طرح سے اپنی شرافت کا اظہار کیجیو تاکہ اس کے دل میں تیری محبت بیٹھ جائے۔ پھر اپنے گھر جاکر سو رہیو، سویرا ہو تو سو دینار لاکر اپنے چچا کو دے دیجیو کیوں کہ وہ غریب ہے۔ اس نے کہا ایسا ہی ہوگا۔

قمرالزماں نے اپنے وکیل کے پاس جاکر اس سے پانسو دینار والا ایک ہیرا لیا اور جوہری بازار جاکر جوہریوں کے مکھیا اُستاد عبید کا پتا پوچھا اس کی دُکان پر پہنچ کر دیکھا کہ وہ بڑا شان دار شخص ہے اور نفیس پوشاک پہنے بیٹھا ہے، اس کے نیچے چار کاری گر کام کر رہے ہیں۔ جوان نے اسے وہ نگ دے کر کہا استاد! ایک سونے کی انگوٹھی بنا کر اس میں یہ نگ جڑ دے لیکن وہ ایک مثقال سے زیادہ نہ ہو اور اس کی ساخت نہایت نفیس ہو۔ اس کے بعد اس نے بیس دینار اُسے دے کر کہا یہ اس کے نقشے کے دام ہیں اور مزدوری ابھی باقی ہے، پھر اس نے ہر کاری گر کو ایک ایک دینار دیا جس سے وہ بھی خوش ہو گئے اور استاد عبید بھی۔ اب وہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگا کوئی فقیر آتا تو وہ اسے ایک درہم دیتا لوگ اس کی سخاوت پر تعجب کرتے۔

اُستاد عبید کے گھر میں بھی وہی سامان تھا جو دُکان میں۔ جب وہ کوئی عجیب و غریب چیز بناتا تو گھر جاکر بناتا تاکہ کاری گر سیکھ نہ لیں۔ گھر میں وہ اپنی بیوی کو سامنے بٹھاکر بناتا اُسے دیکھتا جاتا اور ایسی کاری گری سے بناتا کہ وہ چیز سوا بادشاہوں کے اور کسی کے قابل نہ ہوتی۔ چناں چہ وہ گھر میں بیٹھ کر نہایت عجیب طریقے سے انگوٹھی بنانے لگا۔

اس کی بیوی نے نگینہ دیکھا تو پوُچھا اس کا تو کیا بنائے گا؟ اس نے کہا کہ انگوٹھی بناکر اس میں یہ نگ جڑوں گا، اس کی قیمت پانسو دینار ہے۔ بیوی نے پوُچھا کس کے لیے؟ وہ بولا ایک حسین تاجر زادے کے لیے۔ وہ کبھی اس کے حُسن کی تعریف کرتا اور کبھی اس کی سخاوت کی یہاں تک کہ عورت سُنتے سُنتے اس پر عاشق ہوگئی۔ اس شخص سے زیادہ احمق کوئی نہیں جو اپنی بیوی کے سامنے دوسرے مرد کی خوب صورتی اور سخاوت کا ذکر کرے۔ اچھا تو جب اس کے دل میں جوان کی محبّت نے گھر کر لیا تو اس نے کہا اُس میں مجھ سا بھی کچھ حُسن ہے؟ شوہر نے کہا تیرا ہر حُسن اس میں ہے اور وہ ہو بہ ہو تجھ سا ہے بلکہ اس کا حُسن بھی وہی ہے جو تیرا۔ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ میں تیرا دل دُکھادوں گا تو میں کہتا کہ وہ تجھ سے ہزار گنا زیادہ حسین ہے۔ بیوی چُپ ہوگئی لیکن اس کے دل میں محبّت کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ یہی باتیں کرتے کرتے اُستاد نے انگوٹھی بناکر تیار کردی بیوی نے اسے پہنا تو وہ اس کی اُنگلی میں ٹھیک آئی کہنے لگی اے میرے آقا! مجھے یہ انگوٹھی بہت اچھی لگتی ہے میں اسے انگلی سے اُتارنا نہیں چاہتی۔ اس نے کہا ٹھہر جا، میں اس کے مالک سے کہوں گا کہ وہ اسے میرے ہاتھ بیچ ڈالے اور غالباً وہ مان لے گا کیوں کہ وہ بڑا سخی ہے۔ ورنہ اگر اس کے پاس دوسرا نگینہ ہوگا تو میں اسے خرید کر تیرے لیے

دوسری انگوٹھی بنادوں گا جواسی جیسی ہوگی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی .....

نوسوانھترویں رات

نوسوانھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! جوہری نے اپنی بیوی سے کہا میں تیرے لیے ایسی ہی دوسری انگوٹھی بنادوں گا۔ اُدھر جب قمرالزماں صبح کو اٹھا تو سو دینار لے کر بڑھیا کے پاس گیا جو نائی کی بیوی تھی اور کہا یہ سو دینار لے اس نے کہا اپنے چچا کو دے دے اور بتا کہ جو میں نے کہا تھا تو نے کیا بھی؟ اس نے کہا ہاں کیا۔ بڑھیا بولی اب جوہری کے پاس جا وہ تجھے انگوٹھی دے تو اسے انگلی کے سرے میں پہن کر فوراً اُتار ڈالیو اور کہیو استاد! یہ تو ٹھیک نہیں آتی، تنگ ہے۔ وہ کہے گا ای تاجر! میں اسے توڑ کر بڑی بنا دوں گا۔ تو کہیو توڑ کر پھر بنانے کی ضرورت نہیں، اسے اپنی کنیز کو دے دے۔ اس کے بعد دوسرا نگ نکالیو جس کی قیمت سات سو دینار ہو اور کہیو اس کی انگوٹھی بنا دے اور اسے تیس دینار اور ہر کاریگر کو دو دو دینار دیجیو۔ پھر کل سویرے دوسو دینار لے کر یہاں آئیو اور میں تجھے آخری ترکیب بتادوں گی۔

جوان جوہری کے پاس گیا اس نے اس کا خیر مقدم کیا کے دُکان میں بٹھایا اور انگوٹھی دی۔ جوان نے اسے انگلی میں ڈال کر فوراً اُتار دیا اور کہا یہ تنگ ہے۔ باقی تمام باتیں بھی وہی کیں جو بڑھیا نے بتائی تھیں اور اُسے سات سو دینار کا ہیرا دے کر کہا اسے بنادے۔ وہ چلا گیا تو جوہری اس کی سخاوت پر عش عش کرنے لگا اور اپنی بیوی کے پاس جاکر کہا اس جوان سے

زیادہ سخی ہیں نے نہیں دیکھا تیری قسمت جاگ اٹھی، اس نے انگوٹھی مجھے مفت دے دی ہے۔ یہ لڑکا مجھے تاجرزادہ نہیں بلکہ شاہ زادہ معلوم ہوتا ہے وہ اس کی جتنی تعریف کرتا جاتا لڑکی کا عشق اتنا ہی بڑھتا جاتا۔ لڑکی نے انگوٹھی لے کر پہن لی اور جوہری نے دوسری انگوٹھی بنائی جو اس سے ذرا ڈھیلی تھی۔ اسے دیکھ کر بیوی نے کہا اے میرے آقا! دیکھ دونوں انگوٹھیاں میری انگلی میں کیسی بھلی معلوم ہوتی ہیں، کاش دونوں میری ہوتیں! جوہری بولا صبر کر، ممکن ہے کہ میں یہ دوسری انگوٹھی اس سے خرید لوں۔ اس کے بعد وہ جا کر سو رہا۔

اب قمرالزماں کا ماجرا سنو۔ وہ صبح اٹھ کر نائی کی بیوی کے پاس گیا اور اسے دو سو دینار دے دیے۔ وہ بولی اُٹھ جوہری کے پاس جا وہ تجھے انگوٹھی دے تو اسے انگلی میں پہن کر فوراً اُتار ڈالیو اور کہیو اُستاد! تو نے ٹھیک نہیں بنائی، یہ ڈھیلی ہے۔ جب کبھی تجھ جیسے اُستاد کے پاس مجھ جیسا گاہک آئے تو پہلے ناپ لے لینی چاہیے۔ یہ کہہ کر تو دوسرا ہیرا نکالیو جس کی قیمت ایک ہزار دینار ہے اور کہیو اس کی انگوٹھی بنا دے اور یہ انگوٹھی اپنی کسی کنیز کو دے ڈال۔ اس کے بعد تو تین سو دینار لا کر اپنے چچا کو دے دیجیو کیوں کہ وہ غریب ہے، ان سے اس کا کام چلے گا۔ لڑکے نے کہا سر آنکھوں سے اور جوہری کے پاس جا کر اس سے انگوٹھی لی انگلی میں ڈال کر فوراً اُتار ڈالی اور وہی باتیں کیں جو بڑھیا نے بتائی تھیں پھر ایک ہزار دینار والا نگ نکال کر اُسے دیا۔ جوہری نے ناپ لی اور کہا میں تجھ سے کتنی کچھ اُجرت لے چکا ہوں! تو ہمارے اوپر بڑا احسان کر رہا ہے۔ اس نے کہا مضائقہ نہیں اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ جوہری اپنے گھر گیا تو جوان کی خوب صورتی اور سخاوت کی پھر تعریف کرنے لگا۔ بیوی نے کہا اے بد مذاق! اگر اس نے تجھے دو قیمتی انگوٹھیاں دی ہیں تو

تجھے چاہیے کہ اس کی دعوت کر اور اس سے دوستی بڑھا۔ تیری محبّت کو دیکھ کر وہ تیرے گھر آئے گا اور ممکن ہے کہ ہمیں اس سے کوئی بڑا فائدہ پہنچے۔ اگر تو اس کی دعوت نہیں کرتا تو میں خود اپنی طرف سے اُسے بلا کر کھانا کھلاؤں گی۔ آج بے اسے لیے گھر نہ آئیو اور اگر وہ انکار کرے تو اسے طلاق کی قسم دیجیو اور اصرار کیجیو۔ اِدھر تو وہ انگوٹھی بنا کر دُکان پر گیا اور اُدھر قمرالزماں تین سو دینار لے کر بڑھیا کے پاس پہنچا۔ بڑھیا نے کہا جب وہ تیری آج دعوت کرے اور تو اس کے گھر سوئے تو جو ماجرا ہو مجھ سے آکر بیان کیجیو اور چار سو دینار اپنے ساتھ لیتا آئیو۔ جوں ہی وہ جوہری کے پاس پہنچا تو اس نے اٹھ کر اسے سینے سے لگایا اور سلام کر کے اس سے بھائی چارا کر لیا۔ پھر اس نے اسے انگوٹھی دی وہ ٹھیک اُتری۔ جوان نے کہا اے استادوں کے سرتاج، اب تو نے انگوٹھی تو ٹھیک بنائی لیکن نگینہ مجھے پسند نہیں آتا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی...

نوسو سترّویں رات

نوسو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! قمرالزماں نے جوہری سے کہا انگوٹھی تو تو نے ٹھیک بنائی لیکن نگینہ مجھے پسند نہیں آتا، میرے پاس اس سے اچھا نگینہ ہے، یہ انگوٹھی کسی اپنی کنیز کے حوالے کر۔ یہ کہہ کر اس نے ایک دوسرا ہیرا نکالا سو دینار اسے دیے اور کہا یہ تو مزدوری ہوئی لیکن جو تکلیف میں نے تجھے دی ہے اسے معاف کیجیو۔ جوہری بولا جو تکلیف تو نے مجھے دی ہے اس کا معاوضہ تو تو نے ادا کر دیا ہے اس کے علاوہ مجھ پر احسان کیا ہے، میرے دل میں تیری محبّت جاگزیں ہوگئی اور تیری جُدائی مجھ پر شاق ہے۔ خدا کے لیے

آج رات کو میری دعوت قبول کرکے میرا دل رکھ لے۔ اس نے کہا مضائقہ نہیں میں سرائے جاکر اپنے نوکروں سے کہ آؤں کہ میں آج رات باہر رہوں گا تاکہ وہ میری راہ نہ دیکھیں۔ جوہری بھی اس کے ساتھ ہولیا تاکہ اُسے لے کر آئے ورنہ اسے اپنی بیوی کے ناراض ہونے کا ڈر تھا۔ جب دونوں گھر پہنچے تو لڑکی اسے دیکھتے ہی اس کی محبت کا شکار ہوگئی۔ دونوں نے کھایا پیا نماز کا وقت آیا تو نماز پڑھی۔ اس کے بعد ایک کنیز دونوں کے لیے دو پیالے لائی جن میں کچھ پینے کی چیز تھی اس کے پیتے ہی انھیں نیند آگئی۔ اب لڑکی ان کے پاس آئی دیکھا کہ دونوں سو رہے ہیں قمرالزماں کا چہرے پر ٹکٹکی لگادی اور کہنے لگی جو حسینوں کو چاہتے ہیں سوتے نہیں اور اسے چت لٹاکر اس کے سینے پر بیٹھ گئی اتنے بوسے لیے کہ اس کے رخسار لال ہوگئے اس کے ہونٹ اتنے چوسے کہ ان میں سے خون نکلنے لگا۔ باوجود ان تمام باتوں کے اس کا دل ٹھنڈا نہ ہوا اتنی دیر تک بوس وکنار کرتی اور ٹانگوں میں ٹانگیں ڈالے رہی کہ صبح نمودار ہونے لگی اور وہ جوان کی جیب میں چار پانسے ڈال کر چل دی۔ اس نے اپنی کنیز کو نسوار لے کر بھیجا اس نے اسے دونوں کے نتھنوں میں ڈال دی، انھیں چھینک آئی اور وہ دونوں جاگ اُٹھے۔ کنیز نے کہا اے میرے آقاؤ! نماز کا وقت آگیا ہے، اُٹھ کر نماز پڑھو۔

کنیز جاکر تشت اور لوٹا لے آئی۔ قمرالزماں نے استاد سے کہا ہم ضرورت سے زیادہ سو چکے ہیں اس نے جواب دیا اس کمرے میں ہمیشہ گہری نیند آتی ہے؛ جب کبھی میں یہاں سوتا ہوں تو یہی پیش آتا ہے۔ جوان بولا تو سچ کہتا ہے۔ جب وضو کرتے کرتے اس نے منہ پر پانی ڈالا تو اس کے رخسار اور ہونٹ جلنے لگے۔ وہ کہنے لگا اس کی کیا وجہ ہے کہ میرے رخسار اور ہونٹ جل رہے ہیں؟ جوہری

نے کہا مچھروں نے کاٹا ہو گا۔ جوان بولا کیا تجھے بھی کاٹا ہو گا؟ اس نے کہا نہیں لیکن جب کوئی بے داڑھی مونچھ والا شخص یہاں سوتا ہے تو صبح اٹھ کر مچھروں کے کاٹنے کی شکایت کرتا ہے داڑھی مونچھ والے کو مچھر نہیں کاٹتے، اسی وجہ سے انھوں نے مجھے نہیں کاٹا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مچھر داڑھی مونچھ والوں کو پسند نہیں کرتے۔ لڑکا بولا تو سچ کہتا ہے۔ پھر کنیز ناشتہ لائی اور دونوں ناشتہ کر کے چلے گئے۔ لڑکا بڑھیا کے پاس پہنچا تو اس نے کہا تیرے چہرے سے خوشی ٹپکتی ہے، بتا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا کچھ نہیں دیکھا۔ ہم دونوں نے ایک کمرے میں کھانا کھایا، عشا کی نماز پڑھی، سو گئے اور صبح تک ہماری آنکھ نہیں کھلی۔

بڑھیا ہنسنے لگی اور کہا تیرے رخساروں اور ہونٹوں پر یہ نشان کیسے ہیں؟ وہ بولا مچھروں کی کارستانی کے۔ بڑھیا بولی تو سچ کہتا ہے لیکن مکان والے کو بھی مچھروں نے کاٹا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ استاد نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ اس کمرے کے مچھر داڑھی مونچھ والوں کو نہیں کاٹتے محض بے داڑھی مونچھ والوں کو کاٹتے ہیں۔ جب کبھی کوئی بے داڑھی مونچھ والا اس کا مہمان ہوتا ہے تو صبح اٹھ کر مچھروں کی شکایت کرتا ہے اور اگر داڑھی مونچھ والا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش نہیں آتی۔ بڑھیا بولی بالکل سچ، لیکن اس کے علاوہ تو نے اور کوئی چیز بھی دیکھی؟ وہ بولا ہاں، میری جیب چار پانسے پڑے ملے۔ بڑھیا نے کہا دکھا لڑکے نے انھیں دکھایا تو بڑھیا بولی یہ پانسے تیری محبوبہ نے تیری جیب میں ڈال دیے ہیں۔ لڑکا بولا یہ کیسے؟ بڑھیا نے کہا وہ اشارتاً تجھے بتانا چاہتی ہے کہ اگر تو عاشق ہوتا تو نہ سوتا، عاشق سویا نہیں کرتے تو ابھی بچہ ہے اور اسی قابل ہے کہ ان پانسوں سے کھیلے،

تجھے حسینوں کے چاہنے سے مطلب! وہ رات کو تیرے پاس آئی تھی اور تجھے سوتا دیکھ کر تیرے اتنے بوسے لیے کہ تیرے رخسار زخمی ہو گئے۔ لیکن ابھی اس کا ارمان پورا نہیں ہوا وہ آج تیرے پاس اپنے شوہر کو بھیج کر پھر کھانے پر بلائے گی، لہٰذا جلد نہ سو جائیو اور پانسو دینار لے کر کل آئیو اور جو کچھ پیش آئے بیان کیجیو۔ اُدھر جوہری کی بیوی نے شوہر سے پوچھا کہ مہمان چلا گیا؟ اس نے کہا ہاں لیکن رات مچھروں نے اُسے بہت کاٹا اور میں اس کے آگے بڑا پشیمان ہوا۔ بیوی بولی ہمارے کمرے کے مچھروں کی یہی عادت ہے کہ وہ بے داڑھی مونچھ والوں ہی کو کاٹتے ہیں، خیر آج اُسے پھر کھانے پر بلا۔ جوہری جا کر اُسے بلا لایا انھوں نے کھایا پیا اور عشا کی نماز پڑھی، پھر کنیز نے آکر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا، شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نو سو اکھتّرویں رات

نو سو اکھتّرویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! کنیز نے آکر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا وہ پی کر سو گئے لڑکی نے آکر کہا ستیاناس ہو تیرا! تو عاشق ہونے کا دعوا کرتا ہے اور سو جاتا ہے۔ عاشق بھی کہیں سویا کرتے ہیں! اب وہ پھر اس کے سینے پر چڑھ کر اس کے بوسے لینے، ہونٹ چوسنے اور ناز نخرے کرنے لگی اور صبح کے وقت اس کی جیب میں ایک چھری ڈال کر چل دی اس کے بعد کنیز کو بھیج کر انھیں بیدار کرایا۔ لڑکا اٹھا تو اس کے رخسار آگ کی طرح جل رہے اور اس کے ہونٹ سرخ انگارہ تھے۔ جوہری نے پوچھا شاید آج بھی مچھروں نے کاٹا ہے؟ اس نے کہا نہیں، کیوں کہ وہ اس نکتے کو سمجھ

گیا تھا اور شکایت چھوڑ دی تھی۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو چھری پڑی ہوئی ملی مگر وہ چپ رہا گھر جاکر پانسو دینار لیے بڑھیا کے پاس پہنچا اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا میں سونا نہیں چاہتا تھا لیکن آنکھیں بند ہو گئیں جاگا تو میری جیب میں ایک چھری تھی۔ بڑھیا بولی آج رات خدا خیر کرے! اس کا اشارہ یہ ہے کہ اگر تو پھر سو گیا تو میں تیری گردن کاٹ ڈالوں گی۔ آج تو پھر کھانے پر بلایا جائے گا اور اگر تو سو گیا تو وہ تجھے ذبح کر ڈالے گی۔ لڑکے نے پوچھا اب کیا کرنا چاہیے؟ بڑھیا بولی سونے سے پہلے تو کیا کھاتا اور کیا پیتا ہے؟ لڑکے نے کہا جو اور لوگ کھاتے ہیں، اس کے بعد ایک کنیز عشا کے بعد آکر ہمیں ایک ایک پیالہ دے جاتی ہے اور میں اسے پی کر ایسا سو جاتا ہوں کہ صبح تک آنکھ نہیں کھلتی۔ بڑھیا بولی بس ساری آفت پیالے ہی کی لائی ہوئی ہے۔ آج تو پیالہ اس وقت تک نہ پیجیو جب تک اس کا شوہر پی کر نہ سو جائے اور کنیز سے کہیو کہ مجھے پانی پلا دے، وہ پانی لینے جائے تو پیالے کو تکیے کے پیچھے اُلٹ دیجیو اور جھوٹ موٹ آنکھیں بند کر کے لیٹ جائیو۔ کنیز پانی لے کر آئے گی تو سمجھے گی کہ تو پیالہ پی کر سو گیا ہے اور وہ چلی جائے گی۔ تھوڑی دیر کے بعد تجھ پر سارا حال ظاہر ہو جائے گا لیکن خبردار! میرے کہنے پر چلیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے اور سرائے کی طرف چل دیا۔

یہ تو اس کا حال ہوا، اب جوہری کی بیوی کا ماجرا سُنو۔ اس نے اپنے شوہر سے کہا مہمان کی دعوت تین دن ہوتی ہے۔ وہ جاکر لڑکے کو بُلا لایا جب کھا پی کر نماز سے فارغ ہو چکے تو کنیز نے آکر دونوں کو ایک ایک پیالہ دیا جوہری اُسے پی کر سو گیا اور لڑکے نے کنیز سے کہا میں پیاسا ہوں، ایک کوزہ پانی لے آ۔ وہ پانی لینے گئی تو اس نے پیالے کو تکیے کے پیچھے انڈیل دیا اور

لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں کنیز لوٹی اور اسے سوتا ہوا دیکھا تو جاکر اپنی آقا سے کہا وہ پیالہ پی کر سو گیا ہے۔ لڑکی نے اپنے دل میں کہا اس کے جینے سے مرنا بہتر ہے ایک تیز چھری لے کر اس کے پاس گئی اور تین بار کہا اے پاگل! تو نے میرا اشارہ نہیں سمجھا، اب میں تیرا پیٹ پھاڑ ڈالوں گی۔ قمرالزماں نے اسے چھری لیے آتا دیکھ کر آنکھیں کھول دیں اور ہنستا ہوا اٹھ بیٹھا۔ لڑکی بولی تو نے اپنی عقل سے تو میرا اشارہ نہیں سمجھا کسی کٹنی نے تجھے ہوشیار کردیا۔ بتا تجھے کس نے بتایا؟ اس نے کہا ایک بڑھیا نے اور اس کے ساتھ یہ یہ باتیں پیش آچکی ہیں۔ لڑکی بولی کل یہاں سے نکل کر بڑھیا کے پاس جائیو اور کہیو تیری چالوں کی پہنچ اس سے آگے بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہے ہے تو اس سے کہیو مجھے لڑکی سے علانیہ ملا دے، اور اگر وہ کہے نہیں تو اس سے کنارہ کش ہو جائیو۔ کل رات میرا شوہر پھر تجھے کھانے پر بلائے گا تو مجھ سے سارا ماجرا بیان کیجیو اور میں تجھے آخری تدبیر بتاؤں گی۔ لڑکے نے کہا بہت خوب اور دونوں رات بھر مزے اڑاتے رہے۔

جب صبح ہوئی تو اس نے لڑکے سے کہا تجھ سے میری طبیعت ایک رات یا ایک دن یا ایک مہینے یا ایک سال میں بھر نہیں سکتی میں چاہتی ہوں کہ اپنی باقی عمر تیرے ساتھ گزار دوں۔ لیکن ذرا صبر کر دیکھ میں اپنے شوہر کے ساتھ ایک ایسی چال چلتی ہوں جس سے بڑے بڑے سمجھ دار لوگ حیران ہو جائیں۔ میں اسے شک میں ڈال کر اس سے طلاق لے لوں گی اور تجھ سے شادی کرکے تیرے گھر چلی چلوں گی بلکہ اسے دھوکا دے کر اس کا سارا مال تیرے پاس لے آؤں گی اسے تباہ اور ملیا میٹ کر دوں گی۔ لیکن جیسا میں کہوں ویسا ہی کیجیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے، تیرے خلاف میں کچھ

نہیں کروں گا۔ لڑکی نے کہا جا اپنی سرائے اور جب میرا شوہر تجھے کھانے پر بلانے آئے تو اس سے کہیو بھائی! انسان جلد تنگ آجاتا ہے اور جب بہت لوگ آتے جاتے رہتے ہیں تو سخی ہو یا بخیل اُکتا جاتا ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں ہر روز جا کر تیرے ہاں سوؤں۔ اگر تو مجھ سے نہ بھی ناراض ہو تو تیری اہلیہ ہو جائے گی کیوں کہ میری وجہ سے تو اس کے پاس نہیں جاتا۔ اگر تو مجھ سے زیادہ میل جول رکھنا چاہتا ہے تو اپنے گھر کے پاس میرے لیے بھی ایک گھر لے دے تاکہ سونے کے وقت تک کبھی میں تیرے ہاں رہوں کبھی تو میرے ہاں رہے اور سونے کا وقت آئے تو تو اپنی بیوی کے پاس چلا جائے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تو ہر روز اپنی بیوی سے جدا رہے۔ تو یہ کہے گا تو وہ میرے پاس آکر میری رائے لے گا میں اسے یہ مشورہ دوں گی کہ ہمارا پڑوسی اگر اُٹھ جائے کیوں کہ وہ ہمارا مکان ہے اور وہ آرہے تو بہت اچھا ہے۔ پھر جب تو اس مکان میں آجائے گا تو خدا اور باتیں بھی آسان کر دے گا۔ یہ کہہ کر وہ چل دی۔ تھوڑی دیر کے بعد کنیز نے آکر انھیں جگایا۔ جوہری کی آنکھ کھلی تو اس نے پوچھا اے تاجر! آج مچھروں نے تجھے ستایا یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ جوہری بولا شاید اب تجھے ان کی عادت ہو گئی ہے۔ دونوں نے ناشتہ کیا اور قہوہ پی کر اپنے اپنے کام پر چلے گئے۔ قمرالزماں نے بڑھیا کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . .

نوسو بہتّرویں رات

نوسو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! قمرالزماں نے بڑھیا کے پاس جاکر کہا کہ اس نے مجھ سے یہ کہا اور میں نے اس سے یہ کہا تو اور کوئی تدبیر کر سکتی جس سے ہم دونوں علانیہ ملیں؟ اس نے جواب دیا بیٹا! اب اس کے آگے میرے پاس کوئی تدبیر نہیں۔ جوان وہاں سے رخصت ہو کر سرائے گیا اور دوسرے دن شام کے وقت جوہری اُسے بلانے آیا تو اس نے کہا میں تیرے ساتھ نہیں جا سکتا۔ جوہری بولا یہ کیوں؟ مجھے تجھ سے محبت ہو گئی ہے اور تیری جدائی گوارا نہیں، خدا کے لیے میرے ساتھ چل۔ لڑکے نے کہا اگر تو چاہتا ہے کہ میں اور تو ہمیشہ ساتھ رہیں تو مجھے ایک مکان اپنے مکان کے قریب لے دے، اس وقت چاہے تو میرے یہاں رات گزار لو چاہے میں تیرے یہاں رات گزاروں تاکہ جب سونے کا وقت آئے تو ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے گھر چلا جائے۔ جوہری بولا میرے گھر کے پاس میرا ایک اور گھر ہے، آج تو میرے ساتھ چل، کل اس گھر کو میں تیرے لیے خالی کرا دوں گا۔ لڑکا اس کے ساتھ چل دیا دونوں نے کھانا کھایا نماز پڑھی اور جوہری نے وہ پیالہ پیا جس میں کچھ ملا ہوا تھا اور سو گیا۔ قمرالزماں کے پیالے میں کوئی ملاوٹ نہ تھی، اس نے پیا لیکن سویا نہیں، لڑکی آکر اس سے رات بھر باتیں کرتی رہی اور اس کا شوہر مُردے کی طرح پڑا رہا۔ جب وہ جاگا تو اس نے کرائے دار کو بلا کر کہا میرا گھر خالی کر دے، مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اس نے خالی کر دیا اور قمرالزماں اس میں رہنے لگا۔ پہلی رات جوہری اس کے گھر گیا اور جب سونے کا وقت آیا تو اپنے گھر چلا آیا۔

دوسرے دن لڑکی نے معمار کو بلا کر کہا کہ میرے گھر سے دوسرے گھر تک سرنگ بنا دے۔ قمر الزماں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی اور لڑکی دو تھیلیاں مال کی لے کر اس کے پاس پہنچ گئی۔ قمر الزماں نے پوچھا تو کدھر سے آگئی؟ اس نے سرنگ کی طرف اشارہ کیا پھر صبح تک اس کے ساتھ بیٹھی ہنسی مذاق کرتی رہی اور کہا کہ اب جا کر میں اسے جگاتی ہوں تاکہ وہ دکان پر جائے، تو میری راہ دیکھیو، میں ابھی لوٹ کر آتی ہوں۔ لڑکی نے جا کر اپنے شوہر کو جگایا، اس نے وضو کر کے نماز پڑھی اور دکان چلا گیا۔ اب لڑکی چار اور تھیلیاں لے کر اس کے پاس آئی اور تھوڑی دیر بیٹھ کر رخصت ہو گئی اور قمر الزماں بازار چلا گیا۔ جب وہ مغرب کے وقت لوٹا تو اس نے دیکھا کہ دس تھیلیاں اور جواہرات وغیرہ کی اس کے ہاں رکھی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد جوہری گھر آیا اور قمر الزماں کو اپنے گھر میں لے گیا۔ کنیز نے آکر دونوں کو پیالے دیے، جوہری پی کر سو گیا قمر الزماں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا کیوں کہ اس کے پیالے میں کوئی ملاوٹ نہ تھی۔ لڑکی آکر اس سے ہنسی مذاق کرنے لگی اور بہت کچھ سامان سرنگ کے راستے اس کے گھر منتقل کر دیا۔ تیسرے دن لڑکی نے ایک خنجر نکال کر اسے دیا جو اس کے شوہر نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور جس کی قیمت اس کے خیال میں پانسو دینار تھی۔ چوں کہ لوگ اسے جوہری سے اکثر مانگتے رہتے تھے۔ اس نے اسے ایک صندوق میں بند کر رکھا تھا اور کسی کے ہاتھ اسے بیچنے پر راضی نہ ہوتا۔ یہ خنجر اسے دے کر لڑکی نے کہا اسے کمر سے لگا کر میرے شوہر کے پاس جا اور اس سے کہیو کہ استاد، دیکھ یہ خنجر، میں نے اسے آج خریدا ہے بتا کہ میں نے مہنگا خریدا یا سستا؟ وہ اسے پہچان لے گا لیکن شرم کے

مارے یہ نہیں کہے گا کہ یہ خنجر میرا ہے۔ اگر وہ پوچھے کہ کہاں سے خریدا اور کتنے دام دیے؟ تو کہیو میں نے دیکھا کہ دو بدکار آپس میں ملے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تو کہاں تھا؟ وہ بولا کہ اپنی آشنا کے پاس اور جب کبھی میں اس کے پاس جاتا ہوں تو وہ مجھے درہم دیا کرتی ہے لیکن آج اُس نے کہا میرے پاس اس وقت درہم نہیں ہیں لہٰذا یہ خنجر لے جا، یہ میرے شوہر کا ہے۔ میں اس سے لے آیا اور چاہتا ہوں کہ اسے بیچوں۔ مجھے یہ خنجر پسند آیا میں نے تین سو دیناروں میں اسے خرید لیا، بتا سستا خریدا یا مہنگا؟ اس کے تھوڑی بعد اس کے پاس سے چلا آئیو اور سرنگ کے قریب آکر خنجر مجھے واپس دے دیجیو۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے۔ لڑکا خنجر لے کر جوہری کے پاس پہنچا اور کہا اسے دیکھ۔ جوہری نے اپنا خنجر پہچان لیا لیکن مارے شرم کے کچھ نہ بولا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نوسو تہتّرویں رات

نوسو تہتّرویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جوہری نے خنجر ہاتھ میں لے کر پوچھا تو نے یہ کہاں سے خریدا؟ اس نے وہی جواب دیا جو لڑکی نے اسے سکھا پڑھا دیا تھا۔ جوہری بولا ان داموں یہ سستا ہے، اس کی قیمت پانسو دینار ہے۔ جوہری کا دل اندر سے تڑپ رہا تھا اس نے اپنا کام بند کر دیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ اگر لڑکا اس سے پچاس لفظ کہتا تو وہ جواب میں محض ایک لفظ بولتا۔ جوہری کی یہ حالت دیکھ کر لڑکا اٹھا اور جلدی سے گھر چلا گیا۔ لڑکی نے پوچھا جو میں نے تجھ سے کہا تھا تو نے کیا؟

اس نے جواب دیا؟ لڑکا بولا اس نے کہا کہ یہ ان داموں سستا ہے، اس کی قیمت پانسو دینار ہے، لیکن اس کا رنگ فق ہو گیا اور میں اٹھ کر چلا آیا۔ لڑکی نے اس سے خنجر لے کر وہیں رکھ دیا جہاں وہ پہلے تھا اور بیٹھ گئی۔

یہ تو لڑکی کا ماجرا ہوا، اب اس کے شوہر کا حال سنو۔ قمرالزماں کے چلے جانے کے بعد اسے بڑی پریشانی اور گھبراہٹ ہوئی وہ اپنے دل میں کہنے لگا چل کر خنجر تلاش کرنا چاہیے تاکہ شک دور ہو جائے۔ وہ گھر گیا اور اژدھے کی طرح ہانپتا ہوا اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ بیوی نے کہا اے میرے آقا! خیریت تو ہے؟ اس نے پوچھا خنجر کہاں ہے؟ بیوی بولی صندوق میں، اور پھر سینہ کوٹنے اور کہنے لگی ہائے میرے اللہ، کہیں تو کسی سے لڑا تو نہیں کہ خنجر لے کر اسے مارنے جائے گا؟ اس نے کہا خنجر لا کر مجھے دکھا۔ بیوی نے کہا پہلے تو قسم کھا کہ اس سے کسی کو مارے گا تو نہیں۔ اس نے قسم کھائی بیوی خنجر نکال کر اس کے پاس لے آئی۔ وہ خنجر کو الٹ پلٹ کر دیکھتا اور کہتا یہ عجیب بات ہے! بیوی نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ وہ بولا میں نے اپنے دوست کے پاس ایسا ہی خنجر دیکھا ہے لیکن اب اسے دیکھ کر میرا شبہ جاتا رہا۔ بیوی بولی شاید تو نے میری طرف سے بدگمانی کی مجھے بدکار سمجھا اور یہ کہ میں نے اسے خنجر دیا ہے؟ جوہری بولا ہاں مجھے شک تو ہوا تھا مگر خنجر دیکھنے کے بعد اطمینان ہو گیا۔ بیوی نے کہا مردوے، اب تجھ میں کوئی بھلائی باقی نہیں۔ جوہری معذرت کرنے لگا یہاں تک کہ وہ من گئی اور جوہری اٹھ کر دکان چلا گیا۔ دوسرے دن اس نے قمرالزماں کو اپنے شوہر کی گھڑی دے کر اس کے پاس بھیجا جسے اس نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا جو لاجواب تھی اور کہا اس سے کہیو کہ جس شخص کو میں نے کل

دیکھا تھا آج بھی دیکھا اس کے ہاتھ میں یہ گھڑی تھی، کہنے لگا یہ گھڑی خریدتا ہے؟ میں نے کہا اسے کہاں سے لایا؟ اس نے کہا اپنی آشنا کے پاس سے، میں نے اسے پچاسی دینار میں خرید لیا۔ بتا یہ سستی ہے یا مہنگی؟ اس کے بعد تو جلدی سے واپس آکر مجھے گھڑی دے دیجیو۔ قمرالزماں نے جوہری کے پاس آکر یہی باتیں کیں، اس نے کہا یہ گھڑی سات سو دینار کی ہے اور پھر شک میں پڑ گیا، ہانپتا ہوا اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور کہا میری گھڑی کہاں ہے؟ اس نے گھڑی نکال کر دکھا دی جوہری لاحول پڑھنے لگا اور بیوی سے کہا پہلے میں اپنے دوست تاجر کے پاس اپنا خنجر دیکھا اور پھر گھڑی، دونوں میری ہی بنائی ہوئی چیزیں ہیں ان کا جواب بصرے بھر میں کسی کے پاس نہیں کیا بتاؤں اس نے یہ یہ باتیں کیں جن سے مجھے رنج پہنچا میری عقل دنگ ہوگئی اور خدا جانے میرے اوپر کیا گزری۔ بیوی نے کہا تیری تمام باتوں کا مقصد یہ ہے کہ میں اس تاجر کی دوست اور آشنا ہوں تو نے مجھے خائن ٹھیرایا اور مجھ سے پوچھنے آیا۔ اگر تو نے میرے پاس اپنی گھڑی اور خنجر دیکھ نہ لیا ہوتا تو تجھے میری خیانت کا یقین آجاتا۔ تیری اس بدگمانی کی وجہ سے اب میں نہ تیری روٹی کھاؤں گی نہ تیرا پانی پیوں گی اور تیری صحبت کو حرام سمجھوں گی۔ شوہر اسے منانے لگا وہ پھر من گئی اور شوہر پشیمان ہو کر دکان چلا گیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نوسو چھہتّرویں رات

نوسو چھہتّرویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!

جوہری پشیمان ہوکر دُکان چلا گیا، کبھی شک کرتا کبھی یقین۔ شام کے وقت وہ اکیلا قمرالزماں کے بغیر گھر آیا۔ لڑکی نے پوچھا قمرالزماں کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا اپنے گھر ہیں۔ لڑکی بولی کیا تم دونوں کی دوستی ٹھنڈی پڑ گئی؟ شوہر نے کہا واللہ ان باتوں سے میں اس سے نفرت کرنے لگا ہوں۔ لڑکی بولی جا اور میری خاطر سے اُسے لے آ۔ جوہری اٹھ کر اس کے گھر گیا اپنا سامان وہاں پھیلا پڑا دیکھا اس کے دل میں آگ بھڑکنے لگی آہیں بھرنے لگا۔ قمرالزماں نے پوچھا تو کس سوچ میں پڑا ہوا ہے؟ لیکن مارے شرم کے اس نے کچھ نہ کہا اور اس سے اپنے گھر چلنے کو کہا۔ اس نے جواب دیا میں تیرے گھر نہیں جاؤں گا، مجھے یہیں رہنے دے۔ جوہری نے اسے قسم دی اور اپنے گھر لے گیا۔ دونوں نے کھانا کھایا اور تھوڑی دیر تک جاگتے رہے۔ اگر قمرالزماں اس سے سو لفظ کہتا تو وہ ایک لفظ میں جواب دیتا۔ اس کے بعد کنیز پیالے لائی جوہری پی کر سو گیا اور لڑکا جاگتا رہا۔ لڑکی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی دیکھا تو نے اس سینگ دار کو کہ وہ پڑا سو رہا ہے اسے عورتوں کے چھل فریب کی بالکل خبر نہیں۔ میں اس کے ساتھ اب ایسی چال چلوں گی کہ وہ مجھے طلاق دینے پر مجبور ہو جائے۔ کل میں کنیز کا بھیس بدل کر تیرے ساتھ دُکان چلوں گی تو کہیو کہ استاد! آج میں یسیر جیہ کی سرائے گیا تھا وہاں اس کنیز کو ایک ہزار دینار میں مول لیا ہے، دیکھ کہ ان داموں سستی ہے یا مہنگی؟ اس کے بعد میرا چہرہ اور سینہ کھول کر اسے دکھا دیجیو پھر مجھے اپنے گھر واپس لے آئیو میں سرنگ میں سے ہو کر اپنے گھر چلی جاؤں گی اور اس آخری چال کا نتیجہ دیکھوں گی۔

دونوں نے رات بڑے مزے میں گزاری صبح ہوتے لڑکی اپنے کمرے میں چلی گئی کنیز نے آکر اپنے آقا اور قمرالزماں کو جگایا۔ دونوں نے اٹھ کر وضو

کیا فجر کی نماز پڑھی، ناشتہ اُڑایا، قہوہ پیا، جوہری دُکان چلا گیا اور قمرالزماں اپنے گھر۔ اتنے میں لڑکی کنیز کا بھیس بدلے سرنگ میں سے نکل اُس کے پاس آئی، وہ پہلے تھی بھی کنیز ہی، اور قمرالزماں کے ساتھ دُکان چلی۔ وہاں پہنچ کر قمرالزماں نے جوہری کو سلام کیا اور بیٹھ کر کہنے لگا استاد آج میں سیر کی غرض سے یسیرجیہ کی سرائے گیا تھا، ایک دلال کے ساتھ اس کنیز کو دیکھا مجھے پسند آئی اور میں نے ایک ہزار دینار میں مول لے لیا۔ میں چاہتا ہوں تو اسے دیکھ کر بتائے کہ یہ سودا سستا ہے یا مہنگا۔ اتنا کہہ کر اس نے اس کا چہرہ کھول دیا جوہری نے دیکھا کہ وہ اس کی بیوی ہے، خوب بنی ٹھنی سرمہ اور مہندی لگائے جس طرح کہ وہ اس کے آگے گھر میں بنی ٹھنی رہتی ہے۔ اس کے چہرے، لباس اور گہنے سے جو اس نے خود بنایا تھا وہ اسے بالکل پہچان گیا اُس کی نظر اُن انگوٹھیوں پر بھی پڑی جو اس نے حال میں قمرالزماں کے لیے بنائی تھیں اور اسے ہر طرح سے یقین ہو گیا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ اس نے پوچھا کنیز، تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا حلیمہ، یہی اس کی بیوی کا نام تھا۔ اب اس نے جوان سے پوچھا تو نے اسے کتنے میں خریدا ہے؟ لڑکا بولا ایک ہزار دینار میں۔ جوہری نے کہا ان داموں میں وہ مفت ہے کیوں کہ محض اس کی انگوٹھیوں، لباس اور دوسرے گہنے کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ جوان بولا تو نے میرا سودا پسند کیا، خدا تجھے نیکی دے! اب میں اپنے گھر جاتا ہوں اور لڑکی کو ساتھ لے اپنے گھر چلا گیا اور لڑکی سرنگ میں سے ہو کر اپنے گھر چلی گئی۔

یہ تو لڑکی کے ساتھ پیش آیا، اُدھر جوہری کے دل میں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے اس نے اپنے دل میں کہا میں ابھی جا کر اپنی بیوی کو دیکھتا ہوں۔ اگر وہ گھر میں ہے تو یہ کنیز اس کے ہم شکل ہے اور اگر وہ گھر میں نہیں تو وہ ضرور

میری بیوی ہے۔ وہ اٹھ کر گھر گیا دیکھا کہ اس کی بیوی وہی لباس اور گہنا پہنے بیٹھی ہوئی ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ مار کر لاحول پڑھنے لگا۔ بیوی بولی تجھے جنون تو نہیں ہو گیا ہے؟ اس نے کہا ہمارا دوست تاجر ایک کنیز خرید کر لایا تھا، اس کا قد بھی تجھ سا تھا، بلندی بھی تجھ جیسی، نام بھی تیرا ہی اور لباس بھی یہی تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر گمان کیا کہ تو ہی ہے۔ کاش میں اس تاجر سے نہ ملا ہوتا کیوں کہ اس نے میری خوشی مٹی میں ملا دی ہے اور میرے دل میں شک پیدا کر دیا ہے! بیوی بولی میرا چہرہ خوب غور سے دیکھ، ممکن ہے میں ہی اس کے ساتھ ہوں اور وہ میرا آشنا ہو۔ جوہری بولا تو یہ کیا کہتی ہے؟ میرے خواب و خیال میں بھی یہ نہیں آتا کہ تو ایسی حرکت کرے۔ اس کے بعد بیوی نے کہا میں یہیں بیٹھی رہتی ہوں تو جا کر اس کا دروازہ کھٹکھٹا اور کسی چال سے فوراً اندر چلا جا۔ اگر تو نے اس کے پاس کسی کنیز کو دیکھا تو وہ میرے مشابہ ہو گی اور کسی کنیز کو دیکھا تو وہ کنیز میں ہی ہوں اور تیرا شبہہ بجا ہو گا۔ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے وہ وہاں سے چل دیا۔ ادھر اس کی بیوی سُرنگ میں سے ہو کر قمرالزماں کے پاس پہنچی اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا فوراً دروازہ کھول کر اسے میری صورت دکھا دے۔ اس نے دروازہ کھول کر جوہری کو اندر بُلا لیا۔ جوہری نے دیکھا کہ اس کی بیوی وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ بیوی نے اٹھ کر اس کے اور قمرالزماں کے ہاتھ چومے، جوہری دیر تک اسے دیکھتا اور اس سے باتیں کرتا رہا دیکھا کہ اس کنیز اور اس کی بیوی میں کوئی فرق نہیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا خدا جو چاہے پیدا کرے۔ اب اس کی حیرانی پریشانی اور بڑھ گئی وہ فوراً اپنے گھر واپس گیا دیکھا کہ اس کی بیوی وہاں بیٹھی ہوئی ہے کیوں کہ وہ سُرنگ میں سے ہو کر اس سے پہلے گھر پہنچ گئی تھی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نوسو پچھتّرویں رات

نوسو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! لڑکی سرنگ میں سے ہو کر اپنے شوہر سے پہلے گھر پہنچ گئی اور جب وہ آیا تو کہنے لگی تو نے کیا دیکھا؟ شوہر نے کہا وہ اپنے آقا کے پاس تھی اور تیرے ہم شکل۔ بیوی بولی جا اپنی دُکان، میری طرف سے تو کافی بدگمانی کر چکا۔ شوہر بولا میرا قصور معاف کر۔ بیوی نے کہا خدا تجھے معاف کرے! اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو دائیں بائیں لپٹایا اور دُکان چلا گیا، بیوی چار تھیلیاں لے کر سُرنگ کے راستے سے قمرالزماں کے پاس پہنچی اور کہا جلدی سے سفر کی تیاری اور مال لے چلنے کا انتظام کر۔ قمرالزماں نے بازار جا کر خچر خریدے، ایک تخت رواں تیار کرایا غلام اور بھیڑیے مول لیے اور سب کو شہر کے باہر پہنچا کر لڑکی کے پاس آیا اور کہا میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں۔ لڑکی بولی میں بھی اس کا سارا مال متاع لے کر تیرے پاس آگئی ہوں اُس کے پاس ایک تنکا تک نہیں چھوڑا ہے۔ ای میرے پیارے! یہ سب تیری محبّت کی وجہ سے ہے۔ میں اپنے شوہر کو ہزار بار تجھ پر قربان کرتی ہوں۔ لیکن تجھے چاہیے کہ جا کر اس سے رخصت ہو اور کہہ کہ میں تین دن کے بعد سفر کرنے والا ہوں، جو کچھ کرایہ میری طرف نکلتا ہو اس کا حساب کر لے تاکہ میں ادا کر دوں۔ جو کچھ وہ جواب دے مجھ سے آکر کہیو، میں تو عاجز آگئی ہوں اور لاکھ کوشش کی کہ وہ مجھے طلاق دے دے لیکن وہ اور زیادہ مجھ سے مانوس ہوتا جاتا ہے اب سوا اس کے چارہ نہیں کہ میں تیرے وطن چلی چلوں۔ قمرالزماں نے کہا کاش یہ خواب صحیح نکلے! اس نے دُکان پر جا کر کہا استاد! میں تین دن کے بعد سفر کرنے والا ہوں اور تجھ سے رخصت ہونے آیا ہوں،

کرایے کا حساب کرلے تاکہ میں بے باق کردوں۔ جوہری نے کہا تو یہ کیا باتیں کرتا ہے؟ احسان تو تیرا میرے اوپر ہے، میں گھر کا کرایہ ہرگز نہ لوں گا۔ لیکن تو نے سفر کا نام لے کر مجھے اداس کردیا اگر میرے اوپر یہ حرام نہ ہوتا تو میں تجھے تیرے وطن جانے سے روک لیتا۔ یہ کہ کر وہ گلے ملے اور دونوں بے حد روئے اور جوہری دکان بند کرکے اسے رخصت کرنے چلا۔ جب وہ قمرالزماں کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ بیوی وہاں موجود ہے پھر اپنے گھر گیا تو اسے وہاں پایا۔

تین دن تک یہی حالت رہی، اس کے بعد لڑکی نے کہا کہ جوہری کا سارا مال اور فرش فروش تو میں نے یہاں منتقل کردیا ہے محض وہ کنیز باقی رہ گئی ہے جو تمہارے لیے رات کو شراب لاتی ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتی وہ میری رشتے دار ہے میں اسے چاہتی ہوں اور وہ میری رازدار بھی ہے۔ میں اس پر ناراض ہوں گی، اُسے ماروں گی اور جب میرا شوہر آئے گا تو اس سے کہوں گی کہ میں اس کنیز کا منھ نہیں دیکھنا چاہتی اس کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہنا چاہتی، اسے لے جا کر بیچ ڈال۔ وہ اسے بیچنے لے جائے تو تو اسے خرید لیجیو تاکہ ہم اُسے اپنے ساتھ لے چلیں۔ اب اس نے کنیز کو مارا شوہر آیا تو اسے روتا دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا میری آقا نے مارا ہے۔ جوہری نے بیوی سے پوچھا کہ اس مردود کنیز نے کیا خطا کی کہ تو نے اسے مارا؟ اس نے جواب دیا میں تجھ سے صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ میں اس کنیز کا منھ نہیں دیکھنا چاہتی، اسے لے جا کر بیچ ڈال ورنہ مجھے طلاق دے دے۔ جوہری نے کہا میں ہرگز تیری مخالفت نہ کروں گا اسے ابھی بیچ آتا ہوں۔ وہ اسے بیچنے چلا تو راہ میں قمرالزماں ملا۔ اس اثنا میں لڑکی سرنگ میں سے ہو کر قمرالزماں کے پاس پہنچی اور قبل اس کے کہ وہ جوہری کے پاس جائے اس نے لڑکی

کو تخت رواں پر سوار کر دیا۔ جب وہ جوہری کے پاس پہنچا اور اس کے ساتھ اس نے کنیز کو دیکھا تو کہا یہ کیا؟ جوہری بولا یہ میری کنیز ہے جو ہمیں شراب پلایا کرتی تھی لیکن اس نے اپنی آقا کو ناراض کر دیا ہے اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے بیچ ڈالوں۔ جوان نے کہا میرے ہاتھ بیچ ڈال اس کی وجہ سے مجھے تیری یاد آتی رہے گی اور میری کنیز حلیمہ کی خدمت کرے۔ جوہری بولا بہت خوب لے جا۔ جوان نے کہا کتنے میں؟ جوہری بولا تجھ سے کچھ نہ لوں گا تیرا میرے اوپر احسان ہے۔ اس نے منظور کر لیا اور لڑکی سے کہا اپنے آقا کا ہاتھ چوم، لڑکی نے تخت رواں سے اُتر کر اس کا ہاتھ چوما اور پھر سوار ہو گئی جوہری اسے دیکھتا رہا۔ قمرالزماں نے کہا استاد عبید، میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں، ہمارا حساب کتاب بے باق ہے۔ جوہری بولا خدا بے باق کرے اور تجھے صحیح و سلامت گھر والوں سے ملائے! غرض کہ اس سے رخصت ہو کر وہ روتا ہوا دکان پہنچا۔ اُسے قمرالزماں سے چھٹنے کا افسوس تھا ساتھ ہی اس بات کی خوشی بھی تھی کہ وہ چلا گیا اور بیوی کے بارے میں اس کا شک صحیح نہ نکلا۔ اُدھر لڑکی نے قمرالزماں سے کہا اگر تجھے سلامتی منظور ہے تو عام راستے سے نہ چلیو، اور شہرزاد کو صبح ہوتی...

نو سو چھہتّرویں رات

نو سو چھہتّرویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! لڑکی نے کہا اگر تجھے سلامتی منظور ہے تو عام راستے سے نہ چلیو۔ قمرالزماں اس راستے سے روانہ ہوا جدھر سے لوگ عموماً آتے جاتے نہ تھے چلتے چلتے مصر کی سرحد پر پہنچا اور وہاں پیادے کے ہاتھ باپ کو خط بھیجا باپ تاجروں کے ساتھ بازار

میں بیٹھا ہوا تھا کہ پیادہ پہنچا اس نے پوچھا تم میں سے عبدالرحمان نامی تاجر کون ہے؟ لوگوں نے کہا تیرا اس سے کیا کام ہے؟ وہ بولا کہ میں اس کے بیٹے کا خط لایا ہوں اور میں نے اسے عریش کے پاس چھوڑا ہے۔ یہ سُن کر عبدالرحمان خوش ہو گیا۔ دوسرے تاجروں نے بھی خوش ہو کر اُسے مبارک باد دی اس نے خط لے کر پڑھا کہ قمرالزمان کی طرف تاجر عبدالرحمان کے نام، تجھ پر اور تمام تاجروں پر سلام پہنچے۔ خدا کا شکر کہ میں بھی بہ خیریت ہوں۔ میں نے خرید فروخت کی، کمایا اور صحیح وسلامت لوٹ کر آرہا ہوں۔ یہ پڑھتے ہی وہ خوشیاں منانے لگے دعوتیں اور گانا بجانا ہونے لگا۔ جب اس کا بیٹا صالحیہ پہنچا تو باپ اور تمام تاجر اس کے استقبال کے لیے گئے اور اس سے ملے۔ باپ اس کے گلے لپٹ گیا اسے سینے سے لگا لیا اور روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش آیا تو کہا بیٹا، مبارک ہو آج کا دن کہ خدا نے ہمیں تجھ سے ملایا! اب اور تاجروں نے بھی بڑھ کر اُسے سلام کیا دیکھا کہ اس کے ساتھ بہت سا سامان، نوکر چاکر ایک تخت رواں ہے انہیں ساتھ لے کر وہ اس کے گھر پہنچے لڑکی تخت رواں میں اسے اُتری باپ نے دیکھا کہ وہ انسان کیا فتنہ ہے۔ اسے ایک محل میں اُتارا، گویا وہ خزانہ تھی جو طلسمات سے نکلی تھی۔ ماں بھی اسے دیکھ کر فریفتہ ہو گئی سمجھی کہ وہ کوئی شاہزادی ہے خوش ہوئی اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا تیری بہو ہوں۔ ماں نے کہا تو پھر ہمیں اس خوشی میں جشن منانا چاہیے۔

یہ تو لڑکی کا قصہ ہوا، اب عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ جب سب لوگ چلے گئے تو اس نے بیٹے کے پاس آکر پوچھا یہ کنیز کون ہے اور تو نے اسے کتنے میں مول لیا؟ اس نے جواب دیا یہ کنیز نہیں، یہ وہی لڑکی ہے جس کی وجہ سے میں پردیس گیا اور جس کا ذکر درویش نے کیا تھا۔ درویش سے اس کا ذکر سُنتے ہی میرے

دل میں محبت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ میں نے اسی کی خاطر سفر کیا۔ راستے میں بدوؤں نے میرا سامان لوٹ لیا اور میرے کپڑے اُتار لیے۔ میں اکیلا بصرے پہنچا اور میرے ساتھ یہ یہ ماجرا پیش آیا۔ باپ نے پوچھا ان تمام باتوں کے بعد تو نے اس سے شادی کی یا نہیں؟ لڑکا بولا نہیں لیکن اس سے میں نے وعدہ کر لیا ہے۔ باپ نے کہا کیا اب تو اس سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا اگر تو اجازت دے گا تو کر لوں گا ورنہ نہیں۔ باپ بولا اگر تو اس سے شادی کرے گا تو دنیا اور آخرت دونوں میں میرا تیرا ساتھ نہیں۔ اس نے اپنے شوہر کے ساتھ یہ حرکت کی ہے تو تیرے ساتھ بھی یہی حرکت کرے گی۔ یہ دغاباز ہے اور دغاباز پر کوئی بھروسا نہیں۔ اگر تو نے میرا کہنا مان لیا تو میں اس سے خوب صورت لڑکی تلاش کروں گا جو پاک صاف ہو اور ایسا جشن مناؤں گا کہ کبھی نہ منایا گیا ہو۔ لوگوں کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے فلاں کی بیٹی سے شادی کی ہے اس سے بہتر ہے کہ وہ کہیں کہ اس نے ایک کنیز سے شادی کی جس کا حسب نسب معلوم نہیں

قمرالزماں نے کہا اگر یہ بات ہے تو میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔

یہ سن کر باپ نے قمرالزماں کی پیشانی چومی اور کہا تو واقعی میرا بیٹا ہے۔ تیری جان کی قسم میں تیری شادی ایسی لڑکی سے کروں گا جس کا جواب نہ ہو گا۔ اب عبدالرحمان نے جوہری عبید کی بیوی اور اس کی کنیز کو ایک اونچے محل میں اُتارا اور ان کے ساتھ ایک کالی کنیز کو رکھا جو انھیں کھانا پینا پہنچائے اور کہلا بھیجا کہ تو اور تیری کنیز یہیں بند رہے گی جب تک کہ میں تمھیں کسی کے ہاتھ بیچ نہ ڈالوں، اگر تو نے یہ نہ مانا تو میں تجھے اور تیری کنیز دونوں کو قتل کر دوں گا کیوں کہ تو نے خیانت کی ہے اور تجھ میں کوئی بھلائی نہیں۔ اس نے جواب دیا جو تیرا جی چاہے کر میں اس کی مستحق ہوں۔ اس نے دروازے میں قفل ڈال

دیا اور اپنی بیوی سے کہا سوا کالی کنیز کے ان کے پاس کوئی نہ جائے اور وہ بھی محض محراب میں سے انھیں کھانا پینا دے آیا کرے ۔ اب وہ وہاں رہنے لگی دن رات روتی اور پشیماں ہوتی کہ میں نے اپنے شوہر کے ساتھ کیا کیا ۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا، اب عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ اس نے کٹنیوں کو ہر طرف روانہ کر دیا جب وہ کسی خوب صورت لڑکی کو دیکھتیں تو انھیں معلوم ہوتا کہ ایک اور لڑکی اس سے بھی زیادہ حسین ہے یہاں تک کہ وہ شیخ الاسلام کے گھر پہنچیں دیکھا کہ اس کی بیٹی جوہری عبید کی بیوی سے ہزار درجے بہتر ہے آکر عبدالرحمان کو خبر کی ۔ عبدالرحمان اور دوسرے بڑے آدمی اس کے باپ کے پاس پیغام لے کر پہنچے نکاح نامہ تیار ہو گیا اور دعوتیں شروع ہو گئیں ۔ پہلے دن فقیہوں کو بلایا گیا اور میلاد شریف ہوا، دوسرے دن تمام تاجر مدعو کیے گئے ۔ ہر روز گانے بجانے والے آتے گاتے بجاتے روزانہ ایک خاص طبقے کی دعوت ہوتی ۔ چالیس دن تک یہی رنگ رہے عبدالرحمان اور اس کا بیٹا بیٹھ کر تماشا دیکھتے کہ اس جشن کا جواب نہیں۔ آخری دن دور اور نزدیک کے فقیروں اور مسکینوں کو دعوت دی گئی اور وہ آکر دعوت میں شریک ہونے لگے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ عبید بھی فقیروں کے ساتھ داخل ہوا۔ اس کے چہرے سے سفر کے آثار نمودار تھے وہ ننگا اور تھکا ہارا تھا۔ قمرالزماں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور باپ سے کہا اس فقیر کو ملاحظہ کیا جو ابھی دروازے سے داخل ہوا ہے؟ اس نے دیکھا کہ ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے آیا ہے جن کی قیمت دو درہم ہوگی، اس کا چہرہ زرد اور اس پر گرد پڑی ہوئی ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . .

نوسوستھترویں رات

نوسوستھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب عبدالرحمان کے بیٹے نے اس سے کہا کہ اس فقیر کو دیکھا تو اس نے پوچھا بیٹا، یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا جو عورت ہمارے ہاں قید میں ہے اس کا شوہر استاد عبید جوہری یہی ہے۔ اس کے آنے کا سبب یہ تھا کہ جب وہ قمرالزماں سے رخصت ہو کر دُکان پر گیا تو دن بھر وہاں کام کرتا رہا شام کو دُکان میں قفل ڈال کر گھر گیا دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ کھُل گیا۔ اندر جاکر دیکھا کہ نہ اس کی بیوی ہے نہ سامان اور گھر بُری حالت میں پڑا ہوا ہے۔ گھر کو خالی دیکھ کر وہ اِدھر اُدھر پاگلوں کی طرح پھرنے لگا کوئی نظر نہ آیا کوٹھری کھولی تو اس کا سارا سامان غائب تھا۔ اب اس کے ہوش و حواس اُڑ گئے اور اس کی سمجھ میں آگیا کہ اس کی بیوی ہی یہ چالیں چلتی تھی یہاں تک کہ وہ اسے دھوکا دے کر چل دی۔ لیکن اس نے یہ راز کسی سے نہ کہا تاکہ دشمن اس کا مذاق نہ اُڑائیں اور دوستوں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس رسوائی کو آشکارا نہ کر بلکہ جو کچھ تو کر سکتا ہے کر۔

اس نے گھر میں قفل لگایا دُکان جاکر اسے اپنے ایک کاری گر کے سپرد کیا اور کہا میرے دوست تاجر نے مجھے دعوت دی ہے کہ میں اس کے ساتھ مصر چل کر سیر کروں اور اپنی بیوی کو بھی لے چلوں۔ اگر حاکم دریافت کرے تو کہیو کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے چند چیزوں کو بیچ کر اونٹ، خچر اور غلام و کنیزیں خریدیں ایک کنیز کو تخت رواں میں بٹھایا اور دس دن کے بعد دوست احباب سے رخصت ہو کر بصرے سے روانہ ہو گیا۔

لوگوں کو یہی معلوم تھا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے گیا ہے وہ خوش ہو گئے کہ ہر جمعے کو مسجدوں اور گھروں میں بند رہنے سے انھیں چھٹکارا ملا۔ بعض تو یہ کہتے تھے کہ خدا پھر اسے بصرے نہ لائے ورنہ ہم پھر جمعے کو مسجدوں اور گھروں میں بند رہا کریں گے! بعض کہتے کہ بصرے والوں کی بددعا کی وجہ وہ سفر سے لوٹے ہی گا نہیں۔ بعض کہتے کہ اگر وہ لوٹا بھی تو خراب حال ہو کر لوٹے گا۔ جب جمعے کا دن آیا تو دستور کے مطابق شہر میں ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ لوگ نماز سے دو گھنٹے پہلے مسجدوں میں چلے جائیں یا گھروں میں چھپ رہیں اور گلیاں بھی بند کردی جائیں۔ یہ سن کر لوگ حیران پریشان ہو گئے، حاکم کے پاس دربار میں جاکر کہا کہ جوہری تو اپنی بیوی کو لے کر حج کرنے گیا ہے، اب ہمیں کس لیے قید کیا جاتا ہے؟ حاکم بولا کیا وہ دغاباز چلا گیا اور مجھے خبر تک نہیں؟ اگر وہ واپس آ گیا تب بھی تمھیں پھر تکلیف نہ دی جائے گی، جاؤ اپنی دکانوں پر اور خرید فروخت کرو۔

یہ تو حاکم اور بصرے والوں کا ماجرا ہوا، اب جوہری عبید کا قصہ سنو۔ دس مرحلے طے کرنے کے بعد اس پر وہی گزری جو قمرالزماں پر بصرے میں داخل ہوتے وقت گزری تھی۔ بدوؤں نے اس پر حملہ کرکے اس کے کپڑے لتے اتار لیے جو کچھ اس کے پاس تھا چھین لیا اور وہ مردہ بن کر لیٹ گیا۔ جب بدو چلے گئے تو وہ اٹھ کر آگے چلا اور چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچا جہاں لوگوں نے اسے کچھ پھٹے پرانے کپڑے دے دیے تاکہ وہ اپنی شرم گاہ ڈھک سکے۔ اب وہ وہاں سے شہر بہ شہر بھیک مانگتا مصر پہنچا اور مارے بھوک کے بازاروں میں بھیک مانگنے لگا۔ ایک مصری نے اس سے کہا اے فقیر! آج ایک جگہ جشن منایا جا رہا ہے، وہاں جاکر کھا پی، اس وقت فقیروں اور مسکینوں ہی کی باری ہے۔

جوہری بولا مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ مصری نے کہا میرے ساتھ چل میں تجھے دکھا دوں گا۔ وہاں پہنچا تو قمرالزماں کی نظر اس پر پڑی وہ اسے پہچان گیا اور اس نے اپنے باپ سے کہا۔ باپ بولا بیٹا! اس وقت وہ بھوکا ہے، پہلے اسے کھانا پینے دے پھر ہم اسے بلائیں گے۔ وہ کھانا کر باہر جانے لگا تو قمرالزماں کے باپ نے ایک شخص کو اس کے پیچھے دوڑایا اس نے جا کر کہا اے پردیسی! تاجر عبدالرحمان تجھے بلا رہا ہے۔ اس نے کہا یہ تاجر کون ہے؟ پیادے نے کہا جس کے ہاں جشن ہو رہا ہے۔ جوہری لوٹ پڑا وہ سمجھا کہ تاجر مجھے انعام دے گا۔

جوں ہی جوہری عبدالرحمان کے پاس پہنچا اور قمرالزماں سے چار آنکھیں ہوئیں تو وہ مارے شرم کے بدحواس ہو گیا۔ قمرالزماں اٹھ کر اس سے لپٹ گیا سلام کیا اور دونوں ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کے بعد اس نے جوہری کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔ باپ نے کہا اے ناسمجھ! دوست اس طرح نہیں ملا کرتے، اُسے حمام بھیج اور اس کی شان کے لائق اسے کپڑے پہنا، اس کے بعد بیٹھ کر باتیں کر۔ تاجر نے ایک نوکر کو آواز دی اور کہا اسے حمام لے جا، اس نے اس کے لیے ایک پوشاک بھیجی جس کی قیمت ایک ہزار دینار بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوگی، اسے پہن کر وہ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے تاجروں کا شاہ بندر۔ جب وہ حمام میں تھا تو لوگوں نے قمرالزماں سے پوچھا کہ یہ کون ہے اور تو اسے کہاں سے جانتا ہے؟ اس نے جواب دیا یہ میرا دوست ہے، اس نے مجھے اپنے گھر میں رکھا اور مجھ پر بڑے احسان کیے ہیں۔ وہ امیر کبیر ہے اس کا پیشہ جوہری کا ہے اور بصرے کا حاکم اس سے بڑی محبت کرتا ہے۔ مجھے اس کے آگے شرم آتی ہے کہ اس کے احسانوں کے مقابلے میں اس کے ساتھ کچھ

کر سکتا۔ انھوں نے کہا ہم سب اس کا واجبی احترام کریں گے لیکن ہم جاننا چاہتے ہیں کہ وہ مصر کس لیے آیا اور اس کا یہ بُرا حال کیوں کر ہوا۔ جوان بولا قضاو قدر کی رسی میں جکڑا ہوا ہو اور جب تک وہ اس دنیا میں رہتا ہو آفتیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

اب قمرالزماں نے اپنی کہانی شروع کی کہ جب میں بصرے پہنچا تو میری حالت اس سے بھی زیادہ بری تھی۔ وہ تو کم از کم پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوے ہو میرے پاس تو اپنی شرم گاہ چھپانے کے لیے بھی کوئی کپڑا لتّا نہ تھا، میرا ایک ہاتھ آگے تھا اور ایک پیچھے، سوا خدا اور اس شخص کے کسی نے میری مدد نہ کی۔ جب بدؤ میرے کپڑے لتّے اور سامان لے کر چل دیے تو میں بالکل ننگا بصرے میں داخل ہوا، اسی شخص نے مجھے پہننے کے لیے کپڑے دیے اور گھر رہنے کو، اور جو کچھ بھی میں لے کر آیا ہوں وہ خدا اور اس کی بدولت ہو۔ جس وقت میں مال و دولت لے کر خوش خوش اپنے وطن لوٹا ہوں تو وہ بڑی اچھی حالت میں تھا۔ شاید اس کے بعد اس پر کوئی بلا نازل ہوئی ہو کہ وہ اپنا ملک اور وطن چھوڑ کر یہاں آیا ہو اور غالباً راہ میں اس پر بھی وہی گزری ہو جو مجھ پر گزری تھی۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ استاد عبید آگیا۔ سب نے اٹھ کر اسے سلام کیا اور صدر میں بٹھایا۔ قمرالزماں نے کہا دوست! آج کا دن مبارک ہو۔ مجھ پر رشک ۔ نہ کھا کیوں یہی میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔ اگر بدؤوں نے تیرا مال چھین لیا ہو تو غم نہ کر، تیرے جسم سے بلا اُتر گئی۔ میں بھی تیرے شہر میں ننگا پہنچا تھا اور تو نے مجھے پہننے کے لیے کپڑے دیے میری عزت کی اور مجھ پر بڑا احسان کیا، میں تجھے اس کا بدلہ دوں گا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نوسو اٹھتّرویں رات

نوسو اٹھتّرویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد شاہ! قمرالزماں نے کہا میں تجھے اس کا بدلہ دوں گا بلکہ اس سے بھی زیادہ، میرے پاس بیٹھنے کے بعد غم کس بات کا خوش ہو۔ اسی طرح وہ اس کی دل دہی کرتا رہا اور اسے بات کرنے کا موقع نہ دیا کہ کہیں وہ اپنی بیوی کا ذکر نہ کر بیٹھے۔ جوہری سمجھ گیا وہ بھی کچھ نہ بولا۔ پھر قمرالزماں اور اس کا باپ جوہری کو لے کر اندر گئے اس سے تنہائی میں باتیں کیں اور کہا ہم نے عمداً تجھے باتیں کرنے سے روکا ورنہ تیری اور ہماری دونوں کی فضیحت ہو جاتی۔ اب ہم اکیلے ہیں، بتا کہ تجھ میں تیری بیوی اور میرے بیٹے میں کیا ماجرا پیش آیا؟ جوہری نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا جب وہ ختم کر چکا تو عبدالرحمان نے پوچھا اس میں خطا تیری بیوی کی ہے یا میرے بیٹے کی؟ جوہری بولا تیرا بیٹا بالکل قصوروار نہیں۔ مردوں کو تو ہمیشہ عورتوں کی طرف کشش ہوتی ہے لیکن عورتوں کا فرض ہے کہ وہ مردوں سے بچتی رہیں۔ لہٰذا خطا میری بیوی کی ہے کیوں کہ اس نے مجھے دھوکا دیا اور میرے ساتھ یہ حرکت کی۔ تاجر اٹھ کر اپنے بیٹے کے پاس گیا اور کہا میں نے اس کی بیوی کے بارے میں معلوم کر لیا ہے کہ وہ دغاباز ہے لیکن میں جاننا چاہتا ہوں آیا جوہری میں عزت اور انسانیت ہے یا وہ بھی کٹنا ہے؟ بیٹے نے کہا تو یہ کیسے معلوم کرے گا؟

تاجر بولا میں اس سے کہوں گا کہ وہ اپنی بیوی سے صلح کر لے۔ اگر وہ صلح کرنے پر راضی ہو گیا تو میں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا اور اس کے بعد اس کی بیوی اور کنیز کو بھی قتل کر ڈالوں گا کیوں کہ کٹنے اور زانیہ کے

جینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور اگر وہ اس سے الگ ہو جائے گا تو بیٹی اس کی شادی تیری بہن سے کردوں گا اور جتنا مال تجھے اس سے ملا ہو اس سے زیادہ اُسے دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ جوہری کے پاس گیا اور کہا استاد! عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے بڑی دریا دلی کی ضرورت ہو اور جوان سے محبت کرے اسے نہایت فراخ دلی سے کام لینا چاہیے وہ اپنے حسن وجمال کی وجہ سے مردوں کے ساتھ ناز نخرے کرتی اور انھیں ستاتی ہیں خاص کر جب انھیں معلوم ہو جائے کہ ان کے شوہر انھیں چاہتے ہیں۔ جس مرد کا دل بڑا نہ ہو وہ اپنی بیوی کی بُری بات دیکھ کر اس کی صحبت ترک کر دیتا ہو۔ عورتوں کے بارے میں کہا گیا ہو کہ اگر وہ آسمان پر ہی کیوں نہ ہوں مردوں کی گردنیں ان کی طرف جھکتی ہیں۔ یہ تو تیری بیوی ہو اور تو نے اس کے ساتھ ایک مدّت گزاری ہو، تجھے چاہیے کہ اسے معاف کر دے۔ عورتوں کی سمجھ اور دین ناقص ہوتے ہیں اگرچہ اس نے بُرا کیا ہو اب وہ توبہ کرتی ہو اور خدا نے چاہا تو وہ پھر ایسا نہ کرے گی۔

لہٰذا میری رائے ہو کہ تو اس کے ساتھ صلح کر لے میں تیرے مال سے زیادہ تجھے دوں گا۔ اور اگر تو میرے ساتھ رہنا چاہے گا تو بسر وچشم، یہاں تم لوگوں کے لیے ہر طرح سے خوشی ہی خوشی ہو۔ اور اگر تو اپنے گھر جانا چاہے تو جو تیری مرضی ہو لے جا تخت رواں حاضر ہو، اپنی بیوی اور کنیز کو اس میں بٹھا کر اپنے وطن چلا جا۔ جوہری نے پوچھا اے میرے آقا! میری بیوی کہاں ہو؟ اس نے کہا فلاں محل میں۔ اس کے پاس جا کر اسے میری طرف سے تسلّی دے اور سختی نہ کر۔ جب میرا بیٹا اسے لایا ہو تو وہ اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے روک دیا اسے ایک محل میں اُتار کر اس میں قفل لگا دیا اور اپنے دل میں کہا جب اس کا شوہر آئے گا تو میں اُسے اُس کے سپرد کر دوں گا

کیوں کہ وہ حسین ہے۔ اب رہا میرا بیٹا، اس کی شادی میں نے دوسری لڑکی سے کردی ہے یہ اسی کا جشن ہے جو منایا جا رہا ہے اور آج رات وہ اس سے ہم بستر ہوگا۔ لے یہ اس محل کی کنجی ہے جس میں تیری بیوی ہے، اسے کھول کر اپنی بیوی اور کنیز سے مل اور خوش ہو۔ میں کھانا پینا بھیجتا ہوں، جب تک تو پیٹ بھر کر کھا نہ لیجیو وہاں سے نہ نکلیو۔ جوہری بولا خدا تجھے نیک بدلہ دے! اور کنجی لے کر خوش خوش چل دیا۔ تاجر سمجھا کہ اسے یہ باتیں پسند آئیں تلوار لے کر چپکے چپکے اس کے پیچھے ہولیا اور کھڑا ہو کر سننے لگا کہ اس میں اور اس کی بیوی میں کیا باتیں پیش آتی ہیں۔

یہ تو عبدالرحمان کا قصہ ہے، اب جوہری کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا سنو۔ جب وہ اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ اس بات پر بلک بلک کر رو رہی ہے کہ قمرالزماں نے دوسری شادی کرلی اور کنیز اس سے کہہ رہی ہے کہ اے میری آقا! میں نے تجھے کتنا سمجھایا کہ اس جوان سے تجھے کوئی بھلائی نہ ملے گی لیکن تو نے میری بات نہ سنی اپنے شوہر کا مال تک اسے دے دیا اور گھر بار چھوڑ کر اس کے ساتھ چل دی دیکھا اس نے تجھے کس طرح اپنے دل سے نکال دیا دوسری شادی کرلی اور تجھے قید کردیا۔ لڑکی بولی اے ملعونہ! چپ رہ، اگرچہ اس نے دوسری سے شادی کرلی ہے لیکن ایک نہ ایک دن اُسے ضرور میری یاد آئے گی اور وہ میرے بارے میں دریافت کرے گا۔ میں اپنے دل سے اس کی محبت نہیں نکال سکتی خواہ میں قید خانے میں مر ہی کیوں نہ جاؤں وہ میرا پیارا اور میرے دُکھ کی دوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ میری طرف لوٹ کر آجائے گا۔ جب اس کے شوہر نے اس کی یہ باتیں سُنیں تو اس کے پاس جا کر کہا اے دغاباز! تیری امید اس کے بارے میں ایسی ہے جیسی ابلیس کی جنت کے

بارے میں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھ میں یہ عیب ہے تو میں تجھے ایک پہر اپنے پاس نہ ٹھیرنے دیتا۔ اب جب کہ مجھے یقین ہوگیا ہے تو لازم ہے کہ میں تیری گردن اُڑا دوں خواہ اس کے بدلے میں قتل ہی کیوں نہ کر دیا جاؤں۔ یہ کہہ کر اس نے اس کا گلا اس زور سے دبایا کہ وہ مرگئی۔ کنیز چلانے لگی کہ ہائے میری آقا! جوہری نے کہا اے چڑیل، قصور سارا تیرا ہے، تجھے معلوم تھا کہ وہ یہ جو کچھ کر رہی ہے لیکن تو نے مجھے خبر نہ کی۔ اس کے بعد اس نے کنیز کا بھی گلا گھونٹ دیا۔

اِدھر یہ واردات ہو رہی تھی اور اُدھر عبدالرحمان ہاتھ میں تلوار لیے دروازے کے پیچھے کھڑا سُن رہا اور دیکھ رہا تھا۔ جب عبید نے دیکھا کہ میں نے تاجر کے گھر میں انھیں مار ڈالا ہے تو اسے طرح طرح کے وہم آنے لگے۔ نتیجے سے ڈرا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب تاجر کو معلوم ہوگا کہ میں نے انھیں اس کے محل کے اندر قتل کیا ہے تو وہ ضرور مجھے بھی قتل کر ڈالے گا، لیکن میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو! اتنے میں تاجر عبدالرحمان اس کے پاس اندر جا پہنچا اور کہنے لگا ڈر نہیں تیرا بال بیکا نہ ہوگا۔ دیکھ یہ تلوار میں اس لیے لایا تھا کہ اگر تو نے صلح کر لی تو میں تجھے بھی مار ڈالوں اور لڑکی کو بھی۔ لیکن چوں کہ تو نے یہ کام کیا ہے لہٰذا مرحبا! مرحبا! اس کے بدلے میں تیری شادی اپنی بیٹی سے کر دوں گا۔ اب تاجر جوہری کو لے کر باہر آیا مردہ شو کو بلوایا اور یہ خبر مشہور کر دی کہ قمرالزماں دو کنیزیں ساتھ لایا تھا، ان کا انتقال ہوگیا۔ لوگ اس کے پاس تعزیت کے لیے آتے اور کہتے کہ تو سلامت رہے ان کے بدلے خدا تجھے اور دے! اس کے بعد دونوں کو غسل دے کر کفن پہنایا اور دفن کر آئے کسی کو اصل

واقعے کا پتا تک نہ چلا

یہ تو جوہری عبید اور اس کی بیوی اور کنیز کا ماجرا ہوا، اب تاجر عبدالرحمان کا ماجرا سنو۔ اس نے شیخ الاسلام اور تمام امرا کو بلاکر کہا اے شیخ الاسلام! میری بیٹی کوکب الصباح کا نکاح نامہ استاد عبید جوہری کے نام لکھ دے۔ اس کا مہر مجھے پورا مل چکا ہے۔ اور دونوں جشن ساتھ ساتھ منائے جانے لگے شیخ الاسلام کی بیٹی اور کوکب الصباح کی منھ دکھائی ایک ہی تخت رواں پر ایک ہی رات ساتھ ساتھ کی گئی اسی طرح شام کے وقت قمرالزماں اور استاد عبید کی منھ دکھائی ساتھ ساتھ ہوتی اور عبید نے دیکھا کہ کوکب الصباح اس کی بیوی سے ہزار درجے خوب صورت ہے۔ کچھ دنوں تک عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بعد وہ ایک روز تاجر عبدالرحمان کے پاس گیا اور کہنے لگا چچا، مجھے وطن جانے کا اشتیاق ہے، وہاں میرا بڑا کاروبار ہے میں اسے اپنے ایک کاری گر کے سپرد کر آیا تھا۔ چاہتا ہوں کہ وطن جاکر ساری چیزیں بیچ ڈالوں اور پھر لوٹ کر یہاں آجاؤں۔ تاجر بولا بیٹا، میں تجھے دل سے اجازت دیتا ہوں، وطن کی محبت ایمان کا جز ہے لیکن اگر تو بے اپنی بیوی کے جائے گا تو تیرا دل ڈانوا ڈول رہے گا کہ وطن میں رہوں یا بیوی کے پاس جاؤں۔ اس لیے بہتر ہے کہ اپنی بیوی کو بھی لیتا جا، پھر اگر تو یہاں آنا چاہے تو مرحبا۔ ہم لوگ طلاق بالکل نہیں جانتے نہ ہماری عورتیں دوبار شادی کرتی ہیں اور نہ ہم کسی شخص کو نکال باہر کرتے ہیں۔

جوہری بولا مجھے ڈر ہے کہ شاید تیری لڑکی میرے ساتھ وطن چلنے پر راضی نہ ہو۔ اس نے جواب دیا ہمارے ہاں ایسی کوئی عورت نہیں جو اپنے شوہر کی مخالفت کرے یا اس پر ناراض ہو۔ جوہری بولا برکت دے خدا تمھیں اور

تمہاری عورتوں کو۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا میں اپنے وطن جانا چاہتا ہوں، تو کیا کہتی ہے؟ وہ بولی کہ جب تک میں کنواری تھی باپ کے حکم پر چلتی تھی اور اب چوں کہ میری شادی ہو گئی ہے شوہر کا حکم مانوں گی اور کبھی اس کی مخالفت نہ کروں گی۔ جوہری بولا برکت دے خدا تجھے اور تیرے باپ کو اور رحمت بھیجے اس رحم پر جس نے تیرا بوجھ اٹھایا اور اس پیٹھ پر جس سے تجھے رحم میں ڈالا! اب وہ چچا سے رخصت ہوا اور اپنی بیوی کو لے کر بصرے پہنچا۔ اس کے دوست اور رشتے دار اس کے خیر مقدم کے لیے گئے وہ اب تک اسی خیال میں تھے کہ وہ حجاز گیا ہوا ہے۔ بعض اس کے آنے پر خوش تھے بعض ناخوش، بعض کہتے تھے کہ پھر وہ آگیا ہے اب ہمیں پھر مسجدوں اور گھروں میں بند ہونا پڑے گا یہاں تک کہ کتوں اور بلیوں کو بھی بند کرنا پڑے گا۔

یہ تو ان کا ماجرا ہوا، اب بصرے کے حاکم کا قصہ سنو۔ جب اسے معلوم ہوا کہ جوہری آگیا ہے تو وہ بہت ناراض ہوا اور اسے بلا کر کہا تو چلا گیا اور مجھے خبر تک نہ کی۔ کیا میں اتنا کم ہمت تھا کہ تجھے سفر کے لیے کچھ نہ دیتا؟ اس نے کہا معاف کر، واللہ میں حج پر نہیں گیا تھا بلکہ میرے ساتھ یہ یہ باتیں پیش آئی تھیں۔ حاکم نے کہا واللہ اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر کے اس لڑکی سے شادی کر لیتا خواہ اس میں مجھے خزانے کے خزانے کیوں نہ خرچ کر دینے پڑتے لیکن خدا نے اسے تیری قسمت میں لکھ دیا ہے اس لیے اسے اچھی طرح سے رکھیو۔ اس کے بعد حاکم نے اسے انعام دیا اور وہ چلا آیا۔ پانچ سال تک لڑکی کے ساتھ بسر کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا حاکم نے اس سے شادی کی درخواست کی وہ راضی نہ ہوئی اور حاکم سے کہا ہم لوگوں

ہیں کوئی عورت اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے سے شادی نہیں کرتی۔ لہٰذا نہ میں تجھ سے شادی کرسکتی ہوں نہ کسی اور سے خواہ تو مجھے مار ہی کیوں نہ ڈالے۔ اس کے بعد حاکم نے پوچھا کہ کیا تو اپنے وطن واپس جانا چاہتی ہے؟ اس نے جواب میں کہلا بھیجا اگر تو میرے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے تو تجھے اس کا بدلہ ملے گا۔ حاکم نے جوہری کا تمام مال جمع کیا اور اس کی حیثیت کے مطابق اپنے پاس سے بھی دیا اور اپنے ایک وزیر کے ہمراہ اسے روانہ کردیا اور پانسو سوار اس کے ساتھ کردیے۔ وزیر اسے اس کے باپ کے پاس آ پہنچا۔ مرتے دم تک اس نے شادی نہ کی اور کر بھی کیسے سکتی تھی؟ جب اس نے حاکم سے شادی نہ کی تو پھر کس سے کرتی۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ سب عورتیں برابر ہوتی ہیں تو اس کے جنوں کا کوئی علاج نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے اور جو کبھی نہیں مرتی۔

عبداللہ بن فاضل اور اس کے بھائیوں کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ! ایک یہ کہانی بھی لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ ہارون الرشید ملکوں کے خراج کا معائنہ کر رہا تھا اس نے دیکھا کہ سوا بصرے کے خراج کے تمام ملکوں کا خراج موجود ہے۔ وزیر جعفر کو بلا کر پوچھا کہ تمام ملکوں کا خراج بیت المال میں آگیا ہے لیکن بصرے کا ابھی تک نہیں آیا۔ جعفر نے عرض کیا ممکن ہے کہ بصرے کے والی کے ساتھ کوئی ایسی بات پیش آگئی ہو جس کی وجہ سے وہ خراج بھیجنا بھول گیا ہو۔ خلیفہ

نے کہا خراج بھیجنے کی مدت بیس دن ہوے گزر چکی ہے اس اثنا میں نہ اس نے خراج بھیجا نہ اس تعویق کی وجہ لکھی۔ جعفر نے کہا اگر تیری رائے ہو تو ہم اس کے پاس کسی کو بھیجیں۔ خلیفہ بولا ابو اسحاق الموصلی الندیم کو بھیج۔ جعفر نے گھر جاکر ابو اسحاق کو بلوایا اور اسے خط دے کر کہا بصرے کے والی عبداللہ بن فاضل کے پاس جا اور دیکھ اس نے خراج بھیجنے میں کیوں غفلت کی۔ پھر خراج لے کر فوراً لوٹ آئیو۔ اگر خراج موجود نہ ہو اور وہ عذر کرے تو اسے اپنے ساتھ لیتا آئیو تاکہ وہ خلیفہ کے آگے خود جواب دہی کرلے۔ ابو اسحاق پانچ ہزار سوار لے کر روانہ ہوگیا اور بصرے پہنچا۔ عبداللہ بن فاضل کو اس کے آنے کی خبر ملی تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ اس کے استقبال کو گیا اسے لے کر بصرے میں داخل ہوا اور اپنے محل میں اُتارا۔

جب ابو اسحاق دربار میں آیا اور کرسی پر بیٹھا تو اس نے عبداللہ کو اپنے پہلو میں بٹھایا سارے درباری درجہ بہ درجہ بیٹھے۔ مزاج پُرسی کے بعد ابن فاضل نے پوچھا اے میرے آقا کیا کسی خاص وجہ سے تو نے قدم رنجہ فرمایا ہے؟ اس نے کہا خراج لینے کے لیے کیوں کہ خلیفہ کہتا ہے کہ خراج بھیجنے کا وقت گزر چکا اور ابھی تک نہیں آیا۔ ابن فاضل نے کہا اس لیے تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ خراج پورا حاضر ہے اور میں اسے کل بھیجنے والا تھا لیکن چوں کہ تو آگیا میں تین روز تیری ضیافت کرکے تیرے حوالے کردوں گا، اور اب چوں کہ تو نے اور امیر المومنین نے میرے اوپر مہربانی کی ہے میرے لیے واجب ہے کہ تجھے ہدیہ دوں۔ اس کے بعد اس نے دربار برخاست کیا ابو اسحاق کو محل کے اندر لے گیا اسے اور اس کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا قہوہ، شربت پلایا اور جب بیٹھے بیٹھے تہائی رات گزر گئی تو اس کے لیے

ہاتھی دانت کا تخت بچھوایا جس پر سونے کا کام تھا۔ ابو اسحاق اس پر لیٹ گیا اور بصرے کا والی دوسرے تخت پر جو اس کے بازو میں تھا۔ ابو اسحاق کو اس رات نیند نہ آئی کیوں کہ وہ شعر کی بحروں اور نظام میں غرق تھا، اسے اشعار اور لطیفہ گوئی میں خاص لیاقت تھی، آدھی رات تک شعر کہتا رہا۔ اتنے میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ ابن فاضل اٹھا اور ایک الماری کھول کر اس میں سے ایک کوڑا نکالا اور ایک جلتی ہوئی شمع لے کر محل کے دروازے سے نکل گیا، اسے یہی خیال تھا کہ ابو اسحاق سو رہا ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نوسوانا سیویں رات

نوسوانا سیویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! جب عبداللہ بن فاضل دروازے سے نکلا تو ابو اسحاق حیران ہوا اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید وہ کوڑا لے کر کسی کو سزا دینے جاتا ہے۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے جا کر دیکھوں تو سہی کہ وہ آج رات کیا کرتا ہے۔ ابو اسحاق اٹھ کر دبے پانو اس کے پیچھے ہو لیا اس طرح سے کہ وہ اسے نہ دیکھ سکے کیا دیکھتا ہے کہ عبداللہ نے ایک کوٹھری کھولی اور اس میں سے ایک سینی نکالی جس پر چار پیالوں میں کھانا، روٹی اور ایک کوزہ پانی۔ ان چیزوں کو لے کر وہ ایک دوسری کوٹھری میں گیا اور ابو اسحاق دروازے کی دراڑ میں سے جھانکنے لگا دیکھا اس میں بڑا قیمتی فرش بچھا ہوا ہے بیچ میں ایک ہاتھی دانت کا تخت پڑا ہے جس پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے ہیں اس تخت سے دو کتے سونے کی زنجیروں

میں بندھے ہوئے ہیں۔ عبداللہ نے سینی تو ایک طرف رکھ دی اور آستینیں چڑھا کر ایک کتے کو کھولا۔ کتا اُچھلنے کودنے لگا اور اس نے اپنی تھوتھنی زمین پر رکھ دی گویا وہ اس کے آگے زمین چوم رہا ہے۔ اب اس نے کتے کے ہاتھ پانو باندھ کر کوڑا نکالا اسے بے رحمی کے ساتھ مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ اس کی آواز بند ہو گئی وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے کتے کے ساتھ بھی وہی کیا جو پہلے کے ساتھ کیا تھا، پھر اس نے رومال نکال کر دونوں کے آنسو پونچھے اور انھیں چمکار کر کہا مجھ سے ناراض نہ ہونا، واللہ میں یہ اپنی خوشی سے نہیں کرتا ہوں بلکہ یہ مجھ پر بہت گراں گزرتا ہے میں دُعا کرتا ہوں کہ خدا تمھیں اس مصیبت سے نجات دے! پھر اس نے دسترخوان پر سے کھانا لے کر ان کے منھ میں نوالے دیے اور ان کے منھ پونچھ کر انھیں کوزے سے پانی پلایا، عبداللہ لوٹنے لگا تو ابو اسحاق اس سے پہلے ہی جا کر تخت پہ لیٹ گیا۔ عبداللہ نے ساری چیزیں اپنی اپنی جگہ رکھ دیں اور کپڑے اُتار کر سو گیا۔

یہ تو اس کا ماجرا ہوا، اب ابو اسحاق کا حال سنو۔ مارے حیرانی کے اسے رات بھر نیند نہ آئی وہ اپنے دل میں کہتا کہ یا اللہ، یہ کیا قصہ ہے؟ جب صبح ہوئی تو انھوں نے اُٹھ کر ناشتا کیا اور قہوہ پی کر دربار میں گئے، ابو اسحاق دن بھر اسی سوچ میں لگا رہا، لیکن عبداللہ سے کچھ ذکر نہ کیا نہ اس نے کچھ پوچھا۔ دوسری رات پھر یہی باتیں اس کی نظر سے گزریں اور پھر تیسری رات بھی، چوتھے روز وہ خراج لے کر روانہ ہو گیا اور عبداللہ سے کچھ نہ کہا۔ جب اس نے بغداد پہنچ کر خلیفہ کو خراج دیا اور کہا کہ خراج روانگی کے لیے بالکل تیار تھا اگر میں ایک دن بعد روانہ ہوتا تو وہ مجھے راستے میں ملتا، لیکن میں نے عبداللہ

کی ایک ایسی عجیب و غریب بات دیکھی جو کبھی نہ دیکھی تھی۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے دونوں کتوں کا واقعہ بیان کر دیا۔ خلیفہ بولا تو نے اس کی وجہ بھی پوچھی؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ خلیفہ نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ بصرے جا کر عبداللہ اور دونوں کتّوں کو لے آ۔ اس نے کہا کہ مجھے اس سے معاف رکھیں کیوں کہ اس نے میرا بڑا احترام کیا ہے اور یہ باتیں مجھے اتفاقاً معلوم ہو گئی ہیں اور میں نے ان کا ذکر تجھ سے کر دیا ہے۔ میں کیا منھ لے کر اس کے پاس جاؤں اور اسے لے کر یہاں آؤں؟ خلیفہ نے کہا اگر میں کسی دوسرے کو بھیجوں تو ممکن ہے کہ وہ مکر جائے اور کہے کہ میرے پاس کتے نہیں لیکن تیرے سامنے وہ مکر نہیں سکتا۔ اس لیے تیرا جانا ضروری ہے ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نوسوانیسویں رات

نوسوانیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! خلیفہ بولا کہ اگر تو نہ جائے گا تو میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ ابواسحاق نے کہا۔ یہ مثل سچ ہے کہ ساری آفتیں زبان سے پیدا ہوتی ہیں۔ میں نے تجھ سے کہہ کر خود اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا اچھا تو اپنے ہاتھ سے خط لکھ اور میں جا کر اسے لے آؤں گا۔ خلیفہ نے اپنے ہاتھ سے خط لکھا اور وہ اسے لے کر بصرے روانہ ہو گیا۔ والی نے اسے دیکھ کر پوچھا خدا خیر کرے! تو دوبارہ کیسے آیا ہے؟ کیا خراج میں کچھ کمی ہے؟ اس نے کہا نہیں، خراج تو پورا ہے اور خلیفہ نے اسے منظور کر لیا ہے۔ لیکن مجھے معاف کر کہ مجھ سے تیرے حق میں ایک گستاخی سرزد ہو گئی ہے کیا

کیا جائے؟ قسمت کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔ عبداللہ بولا وہ کیا ہی مجھ سے کہہ دے، تو میرا دوست ہی، میں تجھ پر ناراض نہیں ہو سکتا۔ ابواسحاق بولا جب میں تیرے پاس مہمان تھا تو میں نے تین رات برابر دیکھا کہ تو اُٹھ کر کتّوں کو مارتا ہی لیکن مارے شرم کے میں نے تجھ سے کچھ کہا نہیں۔ اس کے بعد اتفاق سے خلیفہ کے سامنے میرے منھ سے یہ بات نکل گئی اس نے مجھے واپس بھیجا اور تجھے یہ خط دیا ہی۔ عبداللہ نے کہا چوں کہ تو خلیفہ سے کہہ چکا ہی میں تجھے جھٹلاؤں گا نہیں، تو میرا دوست ہی اگر کوئی اور ہوتا تو میں مکر جاتا اور اُسے جھٹلا دیتا چل میں کتّوں کو لے کر تیرے ساتھ چلتا ہوں خواہ اس میں میری موت ہی کیوں نہ ہو۔ ابواسحاق بولا جس طرح تو نے خلیفہ کے آگے میری عزّت رکھ لی خدا تیری عزّت رکھے گا۔

اب اس نے خلیفہ کے لائق ہدیے لیے دونوں کتّوں کو سونے کی زنجیروں میں باندھ کر اونٹوں پر سوار کیا اور بغداد پہنچ کر خلیفہ کے پاس گیا اس کے آگے زمین چومی۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کیسے کتے ہیں؟ اس پر دونوں کتّے زمین چومنے اور دُم ہلا ہلا کر رونے لگے گویا وہ شکایت کر رہے تھے۔ خلیفہ کو اس پر تعجب ہوا اس نے کہا ان کا کیا قصّہ ہی؟ اس نے جواب دیا یہ کتّے نہیں بلکہ دو خوش رو اور حسین جوان اور میرے سگے بھائی ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا وہ انسان سے کس طرح کتّے ہو گئے؟ عبداللہ نے کہا جو کچھ میں کہوں گا اس پر یہ دونوں گواہی دیں گے۔ خلیفہ بولا کتّے کس طرح گواہی دے سکتے ہیں؟ اس نے کتّوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا اگر میں جھوٹ بولوں تو تم سر اوپر اٹھا کر آنکھیں پھیرنا اور اگر سچ کہوں تو سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لینا۔

پھر اس نے کہنا شروع کیا کہ ای خلیفہ! ہم تینوں سگے بھائی ہیں، ہماری ماں ایک اور باپ ایک۔ باپ کا نام فاضل تھا اس لیے کہ وہ اور ایک دوسرا بچّہ جڑواں پیدا ہوے تھے دوسرا بچہ مر گیا اور ہمارا باپ زندہ رہا لہٰذا اس کے باپ نے اس کا نام فاضل رکھا۔ اس کی تین اولادیں ہوئیں، سب سے بڑا منصور، منجھلا ناصر اور چھوٹا میں عبداللہ۔ جب ہم جوان ہوے تو باپ کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ہمارے لیے ترکے میں ایک مکان چھوڑا اور ایک دُکان جس میں طرح طرح کے ہندی، رومی اور خراسانی کپڑے تھے اور ساٹھ ہزار دینار نقد۔ ہم نے اسے دفن کر کے اس کا ایک شان دار مزار بنایا اور چالیس روز تک قرآن خوانی کی۔ اس کے بعد میں نے تمام تاجروں اور شریفوں کو اکٹھا کر کے کھانا کھلایا اور ان سے کہا ای تاجرو! دنیا فنا ہونے والی ہی اور آخرت باقی رہنے والی، پاک ہی وہ ذات جو دنیا کے فنا ہونے کے بعد بھی قائم رہے گی۔ میں نے تمھیں اس لیے جمع کیا ہی کہ ممکن ہی میرے باپ کے اوپر کسی کا قرضہ ہو تو میں ادا کر دوں۔ انھوں نے کہا ای عبداللہ! دنیا کے پیچھے آخرت بگاڑنا بے سود ہی، ہم جھوٹ نہ بولیں گے، ہم حلال اور حرام میں فرق جانتے ہیں خدا سے ڈرتے ہیں اور یتیم کا مال خورد برد نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں معلوم ہی کہ تیرے باپ کا مال اوروں کے پاس رہا کرتا تھا لیکن اوروں کا اس کے پاس نہیں۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ خداوندا، تجھی پر میرا بھروسا اور امید ہی، ایسی حالت میں مجھے نہ مار یو کہ میں کسی کا قرض دار ہوں! اگر اس کے پاس کسی کی کوئی چیز ہوتی تو وہ اسے بے مانگے دے دیتا اور اگر اس کے دام کسی پر آتے تو کہتا کہ جب ہو سکے دے دیجیو اگر وہ غریب ہوتا تو اسے معاف کر دیتا غریب نہ بھی ہوتا اور مر جاتا تو وہ کہتا کہ خدا اسے

معاف کر دے! ہم ایمان سے کہتے ہیں کہ اس پر کسی کا قرضہ نہیں۔ میں نے کہا کہ خدا تمھیں برکت دے!

اب میں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ ہمارے باپ پر کسی کا قرضہ نہیں اور ترکے میں اس نے مال، کپڑے اور دکان چھوڑی ہے، ہم تین بھائی ہیں تہائی تہائی کے حق دار۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تقسیم نہ کریں ساتھ ساتھ رہیں اور کھائیں پییں؟ یا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم سارا مال آپس میں بانٹ لیں؟ وہ بولے کہ بانٹ لیں اور ہر شخص اپنا اپنا حصّہ لے لے۔ یہ کہہ کر وہ کتوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہا بھائیو، یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ انھوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کرلیں گویا وہ کہنا چاہتے تھے کہ ہاں۔ پھر اس نے کہا امیر المومنین، میں نے قاضی کے پاس سے حصّہ کرنے والوں کو بلایا اور انھوں نے حصّہ بخرا کر دیا۔ مکان اور دکان میرے حصّے میں آئے اور وہ دونوں مال اور کپڑوں میں اپنا حصّہ لے کر چل دیے۔ میں نے دکان کھولی جو دام میرے حصّے میں آئے تھے ان کے کپڑے خرید کر دکان کو بھر دیا اور خرید و فروخت کرنے لگا۔ لیکن میرے بھائیوں نے اچھے اچھے کپڑے خریدے اور ایک کشتی کرائے پر لے کر چل کھڑے ہوئے۔ ایک سال تجارت کرنے کے بعد میرے پاس اتنا مال ہوگیا جتنا کہ باپ نے چھوڑا تھا۔ ایک دن میں دکان کے دروازے پر پہنے ہوئے بیٹھا تھا ایک سمور کا اور ایک سنجاب کا کیوں کہ ان دنوں بہت سخت سردی پڑ رہی تھی کہ میرے دونوں بھائی محض پھٹی ہوئی قمیصیں پہنے آئے ان کے ہونٹ مارے سردی کے سفید پڑ گئے تھے اور وہ کانپ رہے تھے۔ میں یہ دیکھ کر سہم گیا اور ان پر افسوس کرنے لگا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . . .

نوسو اکیاسیویں رات

نوسو اکیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! عبد اللہ نے خلیفہ سے کہا میں ان پر افسوس کرنے لگا میرے ہوش جاتے رہے میں نے اٹھ کر انھیں گلے سے لگا لیا رونے لگا اور ایک کو سمور دوسرے کو سنجاب کا لبادہ دے دیا اور انھیں حمّام بھیج کر دونوں کے لیے ایک ایک ہزار دینار کی پوشاکیں بھیجیں۔ پھر میں انھیں اپنے گھر لے گیا ہم سب نے مل کر کھانا کھایا اور ان کے ساتھ نرمی سے باتیں کیں انھیں دلاسا دیا۔ پھر اس نے کتّوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا بھائیو! یہی پیش آیا تھا یا کچھ اور؟ انھوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کرلیں۔ بعد ازاں ای امیر المومنین! میں نے ان سے پوچھا کہ تمھارے ساتھ کیا گزری اور تمھارا مال کیا ہوا؟ انھوں نے کہا ہم سمندر کا سفر کرتے کرتے کوفے پہنچے وہاں ہمیں بہت فائدہ ہوا اور وہاں سے عجمی کپڑے خریدے جن کی قیمت بصرے میں چوگنی تھی، پھر وہاں سے کرخ گئے اور بہت فائدہ اٹھایا۔ جب ہم وہاں سے بصرے لوٹنے لگے تو تین دن تو خیریت سے گزرے چوتھے دن طوفان آیا آندھیاں چلنے لگیں ہماری کشتی ایک چٹان سے ٹکرائی اور ٹوٹ گئی سارا مال متاع سمندر میں جا پڑا اور ہم ایک رات دن پانی میں تیرتے رہے۔ خدا نے اپنی حکمت سے ایک کشتی بھیج دی اس کے مسافروں نے ہمیں اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور ہم شہر شہر بھیک مانگتے پھرے یہاں تک کہ کپڑے بھی اتار کر بیچ ڈالے۔ اب خدا خدا کرکے بصرے پہنچے ہیں کہ ہمارا سارا مال ضائع ہو گیا ہوتا تو ہم بادشاہوں کا مقابلہ کرسکتے تھے لیکن خدا کو یہی منظور تھا میں نے کہا بھائیو! غم نہ کرو، جان بچی لاکھوں پائے۔

آؤ ہم یہ سمجھ لیں کہ ہمارا باپ آج مر گیا ہے اور جو کچھ مال و دولت میرے پاس ہے اس کا ترکہ ہے میں خوشی سے اُسے آپس میں تقسیم کرتا ہوں ۔ یہ کہہ کر میں نے قاضی کے محکمے سے ایک حصہ کرنے والا بُلایا اپنا سارا سامان اُس کے آگے رکھ دیا اور تینوں نے ایک ایک تہائی لے لیا۔ اب میں نے اپنے بھائیوں سے کہا ہم تینوں دکانیں کھول کر خرید و فروخت کریں، جو جس کی قسمت میں لکھا ہے ملے گا۔ میں نے دونوں کو بھی دکانیں کھلوا دیں ان میں سامان بھر دیا اور کہا خرید و فروخت کرو اس میں سے کچھ خرچ نہ کرنا، تمھارا کھانا پینا میرے ساتھ ہے۔ لیکن جب میرا اور ان کا ساتھ ہوتا تو وہ سفر کی تعریف کرتے اور مجھے بھی سفر پر آمادہ کرنا چاہتے ۔ پھر اس نے کتوں کی طرف دیکھ کر پوچھا صحیح ہے یا غلط؟ انھوں نے سر جھکا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ اس نے خلیفہ سے کہا انھوں نے مجھ سے اس قدر اصرار کیا کہ بالآخر میں راضی ہو گیا اور طرح طرح کے تھان لے کر ان کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا چلتے چلتے ہم ایک شہر میں پہنچے جہاں ہم نے خرید فروخت کی اور بہت فائدہ اٹھایا۔ وہاں سے اور شہروں میں گئے کچھ خریدا کچھ بیچا یہاں تک کہ ہمارے پاس بے حد مال ہو گیا۔ سفر بھی جاری تھا کشتی چلی جا رہی تھی کہ پہاڑوں کے پاس ناخدا نے لنگر ڈال دیے اور کہا مسافرو، خدا تمھیں آج کی مصیبت سے بچائے! اتر کر پانی تلاش کرو۔ ہم سب اتر کر پانی کی تلاش میں چل دیے، ہر شخص ایک ایک طرف روانہ ہو گیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا۔

میں دُھر چوٹی تک پہنچا بھی نہ تھا کہ دیکھا ایک سفید سانپ بھاگا چلا جاتا ہے اس کے پیچھے ایک بدصورت اژدھا لگا ہوا تھا۔ بالآخر اژدھے نے اسے پکڑ لیا اور اس کا سر اپنے منہ میں لے کر اس کی دُم اپنی دُم میں لپیٹ

لی اور سانپ چلّانے لگا مجھے اس پر ترس آگیا میں نے ایک بڑا سا پتّھر اٹھا کر مارا پتّھر ٹھیک اس کے سر پر جا کر پڑا اور وہ مر گیا۔ اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سانپ لوٹ پوٹ کر فوراً ایک خوب صورت لڑکی بن گیا جیسے چودھویں رات کا چاند۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ چوما اور کہا خدا تجھے دنیا میں عار سے اور آخرت میں نار سے بچائے! یہ کہہ کر اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا، زمین پھٹی اور وہ اس میں سما گئی مجھے یقین ہوا کہ وہ جن ہے۔ اژدہے کے اندر سے ایک آگ نکلی اور وہ جل بھُن کر خاک ہو گیا۔ اپنے ساتھیوں کے پاس آکر میں نے سارا ماجرا بیان کیا سویرا ہوتے ہی ناخدا نے بادبان کھول دیے اور کشتی چل نکلی، بیس دن تک نہ ہمیں خشکی دکھائی دی نہ کوئی چڑیا اور ہمارا پانی پھر ختم ہو چلا ناخدا نے کہا ہم راستے سے بھٹک گئے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کدھر چلیں جو خشکی ملے۔ ہم سب خدا سے دُعا کرنے لگے کہ وہ ہمیں راستے پر لے آئے اور وہ رات بڑی کٹھن گزری۔

سویرا ہوا اور دن نکلا تو ہمیں ایک بہت اونچا پہاڑ دکھائی دیا ہم اسے دیکھ کر خوش ہو گئے ناخدا نے کہا اے لوگو! چلو ہم خشکی پر چل کر پانی ڈھونڈیں۔ ہم سب اتر کر پانی ڈھونڈنے لگے لیکن پانی کہیں نظر نہ آیا ہم بہت پریشان ہونے لگے میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور مجھے ایک گھنٹے کے فاصلے پر ایک بڑا سا دائرہ دکھائی دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دے کر کہا پہاڑ کے پیچھے اس دائرے کو دیکھو ایک عالی شان شہر دکھائی دیتا ہے جس میں شہر پناہ بُرج ہیں اور سبزہ زار، وہاں پانی اور کھانے پینے کی تمام چیزیں ملیں گی، آؤ چلیں پانی بھی لے آئیں اور راہ کے لیے گوشت، پھل وغیرہ بھی خرید لیں۔ انھوں نے کہا ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں اس شہر میں کافر اور مشرک نہ رہتے ہوں اور ہمیں

گرفتار کریں یا مار ڈالیں اور ہمارا خون خود ہماری گردن پر ہو۔ لہذا ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ میں بولا اے لوگو! تم پر میرا کوئی زور نہیں چلتا لیکن میں اپنے بھائیوں کو لے کر جاؤں گا۔ انھوں نے بھی کہا کہ ہم ڈرتے ہیں تیرے ساتھ نہیں جائیں گے۔ میں نے کہا میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ جاؤں گا میں اپنے آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اور جو کچھ اس نے میری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی ہوں۔ جب تک میں وہاں جا کر لوٹ نہ آؤں تم میری راہ دیکھنا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی......

نوسو بیاسیویں رات

نوسو بیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!

عبداللہ نے کہا کہ جب تک میں لوٹ کر آؤں تم میری راہ دیکھنا۔ الغرض میں انھیں چھوڑ کر چل دیا شہر کے پاس پہنچ کر دیکھا کہ وہ عجیب وغریب شہر ہے، شہر پناہ بلند، برج مضبوط، عمارتیں عالی شان، دروازے چینی لوہے کے اور ان پر ایسے نقش و نگار ہیں کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ دروازے پر پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سنگین چبوترا ہے اس پر ایک شخص پیتل کی زنجیر ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے اور اس زنجیر میں چودہ کنجیاں ہیں۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ شخص دربان ہے اور شہر کے چودہ دروازے ہیں میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا لیکن اس نے جواب نہ دیا، پھر میں نے دوبارہ اور سہ بارہ سلام کیا وہ پھر بھی منہ سے نہ بولا۔ اب میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو سلام کا جواب کیوں نہیں دیتا؟ سو رہا ہے گونگا ہے یا غیر مسلم؟ اب بھی نہ اس کی زبان ہلی نہ سر

میں اسے غور سے دیکھنے لگا معلوم ہوا کہ وہ پتھر ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا عجیب صنعت ہے پتھر کو کاٹ کر اس خوبی سے انسان کی شکل بنائی گئی ہے کہ سوا گویائی کے اور کوئی کسر نہیں۔ میں اسے چھوڑ کر اندر گیا اور ایک شخص کو راہ میں کھڑا دیکھ کر اس کے پاس گیا دیکھا تو وہ بھی پتھر کا تھا۔ اس کے بعد میں گلی کوچوں میں سیر کرنے لگا جو انسان نظر آتا اور میں غور سے دیکھتا تو پتھر کا پاتا۔ میں نے ایک بڑھیا کو دیکھا جس کے سر پر کپڑوں کی ایک گٹھڑی رکھی ہوئی تھی جیسے وہ دھونے کے لیے لیے جا رہی تھی۔ قریب گیا تو وہ بھی پتھر کی نکلی اور اس کی گٹھری بھی پتھر کی۔

تاجروں کے بازار میں گیا تو ہر دکان میں دکان دار بیٹھے ہوئے ہیں اور مال بھرا پڑا ہے لیکن سب کے سب پتھر کے اور کپڑے ایسے ہیں جیسے مکڑی کا جالا۔ وہاں مجھے صندوق نظر آئے انھیں کھولا تو تھیلیوں میں سونا دیکھا۔ تھیلیاں ہاتھ لگاتے ہی ریزہ ریزہ ہو گئیں لیکن سونا اپنی حالت پر قائم رہا میں نے اتنا سونا لے لیا جتنا اٹھا سکتا تھا اور اپنے دل میں کہنے لگا اگر میرے بھائی بھی ساتھ ہوتے تو وہ بھی کافی سونا لے لیتے۔ ایک دوسری دکان میں جا کر میں نے اس سے بھی زیادہ سونا دیکھا لیکن جتنا میرے پاس تھا اس سے زیادہ میں اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح میں بازار بازار سیر کرتا رہا دیکھا کہ ہر چیز پتھر کی ہے یہاں تک کہ کتے بلیاں بھی۔ اس کے بعد میں سُنار بازار پہنچا دیکھا کہ لوگ دکانوں میں بیٹھے ہیں بعض گہنے ان کے ہاتھ میں ہیں اور بعض آگے رکھے ہوئے۔ اے امیر المومنین! یہ دیکھ کر میں نے سونا پھینک دیا اور جتنا گہنا اٹھا سکتا تھا اٹھا لیا وہاں سے جوہری بازار پہنچا دکانوں میں یاقوت، ہیرے، زمرد اور بلخش وغیرہ پڑے ہوئے دیکھے اور لوگ

پتھر کے۔ اب میں نے سارا گہنا پھینک دیا اور جواہرات لے لیے اور افسوس کرنے لگا کہ کاش میرے بھائی ساتھ ہوتے اور جتنے جواہرات چاہتے لے لیتے۔ اس کے بعد میں ایک بڑے دروازے پر پہنچا جس پر نہایت عمدہ نقش و نگار تھے اندر چوکیاں پڑی تھیں جن پر نوکر چاکر اور لشکری بیٹھے تھے مگر سب پتھر کے۔ میں نے ان میں سے ایک کا لباس چھوا اور وہ مکڑی کے جالے کی طرح ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اندر جا کر مجھے ایک محل دکھائی دیا جس کی نظیر دنیا میں نہ ہوگی، اس میں امرا، وزرا اور رؤسا تھے لیکن سب پتھر کے، اور ایک سونے کی کرسی پر جو ہیرے جواہرات سے مرصع تھی ایک شخص بیٹھا تھا جس کے سر پر شاہی تاج تھا اور اس میں نہایت عمدہ جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو وہ بھی پتھر کا تھا۔

اس دربار سے نکل کر میں حرم سرا میں گیا دیکھا کہ ایک سونے کی کرسی پر ملکہ بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے سر پر جواہرات کا تاج ہے اِرد گِرد چاندر سی لڑکیاں عمدہ عمدہ لباس پہنے کرسیوں پر بیٹھی ہیں۔ اس دربار کی شان شوکت ایسی تھی کہ عقل دنگ ہو جائے۔ اس میں شمع دان لٹکے ہوئے تھے اور ہر شمع دان میں ایک لاجواب بیش بہا ہیرا تھا۔ اے امیر المومنین! میں نے پہلے کے جواہرات پھینک دیے اور اُن جواہرات میں سے جتنے لے سکتا تھا لے لیے اور سوچنے لگا کہ کون سے لوں اور کون سے نہ لوں۔ اس کے بعد میں نے ایک چھوٹا سا دروازہ کھلا ہوا دیکھا اس کے اندر جا کر زینے کی چالیس پیڑھیاں چڑھا ہوں گا کہ میں نے [illegible] کوئی شخص دھیمی آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے اس آواز کی طرف چل دیا، چلتے چلتے محل کے دروازے پر جا پہنچا دیکھا کہ ریشم کا ایک پردہ پڑا ہوا ہے اس میں موتی، مونگے اور یاقوت زمرد کے ٹکڑے

پروئے ہوئے ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ میں پردہ اٹھا کر اندر گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی نفیس پوشاک اور عمدہ عمدہ جواہرات پہنے بیٹھی ہے۔ اے امیرالمومنین! لڑکی کو دیکھتے ہی میں اس کی محبت کا شکار ہو گیا۔ وہ ایک اونچے چبوترے پر بیٹھی حفظ قرآن پڑھ رہی تھی۔ آواز ایسی دل فریب جیسے جنت کے دروازے کے کھلنے کی جب رضوان اُسے کھولے۔ اور جو الفاظ اس کے منھ سے نکلتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جواہرات بکھر رہے ہیں۔ جب میں نے اسے قرآن پڑھتے سنا تو میری آواز بند ہو گئی اور مجھے سلام کرتے بھی بن نہ پڑا۔ میری عقل اور آنکھیں دونوں دنگ ہو گئیں۔ بالآخر میں نے دل مضبوط کر کے اسے سلام کیا۔ اس نے کہا تیرے اوپر بھی سلام اے عبداللہ بن فاضل اے میرے پیارے اور آنکھ کے تارے! اہلاً و سہلاً و مرحبا۔ میں نے کہا اے میری آقا! تجھے میرا نام کہاں سے معلوم ہوا تو کون ہے اور اس شہر کا کیا ماجرا ہے کہ سب کے سب پتھر ہو کر رہ گئے ہیں۔ خدا کے لیے ساری باتیں سچ سچ بتا۔ اس نے کہا اے عبداللہ! بیٹھ جا میں اپنا اور اس شہر کا سارا قصہ تفصیل کے ساتھ تجھے سُنا دوں گی۔ میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا اور اس نے کہنا شروع کیا اے عبداللہ! خدا تجھ پر رحمت بھیجے! میں اسی شہر کے بادشاہ کی بیٹی ہوں میرا باپ وہی ہے جسے تو نے دربار میں اونچی کرسی پر بیٹھا دیکھا ہے جس کے اردگرد اس کی حکومت کے امرا اور روسا ہیں۔ میرا باپ بہت بڑا بادشاہ تھا اور گیارہ لاکھ بیس ہزار اس کے لشکری تھے، محض اس کے امرا کی تعداد چوبیس ہزار تھی۔ قلعوں، گڑھیوں گانوؤں اور جاگیروں کے علاوہ اس کی حکومت ایک ہزار شہروں پر تھی۔ محض عربوں کے ایک ہزار سردار اس کے ماتحت تھے جن میں ہر ایک

کے حکم میں بیس بیس ہزار سوار تھے، اس کے پاس اس قدر مال و دولت، ذخیرے، معدنیات اور جواہرات تھے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سُنے ہوں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی......

نو سو تراسیویں رات

نو سو تراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! پتھروں کے شہر کے بادشاہ کی بیٹی نے عبداللہ سے کہا باوجود ان تمام باتوں کے میرا باپ کافر مشرک تھا بتوں کی پرستش کیا کرتا تھا اس کی فوج بھی سب کی سب کافر تھی اور بتوں کو پوجتی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس کے امرا اردگرد تھے کہ یک بہ یک ایک شخص دربار میں آیا جس کے چہرے کی روشنی سے سارا دربار چمک اٹھا۔ میرے باپ نے دیکھا کہ وہ سبز پوشاک پہنے ہوئے ہے، بلند بالا ہے اور اس کے ہاتھ گھٹنوں سے نیچے تک ہیں، اس کے چہرے سے دبدبہ پایا جاتا اور نور ٹپکتا ہے۔ اس نے میرے باپ سے کہا اے باغی اے جھوٹے کب تک تو بتوں کی عبادت میں گمراہ پڑا رہے گا؟ اقرار کر کہ سوا خدا کے کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔ تو بھی مسلمان ہو جا اپنی قوم کو بھی مسلمان کر لے اور بتوں کی پوجا چھوڑ دے کیوں کہ وہ نہ فائدہ پہنچا سکتے نہ شفاعت کر سکتے ہیں۔ کسی کی عبادت درست نہیں سوا اللہ کے جس نے آسمانوں کو بے کھمبوں کے اٹھایا ہے اور زمین کو بچھایا ہے اور جو بندوں کے لیے رحمت ہے۔ اس نے جواب دیا اے شخص! تو کون ہے کہ بتوں کی پرستش سے منع کرتا اور ایسی باتیں کرتا ہے؟ کیا تو ڈرتا

نہیں کہ بُت تجھ سے ناراض ہو جائیں گے ؟ اس شخص نے کہا بُت تو پتھر ہیں ، نہ ان کے غصّے سے مجھے نقصان نہ ان کی خوشی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ منگا تو اپنے بُت کو اور اپنے لوگوں سے کہہ کہ وہ بھی اپنے اپنے بت لے آئیں ۔ جب سارے بت آجائیں تو ان سے کہیو کہ وہ مجھ پر ناراض ہوں پھر میں اپنے پروردگار سے دُعا کروں گا کہ وہ ان پر ناراض ہو، اور تم خالق اور مخلوق کی ناراضگی میں فرق دیکھ لوگے ۔ تمھارے بُت مصنوع ہیں اور میرا خدا صانع۔ اگر یہ بات تمھیں سچ معلوم ہو تو اس کی پیروی کرنا اگر جھوٹ نکلے تو اسے چھوڑ دینا میرے باپ نے کہا تو اپنے رب کی دلیل پیش کرتا کہ ہم اسے دیکھیں۔ اس شخص نے کہا تم اپنے ربوں کی پیش کرو۔ بادشاہ نے حکم دیا ہر شخص اپنا اپنا بُت لے کر آئے سب لشکری اپنے اپنے بت جا کر لے آئے ۔

یہ تو ان کا ماجرا ہوا، اب میری کہانی سُن ۔ میں اپنے باپ کے دربار کے سامنے پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی ، میرا بُت ہرے زمرد کا تھا اور آدمی کے قد کے برابر۔ میرے باپ نے اسے بھی منگوایا میں نے بھیج دیا اور وہ میرے باپ کے بُت کے برابر رکھا گیا۔ میرے باپ کا بُت یاقوت کا تھا وزیر کا الماس کا۔ دوسرے لوگوں کے بُت بلخش، عقیق، مونگے، قماری عود، آبنوس، چاندی اور سونے کے تھے ۔عوام الناس کے بُت پتھر، لکڑی اور مٹی کے ۔ ہر بُت کا رنگ الگ الگ تھا، بعض زرد بعض لال بعض ہرے بعض کالے اور بعض سفید۔ اس شخص نے کہا اپنے بتوں سے کہو مجھ پر ناراض ہوں ۔ میرے باپ نے اٹھ کر اپنے بُت کو سجدہ کیا اور کہا اے میرے خدا ! تو مہربان پروردگار ہے ان بتوں میں تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں اور تو جانتا ہے کہ یہ شخص تیری پروردگاری پر اعتراض کرتا، تیرا مذاق اُڑاتا ہے اس کا گمان

ہو کہ اس کا پروردگار تجھ سے زیادہ طاقت ور ہو وہ کہتا ہو کہ ہم تیری پرستش چھوڑ کر اس کے خدا کی عبادت کریں۔ لہٰذا ای میرے خدا، اس پر اپنا قہر نازل کر۔ لیکن بُت نے اسے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوا۔ میرے باپ نے کہا ای میرے خدا! تیری یہ عادت تو کبھی نہ تھی، جب میں تجھ سے بات کرتا تو جواب دیتا، اِس وقت تو کیوں چُپ ہو اور جواب نہیں دیتا؟ کیا تو غافل ہو یا سو رہا ہو، جاگ میری مدد کر اور مجھ سے بات کر۔ اس شخص نے کہا تیرا بُت تو کچھ بھی نہیں کہتا۔ اس نے جواب دیا یا تو وہ غافل ہو یا سو رہا ہو۔

اب اس شخص نے میرے باپ سے کہا ای خدا کے دشمن! تو ایسے خدا کی کیا پوجا کرتا ہو جو بات تک نہیں کرتا میرے خدا کی پرستش نہیں کرتا جو قریب ہو اور جواب دیتا ہو، حاضر ہو اور کبھی غائب نہیں ہوتا نہ غافل ہوتا نہ سوتا ہو، وہ دیکھتا ہو اور دکھائی نہیں دیتا اور ہر چیز پر قادر ہو؟ تیرا خدا اپنے آپ کو بھی بچا نہیں سکتا۔ مردُود شیطان اس کے اندر تھا لیکن اب وہ بھی بھاگ گیا ہو۔ لہٰذا خدا کی عبادت کر اور اقرار کر کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیرا خدا اپنے آپ کو تو بچا نہیں سکتا پھر وہ تجھے کیوں کر بچا سکتا ہو، تو خود دیکھ لے کہ وہ کیسا ناکارہ ہو۔ اب اس شخص نے اٹھ کر بُت کے کندھے پر ایک گھونسا مارا وہ زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ نے تیش میں آکر حاضرین سے کہا اس منکر نے میرے خدا پر گھونسا مارا ہو اس کو قتل کر دو۔ انھوں نے اٹھنا چاہا لیکن کوئی اٹھ نہ سکا۔ اس نے اُن کے آگے اسلام پیش کیا وہ مسلمان نہ ہوے۔ اس نے کہا اب میں تمھیں اپنے رب کا غصّہ دکھاتا ہوں اور ہاتھ اٹھا کر اس نے دعا مانگی ای میرے خدا اور مالک! یہ لوگ تیری روزی کھاتے اور

دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، میں تجھ سے دُعا مانگتا ہوں کہ انھیں پتھر بنا دے۔ اس پر سارے شہر والے پتھر ہو گئے میں اس کی دلیل سُن کر مسلمان ہو گئی اور میرا حشر وہ نہ ہوا جو ان کا ہوا تھا۔ اب اس شخص نے میرے پاس آکر کہا تو نیک بخت نکلی۔ اس وقت میں سات برس کی تھی اور آج میری عمر تیس برس کی ہے۔

جب میں بچ گئی اور اس کے ہاتھ پر اسلام لے آئی تو میں نے کہا تو میرا شیخ ہے، مجھے اپنا نام بتا۔ وہ بولا میرا نام ابوالعباس خضر ہے اور اس نے میرے لیے ایک انار کا درخت لگا دیا وہ فوراً بڑا ہو گیا اس میں پتے، پھول اور پھل نکل آئے اس نے کہا خدا کا رزق کھا اور اس کی خوب عبادت کر۔ اسی نے مجھے نماز روزہ اور قرآن سکھایا آج تیئس سال سے میں اسی جگہ بیٹھی خدا کی عبادت کر رہی ہوں۔ ہر روز اس درخت پر سے ایک انار گرتا ہے اور میں اسے کھا لیتی ہوں۔ خضر ہر جمعے کو میرے پاس آتے ہیں انھی نے مجھے یہ خوش خبری دی تھی کہ تو عنقریب یہاں آنے والا ہے اور کہا تھا کہ جب وہ تیرے پاس آئے تو اس کی عزت کیجیو، اس کا حکم مانیو، اس کی بیوی بنیو اور وہ جہاں لے جائے جائیو۔ جب میں نے تجھے دیکھا پہچان لیا۔ اس نے مجھے انار کا درخت دکھایا، اس میں ایک انار لگا ہوا تھا، آدھا اس نے کھایا اور آدھا مجھے دیا، اس سے زیادہ شیریں اور لذیذ میں نے کبھی نہیں کھایا تھا۔ میں نے کہا حضرت خضرؑ کا حکم تجھے منظور ہے کہ تو میری بیوی بنے میں تیرا شوہر اور تو میرے ساتھ میرے وطن بصرے میں چل کر رہے؟ اس نے کہا ہاں، انشا اللہ میں تیری بات سنوں گی اور تیرا حکم مانوں گی۔ میں نے اس سے پکا وعدہ لے لیا اور وہ مجھے اپنے باپ کے خزانے میں لے گئی وہاں سے ہم نے اتنا مال لیا جتنا کہ اٹھا

سکتے تھے اور وہاں سے چل دیے بھائیوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ مجھے تلاش کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا تو کہاں تھا؟ تو نے بڑی دیر لگائی، ہمارا دل تجھ میں لگا ہوا تھا۔ ناخدا نے مجھ سے کہا کہ ای تاجر عبداللہ! ہوا بہت دیر سے موافق ہے اور تو نے ہمیں سفر سے روک رکھا ہے۔ میں نے کہا مضائقہ نہیں، ممکن ہے کہ دیر میں بھلائی ہو۔ دیکھو اس دیر کی وجہ سے مجھے کیا ہاتھ آیا۔ یہ کہہ کر میں نے تمام جواہرات دکھائے اور جو کچھ پتھر کے شہر میں دیکھا تھا ان سے بیان کیا اور کہا اگر تم میرا کہنا مانتے اور میرے ساتھ چلتے تو تمھیں بھی بہت سے ہیرے جواہرات ملتے۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نو سو چوراسیویں رات

نو سو چوراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! عبداللہ نے کہا اگر تم میرے ساتھ چلتے تو تمھیں بھی بہت سے ہیرے جواہرات ملتے۔ وہ بولے خدا کی قسم اگر ہم چلتے بھی تو شہر کے بادشاہ کے پاس جانے کی ہماری ہمت کبھی نہ پڑتی۔ میں نے اپنے بھائیوں سے کہا مضائقہ نہیں جو کچھ میں لایا ہوں وہ ہم سب کے لیے کافی ہوگا اور میں نے اپنے مال کے حصے کیے برابر برابر بھائیوں اور ناخدا کو دیے خود بھی اتنا ہی لیا تھوڑا تھوڑا نوکروں اور ملاحوں کو بھی دیا۔ وہ خوش ہو گئے اور انھوں نے مجھے دعا دی، لیکن معلوم ہوتا تھا کہ میرے بھائی راضی نہ تھے کیوں کی ان کی تیوری بدلی ہوئی اور آنکھیں پھری ہوئی تھیں۔ میں نے کہا بھائیو، میرے خیال میں تم اس سے خوش نہیں جو میں نے تمھیں دیا ہے لیکن میں تمھارا بھائی ہوں اور تم

میرے بھائی، مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں میرا مال اور تمھارا مال ایک چیز ہے اور اگر میں مر گیا تو تمھیں میرے والی وارث ہوگے۔ اب میں نے لڑکی کو لے جاکر ایک کوٹھری میں بٹھایا اس کے لیے کھانا پینا بھیجا اور خود بیٹھ کر اپنے بھائیوں کے ساتھ بات چیت کرنے لگا۔ انھوں نے پوچھا بھائی، تو اس حسین لڑکی کا کیا کرے گا؟ میں نے کہا بصرے پہنچ کر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ ان میں سے ایک بولا بھائی، یہ لڑکی بہت حسین ہے اور مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے، میں چاہتا ہوں کہ تو اس لڑکی کو میرے حوالے کر دے تاکہ میں اس سے شادی کرلوں۔

دوسرے بھائی نے کہا میری بھی یہی حالت ہے اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں بولا بھائیو! میں اسے زبان دے چکا ہوں اگر میں تم میں سے کسی کو دے دوں تو میں وعدہ خلاف بھی ہوں گا اور اس کا دل بھی ٹوٹ جائے گا۔ وہ آئی ہی اس شرط پر ہے کہ میں اس سے نکاح کروں۔ اس لیے یہ تو ممکن نہیں کہ میں اسے کسی اور کو دے دوں؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بصرے پہنچ کر میں وہاں کی دو بہترین لڑکیوں سے تمھاری شادی کردوں، مہر میں اپنے پاس سے دوں گا اور تینوں جشن ایک ساتھ ہوں گے اور چپ ہو گئے میں سمجھا کہ وہ راضی ہیں۔ ہم بصرے کی طرف روانہ ہوئے چالیس دن سفر کرنے کے بعد ہمیں بصرہ دکھائی دینے لگا ہم خوش تھے۔ غیب کی خبر سوا خدا کے کسی کو نہیں، میں پڑا سو رہا تھا کہ یکایک آنکھ کھل گئی میں نے دیکھا کہ ایک بھائی کے ہاتھ میں میرے ہاتھ ہیں اور دوسرے کے ہاتھ میں میرے پانو اور وہ چاہتے ہیں کہ مجھے سمندر میں پھینک دیں۔ میں نے کہا بھائیو، یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا ای بدتمیز! تو

ایک لڑکی کی خاطر ہماری دل شکنی کرتا ہو لہذا ہم تجھے سمندر میں پھینک دیں گے اور یہ کہتے ہی انھوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا۔

اس نے کتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا بھائیو! یہ سچ ہو کہ نہیں ؟ وہ سر نیچا کر کے بھونکنے لگے اور خلیفہ کو تعجب ہوا۔ پھر اس نے اپنی کہانی شروع کی کہ اے امیر المومنین! انھوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا تو میں تھاہ تک پہنچ کر ابھرا پانی مجھے سطح پر لے آیا ایک بڑا سا پرندہ مجھ پر جھپٹا اور مجھے لے کر ہوا میں اُڑ گیا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک نہایت عالی شان محل میں پایا۔ کنیزیں اپنے ہاتھ سینوں پر رکھے کھڑی تھیں اور ان کے بیچ میں ایک عورت سرخ سونے کی کرسی پر بیٹھی تھی جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوے تھے اور اس کے سر پر تین حلقوں والا تاج تھا۔ پرندے نے وہاں جا کر مجھے اُتارا اور خود شکل بدل کر ایک حسین لڑکی بن گیا۔ ملکہ نے اس سے پوچھا تو اس آدمی کو کیوں یہاں لائی ہو؟ اس نے کہا اماں جان، یہ وہی شخص ہو جس کی وجہ سے میں جنوں کی لڑکیوں میں منھ دکھانے کے قابل رہی۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا جانتا ہو کہ میں کون ہوں ؟ میں نے کہا نہیں۔ وہ بولا فلاں پہاڑ پر جب ایک کالا اژدہا میری آبرو لینا اور مجھے قتل کرنا چاہتا تھا تو تو نے اسے قتل کر کے میری آبرو بچائی تھی، میں وہی سفید ساپن ہوں لیکن دراصل میں ملک احمر کی بیٹی ہوں جو جنوں کا بادشاہ ہو میرا نام سعیدہ ہو اور یہ میری ماں مبارکہ۔ جو اژدہا میری آبرو لینا چاہتا تھا وہ ملک اسود کا نہایت بدشکل وزیر درفیل تھا۔

ایک بار اس نے مجھے دیکھ لیا مجھ پر عاشق ہو گیا اور میرے باپ کے

پاس پیغام بھیجا اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ای بدذات وزیر! تیری حیثیت کیا کہ تو شاہ زادیوں کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے؟ وزیر اس پر سخت ناراض ہوا اور اس نے قسم کھائی کہ وہ میری آب رو لے گا۔ وہ ہر جگہ میرا پیچھا کرتا اور میری آبرو لینے کے درپے رہتا، وہ ایسا چال باز تھا کہ میرے باپ کی اس کے آگے کچھ نہ چلتی۔ میں اس کے ڈر سے روز صورت بدلتی رہتی ہیں جو صورت اختیار کرتی وہ اس کے مخالف صورت بدلتا۔ ایک روز میں سفید سانپن بن کر اس پہاڑ پر گئی تو اس نے اژدہا بن کر میرا پیچھا کیا اور میں اس کے پنجے میں پھنس گئی۔ اتنے میں تو آگیا اور تو نے پتھر مار کر اسے مار ڈالا۔ تو نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے اور میں تیری احسان مند ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ تیرے بھائیوں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تو میں اُڑ کر تیرے پاس پہنچی اور تجھے بچا لائی۔ ماں نے کہا ای آدمی! مرحبا، تو نے ہمارے ساتھ احسان کیا ہے ہمیں چاہیے کہ تیری عزّت کریں۔ اس نے مجھے ایک بڑی قیمتی پوشاک اور بے شمار ہیرے جواہرات دیے۔ اس کے بعد میں اس کے باپ کے سامنے پیش کیا گیا وہ مجھے دیکھ کر سروقد کھڑا ہو گیا اس کی وجہ سے سارے لشکر نے میری تعظیم دی۔ اس نے میرا بڑا احترام کیا مجھے بہت سی قیمتی چیزیں دیں اور کہا میری بیٹی سے کہو کہ وہ اسے وہیں پہنچا آئے جہاں سے لائی ہے۔ اُدھر جب میرے بھائیوں نے مجھے سمندر میں پھینک دیا تو ناخدا کی آنکھ کھل گئی اس نے پوچھا کہ سمندر میں کیا گرا؟ میرے بھائی رونے اور سینہ پیٹنے اور کہنے لگے کہ ہمارا بھائی ضرورت رفع کرنے گیا تھا سمندر میں گر پڑا۔ انھوں نے میرے مال پر قبضہ کر لیا لیکن لڑکی کے بارے میں جھگڑنے لگے، ہر ایک کہتا کہ اُسے میں لوں گا۔ وہ

جھگڑ رہے تھے کہ سعیدہ نے مجھے کشتی کے بیچ میں لا اُتارا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔۔۔۔۔

نوسو پچاسیویں رات

نوسو پچاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! عبداللہ کا بیان ہے کہ جب سعیدہ نے مجھے بیچ کشتی میں اتارا اور میرے بھائیوں نے مجھے دیکھا تو مجھ سے لپٹ گئے اور کہنے لگے بھائی، تیرا کیا حال ہے، ہمارا تو دل تجھ میں لگا ہوا تھا؟ سعیدہ بولی اگر تمھیں اس سے محبت ہوتی تو تم اسے سمندر میں نہ پھینکتے۔ اب تم اپنے لیے پسند کرلو کہ کون سی موت مرنا چاہتے ہو۔ یہ کہہ کر اس نے انھیں پکڑا اور قتل کرنا ہی چاہتی تھی کہ وہ چلانے لگے بھائی، ہم تیری پناہ میں ہیں۔ میں لڑکی سے سفارش کرتا کہ انھیں قتل نہ کر وہ کہتی کہ میں ضرور قتل کروں گی کیوں کہ یہ دغاباز ہیں۔ میں برابر اس کی خوشامد کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے کہا اچھا تیری خاطر میں ان کے قتل سے تو ہاتھ اٹھاتی ہوں لیکن ان پر جادو کر دوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک کٹورا نکالا اور اس میں سمندر کا پانی لے کر کچھ پڑھا اور کہا کہ انسانی شکل چھوڑ کر کتے بن جاؤ۔ پھر اس نے وہ پانی ان پر چھڑک دیا وہ کتے ہو گئے جیسا کہ اے خلیفہ! تو انھیں دیکھ رہا ہے۔

یہ کہہ کر وہ کتوں کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا بھائیو، جو کچھ میں نے کہا سچ ہے؟ انھوں نے سر جھکا لیا یعنی ہاں سچ ہے۔ بعد ازاں اس نے کہا اے امیرالمومنین! جادو کرنے کے بعد پری نے کشتی والوں سے کہا سنو!

عبداللہ بن فاضل کو میں نے اپنا بھائی بنا لیا ہے میں روز ایک یا دو بار آکر اس کی خبر لیا کروں گی تم میں سے جو کوئی اس کی مخالفت کرے گا ہاتھ یا زبان سے اسے تکلیف پہنچائے گا اسے بھی انھی دونوں دغا بازوں کی طرح جادو کے زور سے کتا بنا دوں گی۔ اور بولی کہ بصرے پہنچ کر اپنے سامان کا جائزہ لیجیو اور مجھے بتائیو، اگر اس میں کوئی بھی کمی ہوگی تو میں جس کے پاس اور جس جگہ بھی ہوگا لاکر تیرے حوالے کردوں گی اور لینے والے کو جادو سے کتا بنا دوں گی۔ جب اپنا سامان حفاظت سے رکھ چکیو تو ان دونوں دغا بازوں کی گردنوں میں زنجیر باندھ کر ایک اکیلی کوٹھری میں تخت کے پائے سے باندھ دیجیو اور ہر روز آدھی رات کے وقت انھیں اتنا ماریو کہ وہ بے ہوش ہو جائیں۔ اگر کسی روز تو نے انھیں نہ مارا تو میں آکر پہلے تجھے ماروں گی اور پھر انھیں۔ میں نے بہ سر و چشم کہہ کر ان کی گردنوں میں رسّی ڈال دی اور ستون سے باندھ دیا پری چلتی بنی۔ دوسرے دن جب ہم بصرے پہنچے تو تاجر آئے انھوں نے مجھے سلام کیا لیکن کسی نے میرے بھائیوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھا کتّوں کو دیکھتے اور کہتے کہ تو ان کتّوں کا کیا کرے گا؟ میں کہتا میں نے انھیں راستے میں پالا ہے اور اب انھیں گھر لایا ہوں، وہ ہنستے کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ میرے بھائی ہیں۔

گھر آکر میں نے انھیں ایک کوٹھڑی میں بند کیا اور خود سامان کے اتارنے اور تاجروں سے ملنے میں اتنا مشغول رہا کہ نہ کتّوں کو مارا نہ باندھا۔ اتنے میں ملک احمر کی بیٹی سعیدہ آپہنچی اور کہنے لگی تو نے نہ انھیں باندھا نہ کوڑے لگائے، یہ کیوں؟ ادھر اس نے مجھے پکڑ کر اتنے کوڑے مارے کہ میں بے ہوش ہو گیا پھر میرے بھائیوں کے پاس جاکر انھیں اتنا مارا

کہ وہ مرنے کے قریب ہو گئے اور مجھ سے کہنے لگی ہر رات انھیں اسی طرح کوڑے لگایا کر۔ میں نے کہا ای میری آقا! کل ہی میں ان کے گلے میں زنجیریں ڈالوں گا رات کو انھیں ماروں گا اور ہر روز مارا کروں گا۔ سویرا ہوا تو میں نے دل پر جبر کر کے ان کے لیے سونے کی زنجیریں بنوائیں جیسا اس نے حکم دیا تھا اسی طرح انھیں باندھا اور رات کے وقت بادلِ ناخواستہ انھیں مارا بھی۔ یہ واقعہ بنی عباس کے پانچویں خلیفہ مہدی کے زمانے کا ہے۔ میں نے اس کے لیے تحفے تحائف بھیجے اور اس نے مجھے بصرے کا والی بنا دیا۔ ایک دن میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب پری کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا ہو گا اور انھیں نہیں مارا، لیکن اس نے آکر مجھے اتنا مارا کہ میں آج تک بھولا نہیں۔ مہدی کے مرنے کے بعد تو خلیفہ ہوا اور تو نے مجھے ولایت پر قائم رکھا۔ آج بارہ سال ہو گئے ہیں کہ میں ہر روز اپنے دل پر جبر کر کے انھیں مارتا ہوں پھر ان کی دل دہی کرتا اور اسی قید کی حالت میں انھیں کھلاتا پلاتا ہوں۔ جب تک تو نے ابو اسحاق الندیم کو خراج لینے میرے پاس نہیں بھیجا کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ اسے میرا بھید معلوم ہو گیا اس نے تجھ سے بیان کیا اور تو نے اسے دوبارہ بھیج کر مجھے بلوایا۔ بس یہ ہے میری ساری کہانی۔

خلیفہ ہارون الرشید کو بڑا تعجب ہوا وہ کہنے لگا کہ تو نے اب انھیں معاف کر دیا ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا ای میرے آقا! خدا انھیں معاف کرے دنیا اور آخرت میں ان سے مواخذہ نہ کرے! میں ان سے معافی کا خواست گار ہوں کیوں کہ میں بارہ سال سے ہر روز کوڑے مارتا ہوں۔ خلیفہ بولا ای عبداللہ خدا نے چاہا تو میں انھیں اس مصیبت سے چھڑا کر پھر آدمی بنا کر تمھارے درمیان صلح کرا دوں گا اور باقی عمر تم سب بھائیوں کی طرح

پیار سے رہو گے۔ جا انھیں گھر لے جا اور آج رات نہ ماریو، کل تک سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ عبداللہ نے کہا تیرے سر کی قسم اگر انھیں میں نے ایک رات بھی نہ مارا تو سعیدہ آکر مجھے مارے گی اور اب میرا جسم مار پیٹ برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ بولا ڈر نہیں، میں تجھے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک خط دوں گا، وہ خط تو سعیدہ کو دے دیجیو۔ اگر وہ پڑھ کر تجھے معاف کر دے تو احسان اس کی طرف سے ہے اور اگر وہ تجھے مارے تو سمجھ لیجیو کہ تو ایک دن انھیں مارنا بھول گیا اور اس وجہ سے تجھ پر مار پڑی۔ لیکن اگر یہ واقعہ پیش آیا اور میں امیرالمومنین ہوں تو اس سے سمجھ لوں گا۔ اس کے بعد خلیفہ نے ایک خط لکھا جو دو سطروں کا ہو گا اور اس پر مُہر لگا کر کہا سعیدہ سے کہیو انسانوں کے بادشاہ خلیفہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں انھیں نہ ماروں اور اس نے تجھے سلام کے بعد یہ خط دیا ہے۔ عبداللہ ان دونوں کتوں کو لے کر چل دیا اور دل میں کہنے لگا دیکھنا چاہیے میرا کیا حشر ہوتا ہے۔ گھر پہنچ کر اس نے ان کے پٹے اُتار دیے اور ان سے کہا ڈرو نہیں بنی عباس کے ساتویں خلیفہ نے تمھاری خلاصی کا بیڑا اٹھایا ہے اور میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے، خدا نے چاہا تو آج رات سے تمھیں نجات مل جائے گی۔ یہ سُن کر وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگے اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔۔۔۔

نوسو چھیاسیویں رات

نوسو چھیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! یہ سُن کر دونوں کتے بھونکنے اور اپنا منھ اس کے قدموں سے ملنے لگے گویا وہ

اسے دعا دے رہے تھے عبداللہ ان کی پیٹ سہلانے لگا یہاں تک کہ عشا کا وقت آگیا اس نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ نوکروں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہنے لگے والی پاگل معلوم ہوتا ہے، بصرے کا والی ہو کر کتوں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے، کیا اسے معلوم نہیں کہ کتے نجس ہوتے ہیں؟ انھیں کیا خبر تھی کہ وہ اس کے بھائی ہیں۔ کھانا کھا کر عبداللہ نے اپنے ہاتھ دھوئے کتوں کے ہاتھ دھلائے ہر شخص انھیں دیکھ دیکھ کر ہنستا۔ اس کے بعد وہ عبداللہ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس سے اس کا سبب پوچھے۔ یہ حالت آدھی رات تک رہی اب نوکر چاکر جا کر سو رہے اور کتے بھی ایک تخت پر جا لیٹے لوگوں نے دسترخوان کا کھانا پھینک دیا اور کہنے لگے کہ ہم کتوں کا کھانا کیسے کھا سکتے ہیں؟ اتنے میں یک بہ یک زین پھٹی سعیدہ نکلی اور اس نے کہا عبداللہ، آج تو نے انھیں کیوں کوڑے نہیں لگائے اور ان کے چھٹے کیوں اتار دیے؟ میں ابھی تجھے کوڑے مار کر انھی کی طرح کتا بنائے دیتی ہوں۔ وہ بولا اے میری آقا! میں تجھے اس نقش کی قسم دیتا ہوں جو حضرت سلیمان بن داؤدؑ کی انگوٹھی پر تھا کہ پہلے میری بات سن لے، اس کے بعد جو تیرا جی چاہے کیجیو۔ ان کے نہ مارنے کا سبب تو یہ ہے کہ آدمیوں کے بادشاہ خلیفہ امیرالمومنین ہارون الرشید نے مجھے حکم دیا ہے کہ انھیں آج رات نہ ماروں۔ اس نے تجھے سلام کہا ہے اور یہ خط دیا ہے۔ اسے لے کر پڑھ، پھر جو تیرا جی چاہے میرے ساتھ کیجیو۔ اس نے خط لے کر کھولا اور پڑھا، اس میں لکھا تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ خط آدمیوں کے بادشاہ ہارون الرشید کی طرف سے ملک احمر کی بیٹی سعیدہ کے نام ہے۔ اس شخص نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا ہے اور اس کا دعوا ان کے خلاف ختم ہو گیا اس

لیے میں نے حکم دیا ہے کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور جب صلح ہوگئی تو سزا کیسی؟ اگر تم لوگ میرے احکام میں دخل اندازی کروگے تو ہم بھی تمھارے احکام دخل اندازی کریں گے تمھارے قوانین توڑ ڈالیں گے اور اگر تم ہمارے احکام مانوں گے تو ہم تمھارے احکام مانیں گے۔ اگر تو خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہے تو تجھے رسول کے نائب کا حکم ماننا چاہیے۔ اگر تو نے انھیں معاف کردیا تو میں تجھے حتی الامکان اچھا بدلہ دوں گا۔ میرے حکم ماننے کا ثبوت یہ ہوگا کہ تو ان کا جادو توڑ کر انھیں پھر انسان بنادے، اور اگر تو نے ان کا جادو نہ توڑا تو میں خدا کی مدد سے زبردستی ان کا جادو توڑ دوں گا۔

پری نے یہ خط پڑھا تو وہ کہنے لگی میں ابھی جاکر یہ خط اپنے باپ کے سامنے پیش کرتی ہوں اور فوراً جواب لے کر آتی ہوں۔ جب سعیدہ اپنے باپ کے پاس پہنچی اور خط پیش کیا تو اس نے خط کو چوم کر سر پر رکھا اور پڑھ کر کہا بیٹی، آدمیوں کے بادشاہ کا حکم ہمارے ہاں چلتا ہے اور ہم اس کی مخالفت نہیں کرسکتے، تو جاکر ان دونوں آدمیوں کو ابھی آزاد کردے۔ بیٹی نے پوچھا ابّا، آدمیوں کے بادشاہ کا حکم یہاں کیوں کر چلتا ہے؟ اس نے جواب دیا کئی وجہ سے، اوّل تو وہ انسان ہے اور ہم سے بہتر، دوسرے وہ خدا کا خلیفہ ہے، تیسرے وہ فجر کی دو رکعتیں کبھی ناغہ نہیں کرتا، اس لیے ساتوں زمینوں کے جن بھی اکٹھے ہو کر اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اگر وہ ہم پر ناراض ہو کر فجر کی دو رکعتیں پڑھے اور ہمیں آواز دے تو ہم اس طرح اس کے پاس جاکر جمع ہوجائیں گے جیسے قصاب کے پاس بھیڑ بکریاں۔ لہذا بیٹی، دو آدمیوں کی خاطر ہمیں ہلاکت میں نہ ڈال بلکہ جاکر انھیں آزاد کردے۔ یہ

سُن کر وہ عبداللہ بن فاضل کے پاس آئی اور کہا ہماری طرف سے خلیفہ کے ہاتھ چومیو اور کہیو کہ ہم سے ناراض نہ ہو۔ یہ کہہ کر اس نے وہی کٹورا نکالا اس میں پانی بھر کر منتر پڑھا اور ان پر چھڑک کر کہا کتوں کی صورت سے آدمیوں کی صورت میں آجاؤ۔ ان کا جادو ٹوٹ گیا وہ پھر آدمی بن گئے اور کلمہ پڑھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ پانو چومنے لگے اور اس سے معافی مانگی۔ اس نے کہا تم مجھے معاف کرو۔ اب انھوں نے دل سے توبہ کی اور کہا مردود ابلیس نے ہمیں بدراہ کر دیا تھا۔ اور وہ اپنے بھائی کو منانے، رونے اور پشیمان ہونے لگے۔ اس کے بعد اس نے پوچھا تم نے میری بیوی کے ساتھ کیا کیا؟ وہ بولے جب ہم نے تجھے سمندر میں پھینک دیا تھا تو وہ اپنی کوٹھری میں سے نکلی اور کہا کہ میری وجہ سے جھگڑا نہ کرو، میں تم میں سے کسی کی بھی نہ ہوں گی، میرا شوہر سمندر میں گیا، میں بھی اس کے پیچھے جاتی ہوں۔ اس کے بعد وہ سمندر میں کود پڑی اور مر گئی۔ عبداللہ بولا وہ شہید ہو گئی اور رونے لگا۔ بھائیوں نے کہا ہم نے بُرا کیا اور خدا نے ہمیں سزا دی۔ سعیدہ بولی وہ تیرے ساتھ یہ یہ حرکتیں کرتے ہیں اور تو انھیں معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ اس نے کہا بہن، جس میں طاقت ہو اور معاف کرے خدا اس کا نیک بدلہ دیتا ہے۔ وہ بولی خیر نوجوان لیکن یہ دغاباز ہیں، ان سے بچتا رہیو، پھر وہ اس سے رخصت ہوئی اور چلی گئی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔

نوسوستاسیویں رات

نوسوستاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب سعیدہ رخصت ہو کر چلی گئی تو عبداللہ نے رات اپنے بھائیوں کے ساتھ بڑے لطف سے گزاری سویرا ہوتے ہی انھیں حمام بھیجا بے حد قیمتی لباس پہنایا اور دسترخوان بچھوا کر ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ نوکروں نے انھیں دیکھا تو پہچان گئے کہ اس کے بھائی ہیں انھیں سلام کیا اور امیر عبداللہ سے کہا بھائی تجھے ملے، مبارک ہو! لیکن اتنی مدت تک یہ تھے کہاں؟ وہ بولا یہ وہی ہیں جنھیں تم کتوں کی صورت میں دیکھا کرتے تھے، شکر ہے خدا کا کہ اس نے انھیں اس جون سے چھٹکارا دیا۔ دربار کا وقت ہوا تو وہ انھیں لے کر خلیفہ کی خدمت میں گیا اس کے آگے زمین چومی اور دعا دی۔ خلیفہ نے کہا مرحبا! بتا کیا ماجرا پیش آیا؟ اس نے کہا میں نے تیرے حکم کے مطابق گھر جا کر ان کے پٹے کھول دیے اور خدا پر بھروسا کیا۔ جب ہم سونے گئے تو یک بہ یک ملک احمر کی بیٹی سعیدہ آ پہنچی، اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس نے باقی قصہ سنا کر کہا کہ اس وقت یہ امیر المومنین کے سامنے حاضر ہیں۔ خلیفہ ادھر متوجہ ہوا دیکھا کہ دونوں چاند کے مانند ہیں کہا اے عبداللہ! خدا تیرا بھلا کرے! تو نے مجھے ایسی بات بتائی جو مجھے معلوم نہ تھی۔ خدا نے چاہا تو میں فجر کی دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے عبداللہ بن فاضل کے دونوں بھائیوں کو بہت ڈانٹا ڈپٹا اور انھوں نے اس کے آگے معافی مانگی۔ خلیفہ نے کہا آپس میں مصافحہ کرو اور ایک دوسرے کو معاف کر دو،

پرانی باتیں خدا معاف کرے! پھر اس نے عبداللہ سے کہا ان دونوں کو اپنا نائب بنالے اور ان سے کہا کہ اپنے بھائی کا حکم ماننا اور انھیں انعام دے کر بصرے روانہ کردیا۔

یہ تو وہ باتیں ہوئیں جو انھیں خلیفہ کے ساتھ پیش آئیں، اب عبداللہ بن فاضل کی داستان سنو۔ وہ اپنے بھائیوں کو عزت اور احترام سے لے کر بصرے پہنچا۔ لوگ ان کی ملاقات کے لیے آئے اور شہر چراغاں کیا گیا۔ ہر شخص عبداللہ کو دعائیں دیتا اور دونوں بھائیوں کی طرف کوئی متوجہ نہ ہوتا۔ یہ دیکھ کر وہ حسد کرنے لگے۔ عبداللہ ان کی جس قدر خاطر مدارات کرتا اسی قدر ان کے حسد کی آگ بھڑکتی جاتی۔ اس نے دونوں کو ایک ایک کنیز ہم بستری کے لیے دی، چالیس چالیس نوکر، باندیاں، کالے اور گورے غلام، پچاس پچاس اصیل گھوڑے اور ان کا روزینہ اور ماہانہ مقرر کرکے اپنا نائب بنا لیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نوسواٹھاسیویں رات

نوسواٹھاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! عبداللہ نے انھیں اپنا نائب بنا کر کہا ہم تم برابر ہیں اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ خدا اور خلیفہ کے بعد میرا اور تمھارا حکم چلے گا۔ میری موجودگی اور غیر موجودگی میں بصرے پر تم حکمرانی کرنا لیکن خدا سے ڈرنا، انصاف کرنا، ظلم نہ کرنا ورنہ اس کی خبر خلیفہ تک پہنچ جائے گی اور ہم تم سب بدنام ہوں گے۔ اگر تمھیں لوگوں کے مال کی خواہش ہو تو تم اس سے زیادہ میرے مال میں

سے لے لینا۔ یہ نصیحت کرنے کے بعد اس کو خیال ہوا کہ اب وہ ضرور راہ راست پر آ گئے ہوں گے اور اس لیے وہ ان کے ساتھ اور زیادہ انعام اکرام کرنے لگا۔ لیکن جتنا وہ انعام اکرام کرتا بھائی اور زیادہ حسد کرتے۔

ایک روز ناصر نے منصور سے کہا ہم کب تک اپنے بھائی کی فرماں برداری کرتے رہیں گے؟ وہ تاجر تھا امیر ہو گیا، چھوٹا تھا بڑا ہو گیا۔ ہم نہ بڑے ہو سکتے ہیں نہ ہمارا رتبہ بڑھ سکتا ہے، وہ ہمارا مذاق اُڑاتا ہے ہمیں اپنا نائب بنا رکھا ہے جب چاہے وہ ہمیں معزول کر سکتا ہے۔ ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم اسے قتل کر دیں اس کے مال و دولت پر قبضہ کر کے آپس میں تقسیم کر لیں اور خلیفہ کے پاس تحفے تحائف بھیج کر اس سے کہیں کہ وہ مجھے کوفے کا والی بنا دے اور تجھے بصرے کا یا مجھے بصرے کا اور تجھے کوفے کا۔ منصور بولا تو سچ کہتا ہے لیکن اسے قتل کیوں کر کیا جائے؟ ناصر نے کہا ہم اسے دعوت پر بلائیں اس کی خوب خدمت کریں باتیں کر کے اور قصے کہانیاں سُنا کر اسے دیر تک جاگتا رکھیں، اس کے بعد جب وہ سو جائے تو اس کا گلا گھونٹ کر سمندر میں پھینک دیں اور جب صبح ہو تو کہیں کہ اس کی بہن پری آئی تھی اس نے کہا کہ اے حرام زادے! تیری یہ ہمت ہوئی کہ تو نے خلیفہ سے جا کر میری شکایت کی؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم اس سے ڈرتے ہیں، جیسے وہ بادشاہ ہے ہم بھی بادشاہ ہیں؟ اگر ہم اس کا ادب نہ کرتے تو اسے بُری موت مارتے لیکن میں فی الحال تجھے قتل کر کے دیکھتی ہوں کہ خلیفہ کیا کرتا ہے۔ اتنے میں زمین پھٹی اور وہ اسے لے کر زمین میں سما گئی، پھر ہمیں نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ اس کی خبر ہم خلیفہ کو دیں گے اور وہ اس کی جگہ ہمیں والی بنائے گا۔

تھوڑی مدت کے بعد ہم خلیفہ کے پاس عمدہ عمدہ ہدیے بھیجیں گے اور اس سے کوفے کا والی بننے کی درخواست کریں گے۔ اس طرح سے ہم میں سے ایک کوفے کا اور دوسرا بصرے کا والی بن جائے گا۔

انھوں نے یہ فیصلہ کرکے کہ اپنے بھائی عبداللہ کو قتل ڈالیں ناصر نے دعوت کی تیاری کی اور اس سے کہا کہ تو اور منصور میری دعوت منظور کرکے میرا دل خوش کردیں۔ عبداللہ بولا بھائی اس میں کیا مضائقہ ہے، تیرا گھر میرا گھر ہے اور دعوت نامنظور کرنا تو ویسے بھی بد اخلاقی کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے بھائی منصور کی طرف مخاطب ہوکر کہا تو بھی چلے گا نہ؟ اس نے جواب دیا اس شرط پر کہ تو اس کے بعد میری دعوت بھی منظور کرے۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے، جیسے وہ میرا بھائی ہے تو بھی ہے۔ ناصر نے اپنے بھائی عبداللہ کا ہاتھ چوما اور گھر جاکر دعوت کا سامان کرنے لگا۔ دوسرے روز عبداللہ نے لشکر اور اپنے بھائی منصور کو ساتھ لیا اور ناصر کے گھر پہنچا۔ دسترخوان بچھایا گیا کھایا پیا ہاتھ دھوئے مغرب اور عشا کی نماز پڑھ کر باتیں چیتیں کرنے لگے، منصور ایک کہانی کہتا تو ناصر دوسری، عبداللہ انھیں سنتا۔ محل میں وہ اکیلے تھے اور باقی لشکر دوسری جگہ تھا۔ جب عبداللہ جاگتے جاگتے تھک گیا اور اسے نیند آنے لگی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔

نوسو نواسیویں رات

جب نوسو نواسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!

عبداللہ کو نیند آنے لگی تو وہ تخت پر لیٹ کر سو گیا دونوں بھائی اس کے پہلو میں دوسرے تخت پر لیٹ گئے اور جب انھیں یقین ہو گیا کہ وہ سو گیا ہے تو اٹھ کر بھائی کے سینے پر چڑھ بیٹھے، اس کی آنکھ کھل گئی دیکھا کہ بھائی سینے پر چڑھے ہوئے ہیں کہا بھائیو، یہ کیا؟ وہ بولے ای بدتمیز! نہ ہم تیرے بھائی ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ تو کون ہے۔ تیرے جینے سے تیرا مرنا بہتر ہے۔ یہ کہ کر انھوں نے اس کی گردن پکڑ کر مروڑ دی، وہ بے ہوش ہو گیا، انھوں نے سمجھا مر گیا اور اسے سمندر میں پھینک دیا۔

جب وہ سمندر میں گرا تو خدا نے ایک درفیل کو اس پر مسلط کر دیا جو اکثر محل کے نیچے آیا جایا کرتا تھا جب باورچی خانے میں جانور ذبح کیے جاتے تو ان کی آنتیں اور اوجھڑی سمندر میں پھینک دی جاتیں۔ آج چوں کہ دعوت تھی اور بہت کچھ سمندر میں پھینکا گیا تھا اس لیے درفیل کو بہت کھانے کے لیے ملا وہ کھا پی کر مضبوط ہو گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ پھر کوئی چیز آکر سمندر میں گری تو وہ دوڑ کر پہنچا معلوم ہوا کہ کوئی آدمی ہے تو وہ اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر ڈال آیا۔ اُدھر سے ایک قافلہ گزرا لوگوں نے اسے پڑا دیکھ کر قافلہ سالار کو خبر کی کہ ایک مُردہ پڑا ہوا ہے۔ اس نے دیکھ کر کہا ابھی اس میں جان ہے عجب نہیں کہ وہ اچھا ہو جائے اور اسے اپنے ساتھ لے لیا تین منزل تک اس کا علاج کرتا رہا۔ عبداللہ کو ہوش آ گیا اور کمزوری محسوس ہونے لگی۔ تیس دن کے بعد وہ عجم کے ایک شہر میں پہنچے جس کا نام عوج تھا ایک سرائے میں اترے اسے فرش بچھا کر لٹا دیا اور وہ رات بھر پڑا کراہتا رہا۔

صبح ہوئی تو سرائے کے دربان نے آکر پوچھا کہ اس بیمار کی کیا حالت ہے؟ سالار بولا ہم نے اسے سمندر کے کنارے راہ میں پڑا پایا تھا اور برابر اس کی دوا دارو کرتے رہے لیکن ابھی تک وہ اچھا نہیں ہوا۔ دربان بولا اسے شیخہ راجحہ کے پاس لے چل۔ یہاں ایک نہایت حسین باکرہ لڑکی ہے، اس کا نام راجحہ ہے۔ لوگ بیماروں کو اس کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ وہاں رات بھر رہ کر سویرے تک اچھے ہو جاتے ہیں۔ سالار اسے لے کر راجحہ کے پاس گیا دیکھا کہ لوگ نذریں لیے اندر جاتے اور خوش خوش باہر آتے ہیں۔ دربان نے پردے کے پاس جا کر کہا اے شیخہ راجحہ! اجازت ہے؟ ایک بیمار کو لائے ہیں۔ اس نے جواب دیا اسے پردے کے اندر بھیج دے۔ دربان نے عبداللہ سے کہا اندر جا جوں ہی وہ اندر گیا دیکھا کہ یہ تو میری بیوی ہے جسے مدینۃ النحر سے لایا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور سلام کیا۔ عبداللہ نے پوچھا تو یہاں کیسے آئی؟ اس نے کہا جب میں نے دیکھا کہ تیرے بھائیوں نے تجھے سمندر میں پھینک دیا ہے اور میرے لیے لڑ رہے ہیں تو میں بھی سمندر میں کود پڑی۔ خواجہ خضر ابوالعباس مجھے وہاں سے اٹھا کر اس زاویے میں لے آئے اور مجھے اجازت دی کہ میں بیماروں کا علاج کیا کروں، شہر میں ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ جو شخص بیمار ہو شیخہ راجحہ کے پاس جائے اور مجھ سے کہا تو یہیں ٹھیری رہ جب تک تیرا شوہر تیرے پاس نہ آجائے۔ سارے بیمار میرے پاس آتے ہیں میں ان کی مالش کرتی ہوں اور وہ صبح تک اچھے ہو جاتے ہیں۔ میں دور دور تک مشہور ہو گئی ہوں لوگ میرے پاس نذریں لاتے ہیں اور تمام لوگ مجھ سے دعا کے طلب گار رہتے ہیں۔

حضرت خضرؑ ہر جمعرات کو میرے پاس آتے ہیں۔ چناں چہ رات ہوئی تو وہ کھا پی کر خضرؑ کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آ پہنچے اور دونوں کوزاویے سے لے جا کر بصرے میں ایک محل پر اُتار دیا اور چلے گئے۔ سویرا ہوا اور عبداللہ نے غور سے دیکھا تو وہ اُسی کا محل تھا، اتنے میں اسے باہر شور غل سُنائی دیا۔ جھروکے میں سے جھانکا تو اس کے دونوں بھائی دو تختوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب انھوں نے اپنے بھائی کو سمندر میں پھینک دیا تو سویرے اٹھ کر رونے پیٹنے لگے اور کہا ہمارے بھائی کو پری اٹھا کر لے گئی۔ اس کے بعد انھوں نے ایک ہدیہ تیار کر کے خلیفہ کے پاس بھیجا اور اس سے بصرے کی ولایت طلب کی۔ خلیفہ نے انھیں بلا کر قصہ پوچھا اور بہت ناراض ہوا۔ صبح کو اس نے دن نکلنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ کر جنوں کو بلایا اور ان سے عبداللہ کی خبر پوچھی۔ انھوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی لیکن ملک احمر کی بیٹی سعیدہ نے آ کر بتادیا کہ وہ کہاں ہے۔ دوسرے روز اس نے ناصر اور منصور کو خوب پٹوایا انھوں اپنی خطا کا اقرار کر لیا خلیفہ نے حکم دیا کہ انھیں لے جا کر عبداللہ کے محل کے دروازے پر پھانسی دے دو۔ غرض کہ عبداللہ دونوں کو دفن کر کے بغداد گیا اور خلیفہ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ خلیفہ نے قاضی اور گواہوں کو بلوا کر اس کا نکاح اس لڑکی سے کرا دیا جسے وہ مدینۃ الحجر سے لایا تھا اور مرتے دم تک دونوں بصرے میں رہے، پاک ہے وہ ذات جو کبھی مرتی نہیں۔

رفوگر اور اس کی بیوی کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ! مصر میں ایک رفوگر معروف نام رہتا تھا جو پرانی قالینوں کو رفو کرتا۔ اس کی ایک بیوی تھی جس کا نام فاطمہ تھا اور جسے لوگ رنڈی کے نام سے یاد کرتے تھے کیوں کہ وہ بڑی بدکار شریر بے شرم اور چال باز تھی۔ وہ اپنے شوہر پر حکم چلاتی اور دن بھر میں ہزار گالیاں دیتی، برا بھلا کہتی۔ رفوگر اگرچہ غریب تھا لیکن عزت والا، ڈرتا تھا کہ کہیں اس کی آبرو پر دھبا نہ لگ جائے اس لیے وہ اس کے شر فساد سے ڈرتا رہتا۔ اگر وہ کسی دن زیادہ کما کر لاتا تو بیوی پر خرچ کر دیتا اگر کسی دن تھوڑا کماتا تو وہ اس کی زندگی اجیرن کر دیتی۔ ایک روز اس نے معروف سے کہا آج شام کو سویاں لائیو جن پر شہد پڑا ہو۔ وہ کہنے لگا واللہ آج میرے پاس دام تو نہ ہوں گے لیکن خدا کرے کہ یہ مصیبت مجھ پر آسان ہو جائے! بیوی بولی باتیں نہ بنا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی۔۔۔۔

نو سو نویں رات

نو سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بیوی نے کہا باتیں نہ بنا، آسان ہو یا مشکل، شہد والی سویاں لے کر آئیو ورنہ گھر میں نہ گھسیو۔ اس نے کہا اللہ کریم ہے اور اٹھ کر نماز پڑھی جا کر دکان کھولی اور دعا مانگی کہ خداوندا مجھے سویاں دیجیو اور اس رنڈی کے ہاتھ سے بچائیو! دوپہر تک دکان پہ بیٹھا رہا کوئی کام نہ ملا بیوی کے ڈر

کے مارے کانپنے لگا دُکان بند کر کے چلا حیران پریشان تھا کہ سویّاں کہاں سے لائے، اس کے پاس تو روٹی کے لیے بھی دام نہیں ؟ جب وہ سویّوں کی دُکان کے پاس سے گزرا تو وہاں ٹھیر گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ سویّوں والے نے کہا اے استاد معروف! تو کیوں رو رہا ہے؟ کون سی ایسی مصیبت تجھ پر آئی ہے؟ اس نے جواب دیا میری بیوی بڑی مردمار ہے اس نے کہا ہے کہ سویّاں لیے نہ آئیو۔ دوپہر تک دُکان میں بیٹھا رہا لیکن میں نے اتنا بھی نہیں کمایا کہ روٹی خرید سکوں۔ سویّوں والا ہنسنے لگا اور بولا کتنی سویّاں چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا پانچ رطل۔ دُکان دار نے تول کر پانچ رطل سویّاں دے دیں اور کہا میرے پاس مکھی کا شہد نہیں، شکر کا شہد ہے جو مکھی کے شہد سے اچھا ہے۔ معروف شرم کے مارے کچھ نہ کہہ سکا کیوں کہ اُدھار لے رہا تھا۔ دُکان دار نے پوچھا روٹی اور پنیر بھی چاہیے؟ اس نے کہا ہاں اور چار اٹھنّیوں کی روٹی ایک کا پنیر اور دس کی سویّاں لیں۔ دُکان دار بولا اے معروف! تیری طرف پندرہ اٹھنّیاں ہو گئی ہیں، ایک اٹھنّی نقد حمام کے لیے بھی لیتا جا دو تین دن میں جب خدا تجھے دے ادا کر دیجیو۔

معروف سویّاں، روٹی اور پنیر لے کر اُسے دُعا دیتا ہوا چل دیا اور راستے بھر کہتا رہا کہ خداوندا، تو کتنا کریم ہے! گھر پہنچ کر اس نے سویّاں بیوی کے آگے رکھ دیں۔ بیوی نے دیکھا یہ تو گنّے کا شہد ہے کہنے لگی میں نے تو تجھ سے کہا تھا کہ مکھیوں کے شہد کے ساتھ لائیو تو گنّے کا شہد ڈلوا لایا۔ معروف نے معافی مانگی اور کہا میں اُدھار لایا ہوں۔ بیوی نے کہا جھوٹ بکتا ہے اور ناراض ہو کر اس کے منھ پر تھپڑ مارا اور کہا

جا کر دوسری سویاں لا اور اس زور سے اس کی کنپٹی پر ہتکا رسید کیا کہ اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور خون سینے تک بہنے لگا۔ رفوگر کو بھی غصہ تو بہت آیا لیکن ضبط کیا اور اس نے آہستہ سے بیوی کے سر پر ایک دھول ماری۔ بیوی نے اس کی داڑھی پکڑلی اور چلاّنے لگی اے مسلمانو! دوڑو۔ پڑوسیوں نے آکر اس کی داڑھی چھڑائی اور عورت کو بُرا بھلا کہنے لگے اور کہا کہ ہم سب سویوں کو گنّے کے شہد کے ساتھ کھاتے ہیں، تو اس بیچارے پر کیوں ظلم کر رہی ہو؟ بُری بات ہو۔ اِدھر وہ تو دونوں میں صلح کرا کے چل دیے اور اُدھر بیوی نے قسم کھائی کہ میں ہرگز نہیں کھاؤں گی۔ شوہر بھوکا تو تھا ہی بولا تو نہیں کھاتی تو میں کھاتا ہوں۔ بیوی نے کہا یہ زہر ہو کر تیرے حلق سے اُترے گا! شوہر ہنستا جاتا کھاتا جاتا اور کہتا تو نے تو ان کے کھانے کی قسم کھائی ہو۔ خدا نے چاہا تو میں کل شام کو سویاں اور خالص شہد لاؤں گا پھر تو اکیلی انھیں کھائیو۔ وہ بیوی کو سنائے جاتا اور بیوی اُسے بددُعائیں دیے جاتی۔

غرض کہ رات بھر بیوی اسے بُرا بھلا کہتی اور کوستی رہی، صبح ہوئی تو اس نے اپنے شوہر کو مارنے کے لیے آستینیں چڑھائیں۔ شوہر نے کہا صبر کر، میں جا کر تیرے لیے دوسری سویاں لاتا ہوں۔ وہ ابھی دُکان کھول کر بیٹھا ہی تھا کہ قاضی کے دو پیادے آئے اور کہا چل تجھے قاضی بلاتا ہو، تیری بیوی نے تیرے اوپر نالش کی ہو۔ وہ قاضی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی بیوی بانہو پر پٹیاں باندھے کھڑی ہو اس کا برقع خون میں لتھڑا ہوا ہو وہ روتی اور آنسو پونچھتی جاتی ہو۔ قاضی نے کہا اے شخص کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا تو نے اپنی بیوی کو مارا اور اس کی بانہہ توڑ دی

دانت توڑا ہی؟ اس نے کہا اگر میں نے اسے مارا ہو یا دانت توڑا ہو تو جو تیرا جی چاہے مجھے سزا دے۔ اصل قصہ یہ ہے اور پڑوسیوں نے آکر بیچ بچاؤ کیا ہے۔ قاضی نے چوتھائی دینار نکالا اور کہا اس کی سویاں اور خالص شہد خرید کر اپنی بیوی کو دے دے اور دونوں صلح کرلو۔ اس نے کہا یہ دام بیوی کے حوالے کر دے اور بیوی نے لے لیے۔ قاضی نے دونوں میں صلح کرادی اور کہا اے نیک بخت! اپنے شوہر کا کہنا مان اور اے بھلے مانس! اس کے ساتھ نرمی سے پیش آ۔ بیوی ایک راستے سے چل دی اور شوہر دوسرے راستے سے دُکان چلا گیا۔ ابھی دُکان کھولی ہی تھی کہ دونوں پیادے آکر کہنے لگے ہمارا حق دے۔ اس نے کہا قاضی نے تو مجھ سے کچھ نہیں لیا بلکہ چوتھائی دینار مجھے دیا۔ وہ بولے ہمیں اس سے مطلب نہیں قاضی نے تجھے دیا یا تجھ سے لیا، اگر تو ہمارا حق نہ دے گا تو ہم زبردستی لے لیں گے۔ یہ کہہ کر انھوں نے اسے پکڑ کر گلی میں گھسیٹنا شروع کیا اور اس نے مجبور ہو کر اپنے اوزار بیچے اور انھیں نصف دینار دیا۔ پیادے چلے گئے تو وہ بیٹھ کر افسوس کرنے لگا کہ اب اوزار بھی جاتے رہے، کام کیسے کروں گا؟

اتنے میں اور دو آدمی بھیانک شکل کے اس کے پاس پہنچے اور کہا چل قاضی کے پاس، تیری بیوی نے نالش کی ہے۔ وہ بولا قاضی نے تو ہمارے درمیان صلح کرادی ہے۔ انھوں نے کہا ہم اُس قاضی کے پیادے نہیں ہیں، تیری بیوی نے ہمارے قاضی کے پاس نالش کی ہے۔ وہ بیوی کو کوستا ہوا دونوں پیادوں کے ساتھ چل دیا۔ قاضی کے ہاں پہنچ کر اس نے بیوی کو دیکھا اور کہا اے حلال زادی! کیا ہم میں صلح نہیں ہوگئی؟ بیوی نے کہا ہم میں صلح نہیں ہو سکتی، شوہر نے قاضی سے سارا ماجرا

بیان کیا اور کہا ابھی فلاں قاضی نے ہم دونوں میں ملاپ کرایا ہے۔ قاضی نے کہا ای رنڈی جب اس نے صلح کرادی ہے تو پھر میرے پاس کیوں آئی؟ اس نے جواب دیا میرے شوہر نے اس کے بعد مجھے مارا ہے۔ قاضی بولا ملاپ کرلو، اب تو اسے نہ ماریو اور وہ بھی تیری مخالفت نہیں کرے گی۔ اور پیادوں کا حق دے دے اس نے دے دیا جاکر دُکان کھولی اور بیٹھ گیا لیکن مارے رنج وغم کے ہوش ٹھکانے نہ تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا ای معروف! بھاگ، تیری بیوی نے باب عالی میں جاکر تیری شکایت کی ہے اور تیرے اوپر بلا ٹوٹنے والی ہے۔ وہ اٹھا اور دُکان بند کرکے باب النصر کی طرف چلا۔ اس وقت اس کے پاس محض پانچ اٹھنّیاں باقی تھیں، چار تو اس نے روٹیاں خریدیں ایک کا پنیر اور بھاگا۔ راستے میں زور سے پانی برسنے لگا سامنے ایک کھنڈر دکھائی دیا اس میں گھس گیا رونے لگا اور کہا خداوندا، اس عورت سے بھاگ کر کہاں جاؤں؟ خداوندا، میں تجھ سے دُعا کرتا ہوں کہ تو مجھے ایسے مُلک میں پہنچادے جہاں وہ میرا پیچھا نہ کرسکے۔ اتنے میں دیوار پھٹی ایک لمبا تڑنگا شخص اس میں سے نکلا اور کہنے لگا ای شخص! تو آج مجھے کیوں پریشان کررہا ہے؟ میں دو سو سال سے یہاں رہتا ہوں اب تک تو کوئی اس گھر میں آیا نہیں۔ بتا تیرا کیا مقصد ہے تاکہ میں اسے پورا کردوں کیوں کہ مجھے تجھ پر ترس آتا ہے۔ معروف نے اس سے سارا ماجرا بیان کردیا جو اسے بیوی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس نے کہا میری پیٹھ پر سوار ہوجا وہ سوار ہوگیا۔ وہ شخص اُڑا عشاء کے وقت سے لے کر فجر تک اُڑتا رہا اور جاکر اسے ایک اونچے پہاڑ پر اُتار دیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ......

نوسو اکیانویں رات

نوسو اکیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! دیو نے رفوگر معروف کو ایک اونچے پہاڑ پر اُتار دیا اور کہا اے انسان! یہاں سے اتر کر سامنے والے شہر میں چلا جا، وہاں تیری بیوی کسی حالت میں نہیں پہنچ سکتی۔ معروف اس شہر میں جا پہنچا اور اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ لوگ اسے دیکھ کر متعجب ہوتے کیوں کہ اس کا لباس ان لوگوں سے مختلف تھا۔ ایک شخص نے اس سے پوچھا کیا تو پردیسی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اس شخص نے کہا کس مُلک سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا مصر سے۔ اس شخص نے کہا کیا تجھے مصر چھوڑے مدّت ہو گئی ہے؟ معروف بولا کل عصر کے وقت چھوڑا ہے۔ وہ شخص ہنسنے لگا اور کہا لوگو، آؤ اور سنو کہ یہ شخص کیا کہتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ کل عصر کے وقت مصر سے چلا ہے۔ یہ سُن کر سب لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا کہ ایسی باتیں کرتا ہے؟ یہاں سے مصر کا راستہ پورے سال بھر کا ہے۔ معروف بولا پاگل تم ہو گے، دیکھو یہ میرے پاس مصر کی روٹیاں ہیں جو ابھی تک تازی ہیں۔ روٹیاں دیکھ کر سب اچنبھے میں پڑ گئے کیوں کہ وہ روٹیاں ان کی روٹیوں کی سی نہ تھیں۔ اب شہر بھر میں اس کا شہرہ ہو گیا، بعض اسے سچّا مانتے بعض جھوٹا اور اس کا مذاق اُڑاتے۔

اسی اثنا میں ایک تاجر خچّر پر سوار آ پہنچا، اس کے پیچھے دو غلام تھے، وہ بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا اندر آیا اور کہا لوگو، تمھیں شرم نہیں آتی غریب پردیسی کا مذاق اڑاتے ہو؟ وہ سب کو بُرا بھلا کہتا رہا کسی نے

چوں تک نہ کی پھر اس نے معروف کی طرف مخاطب ہو کر کہا بھائی ان کی باتوں پر خیال نہ کر، یہ بے شرم ہیں اور میرے ساتھ آ۔ وہ اسے ایک بڑے اور خوب صورت مکان میں لے گیا ایک شاہانہ کرسی پر بٹھایا اور ایک ہزار دینار کی پوشاک پہنائی۔ معروف خوش رو تو تھا ہی پوشاک پہن کر تاجروں کا شاہ بندر معلوم ہونے لگا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھایا گیا دونوں نے کھانا کھایا اس نے معروف سے پوچھا بھائی، تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام معروف ہے اور پیشہ پرانی قالینوں کی رفوگری۔ اس نے پوچھا وطن؟ معروف بولا مصر۔ اس نے کہا محلہ؟ معروف بولا تو مصر سے واقف ہے؟ اس نے کہا میں وہیں کا باشندہ ہوں۔ معروف نے کہا میرا گھر درب احمر میں ہے۔ اس نے کہا شیخ احمد عطر فروش کو پہچانتا ہے؟ معروف نے کہا میری دیوار سے اس کی دیوار ملی ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا اس کی کر اولادیں ہیں؟ معروف نے کہا تین: مصطفیٰ، محمد اور علی۔ مصطفیٰ عالم ہے اور لڑکے پڑھاتا ہے، محمد عطر فروش ہے اور اس کی دکان باپ کی دکان کے پہلو میں ہے، اس کی شادی ہو چکی ہے اور اس کا حسن نامی ایک لڑکا ہے۔ اب رہا علی تو میں اور وہ بچپن میں ساتھ ساتھ کھیلا کرتے تھے عیسائی لڑکوں کا لباس پہن کر گرجوں میں جاتے کتابیں چرا لاتے اور انھیں بیچ کر کھاتے اڑاتے۔ ایک دن عیسائیوں نے ہمیں کتاب چراتے پکڑ لیا اور اس کے باپ سے جا کر شکایت کی کہا کہ اگر تو اسے منع نہ کرے گا تو ہم بادشاہ کے پاس جا کر شکایت کریں گے۔ باپ نے ان کی خاطر اسے کوڑے لگائے اور وہ اس وجہ سے بھاگ گیا آج تیس سال ہوئے کہ اس کی کوئی خبر نہیں۔

اس نے کہا شیخ احمد عطر فروش کا بیٹا علی میں ہی ہوں اور تو معروف میرا دوست ہے۔ اب بتا کہ تیرا آنا یہاں کیسے ہوا؟ معروف نے اپنی بیوی کا سارا قصہ بیان کیا اور کہا ایک جن مجھے لا کر چھوڑ گیا ہے۔ یہاں لوگوں کی بھیڑ میرے ارد گرد لگ گئی اور انھوں نے مجھ سے حال پوچھا۔ میں نے کہا میں کل مصر سے چلا ہوں انھوں نے یقین نہیں کیا، اتنے میں تو آ پہنچا۔ علی نے کہا میں ناراض ہو کر گھر سے چل دیا تھا اور بیس سال تک شہر بہ شہر خاک چھانتا ہوا یہاں پہنچا۔ اس شہر کا نام ختیان ختن ہے، یہاں کے لوگ بڑے شریف ہیں غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور جو کچھ ان سے کہا جائے اسے سچ مانتے ہیں۔ میں نے یہاں آ کر کہا کہ میں تاجر ہوں، میرا سامان پیچھے آ رہا ہے۔ انھوں نے میرا کہنا سچ مانا اور میرے لیے ایک مکان خالی کرا دیا۔ پھر میں نے کہا جب تک میرا سامان نہ آ جائے مجھے ایک ہزار دینار کی ضرورت ہے۔ انھوں نے مجھے ایک ہزار دینار دے دیے میں نے ان کا سامان خریدا اور جب اسے بیچا تو مجھے پچاس دینار کا فائدہ ہوا۔ اسی طرح خریدتے بیچتے میں امیر ہو گیا۔ بھائی، تجھے یہ مقولہ معلوم ہے کہ دنیا دغا بازی اور حیلہ سازی کا نام ہے؟ لہٰذا اگر تو کہے گا کہ میں رفوگر اور غریب ہوں اور بیوی کے ڈر سے بھاگ کر آیا ہوں وغیرہ وغیرہ تو وہ تیری بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر تو کہے گا کہ مجھے دیو اٹھا کر لایا ہے تو وہ تجھ سے بھاگیں گے اور تیرے پاس کوئی پھٹکے گا بھی نہیں لوگ کہیں گے کہ اس پر جن آتا ہے۔ معروف نے پوچھا پھر کیا کرنا چاہیے؟ اس نے کہا میں کل تجھے ایک ہزار دینار، ایک خچر اور ایک غلام دوں گا تو سوار ہو کر سوداگر بازار

آئیو، میں وہاں تاجروں کے ساتھ بیٹھا ہوں گا سلام کرکے تیرا ہاتھ چوموں گا اور تیری بڑی عزت کروں گا۔ جب میں پوچھوں کہ فلاں کپڑے لایا ہے؟ تو کہیو بے شمار۔ میں ان سے کہوں گا کہ وہ تیرے لیے ایک دکان لے دیں اور ان سے کہوں گا کہ تو بڑا امیر اور سخی ہے۔ جب کوئی فقیر آئے تو اسے تو جتنا دے سکے دیجیو۔ اس سے انھیں میری بات کا یقین آجائے گا کہ تو بڑا آدمی ہے اور بے حد سخی وہ تجھ سے نسبت کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد میں ان سب کی دعوت کرکے تیرے ساتھ شناسائی کرا دوں گا اور سب تجھے جان جائیں گے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نو سو بانویں رات

نو سو بانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! تاجر علی نے معروف سے کہا سب تجھے جان جائیں اور تو سب کو جان جائے گا تاکہ تو ان کے ساتھ خرید فروخت اور لین دین کر سکے۔ جب سویرا ہوا تو علی نے اسے ایک ہزار دینار دیے، عمدہ پوشاک پہنا کر اسے خچر پر سوار کیا ایک غلام دیا اور کہا اب اپنی بیوی کی بد چلنی کو بھول جا کسی سے اس کا ذکر نہ کیجیو۔ معروف سوار ہو کر سوداگر بازار کے دروازے پر پہنچا دیکھا کہ تاجر علی بہت سے تاجروں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے علی اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اس سے لپٹ گیا اور کہنے لگا اے تاجر معروف! اے بھلائی اور نیکی کے پتلے، تیرا آنا مبارک ہوا یہ کہہ کر اس نے تاجر کے روبرو اس کا ہاتھ پکڑا، خچر پر سے اتارا اور اسے تاجروں سے

ملایا۔ تاجروں نے پوچھا کیا یہ بھی تاجر ہے؟ اس نے کہا بلکہ سب سے بڑا تاجر، مصر بھر میں اس سے اور اس کے باپ دادا سے امیر کوئی تاجر نہیں، اس کے ساجھی ہند، سندھ اور یمن میں موجود ہیں۔ اس کا یہاں آنا تجارت کی غرض سے نہیں بلکہ سیر و تفریح کی غرض سے ہے کیوں کہ کمائی کے لیے اسے پردیس میں جانے کی ضرورت نہیں، اس کے پاس اتنی دولت ہے کہ آگ بھی اسے نہیں کھا سکتی۔ یہ تمام تعریفیں سن کر لوگ اس کے پاس آئے ناشتا اور شربت پیش کیا حتیٰ کہ تاجروں کا شاہ بندر بھی سلام کے لیے حاضر ہوا۔ علی نے اور تاجروں کے سامنے اس سے پوچھا ای میرے آقا! تو فلاں تھان بھی اپنے ساتھ لایا ہے؟ اس نے کہا بے شمار۔ جو کچھ وہ پوچھتا جاتا معروف کہتا کہ بے شمار۔

وہ بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ ایک فقیر آیا اور تاجروں سے بھیک مانگنے لگا۔ کسی نے اسے آدھا درہم دیا کسی نے ایک جدید، اور اکثر لوگوں نے کچھ بھی نہیں دیا۔ جب وہ معروف کے پاس پہنچا تو اس نے مٹھی بھر سونا اسے دے دیا اور وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔ تاجروں کو بڑا تعجب ہوا وہ کہنے لگے یہ بھیک نہیں شاہانہ بخشش ہے۔ اگر وہ حد سے زیادہ مال دار نہ ہوتا تو فقیر کو مٹھی بھر سونا نہ دیتا۔ فقیروں نے جا کر ایک دوسرے سے اس کا ذکر کیا وہ ایک ایک کر کے آتے اور معروف انھیں ایک ایک مٹھی سونا دیتا یہاں تک کہ ہزار دینار ختم ہو گئے اور وہ ہاتھ ملنے لگا۔ شاہ بندر نے کہا ای تاجر معروف! خیر تو ہے؟ اس نے کہا اس شہر والے زیادہ تر فقیر اور مسکین ہیں، اگر میں یہ جانتا ہوتا تو اپنے ساتھ خرچی میں زیادہ مال لیتا آتا اور فقیروں کو دیتا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں مدت تک یہاں

رہا تو فقیروں سے کیا کہوں گا؟ فقیروں کو لوٹانا میری فطرت سے بعید ہے۔ شاہ بندر نے کہا ان سے کہو کہ خدا تمھیں دے! معروف نے کہا یہ میری عادت نہیں اور اسی وجہ سے میں بہت رنجیدہ ہوں۔ شاہ بندر نے ایک نوکر کو بھیج کر ہزار دینار بھجوا دیے اور اس نے پھر فقیروں کو دینا شروع کر دیا جب وہ ظہر کی نماز مسجد میں پڑھ کر فارغ ہوئے تو ہزار دیناروں میں سے جو کچھ بچا تھا اس نے نمازیوں پر نچھاور کر دیا۔ پھر اس نے ایک اور تاجر سے ہزار دینار لیے انھیں بھی بانٹ دیا۔ تاجر علی یہ ساری باتیں دیکھتا لیکن زبان نہ کھول سکتا۔ غرض کہ بازار کا دروازہ بند ہوتے ہوتے اس نے پانچ ہزار دینار خرچ کر دیے۔ جس سے وہ ادھار لیتا کہتا کہ میرا سامان آ جانے دے، چاہے سونا لے لیجیو چاہے کپڑے، میرے پاس بہت سامان ہے۔

شام کو علی نے اسے اور تمام تاجروں کو دعوت پر بلایا جو کوئی اس سے پوچھتا کہ فلاں چیز لایا ہے وہ کہتا بے شمار۔ دوسرے دن وہ پھر بازار گیا اور لوگوں سے ادھار لے لے کر فقیروں کو دینے لگا۔ بیس دن تک اس کی یہی حالت رہی، ساٹھ ہزار دینار اس پر ادھار ہو گئے اور سامان کا کہیں پتا نہیں۔ اب لوگ پریشان ہونے اور کہنے لگے تاجر معروف کا مال اب تک نہیں آیا، آخر وہ کب تک لوگوں سے ادھار لے لے کر فقیروں کو دیا کرے گا۔ تاجر علی بولا ذرا اور صبر کرو، اس کا مال آتا ہی ہوگا۔ اس کے بعد علی نے معروف سے تنہائی میں کہا یہ کیا تیری حرکت ہے؟ میں نے تجھ سے روٹی سینکنے کے لیے کہا تھا یا جلا دینے کو؟ تجھ پر ساٹھ ہزار دینار کا قرضہ ہو چکا ہے۔ وہ بولا کیا مضائقہ؟ ساٹھ ہزار

دینار کی حیثیت کیا ہے اجب میرا سامان آجائے گا میں ادا کردوں گا، چاہے وہ کپڑے لے لیں چاہے دینار اور درہم۔ علی کہنے لگا اللہ اکبر! کیا تیرے پاس سامان ہے؟ وہ بولا بے شمار۔ علی نے کہا میں نے ہی تو تجھے یہ گر سکھایا تھا۔ اس نے کہا چل، زیادہ باتیں نہ بنا، کیا میں کوئی بھک منگا ہوں جب میرا سامان آجائے گا تو میں ایک کے بدلے دو دے دوں گا۔ تاجر علی کو غصہ آگیا اور اس نے کہا اے بدتمیز! تو جھوٹ بولتا ہے اور شرماتا نہیں، ٹھیر تو سہی میں تجھے ابھی اس کا مزا چکھاتا ہوں۔ معروف بولا جو تیرا جی چاہے کر، اگر لوگ صبر سے بیٹھے رہے اور میرا سامان آگیا تو جتنا ان سے لیا ہے اس سے زیادہ دے دوں گا۔ علی اسے چھوڑ کر چلا گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا پہلے تو میں نے اس کی تعریف کی، اب برائی کس منہ سے کروں؟ تاجروں نے اس کے پاس آکر کہا اے علی! تو نے اس سے باتیں کیں؟ اس نے جواب دیا مجھے شرم آتی ہے میں نے بھی اسے ایک ہزار دینار دیے ہیں۔ تم نے اسے بے میرے مشورے کے دیا ہے، تم خود اس سے جاکر تقاضا کرو اور اگر وہ نہ دے تو بادشاہ کے پاس جاکر شکایت کرو۔ لوگ بادشاہ کے پاس پہنچے اور شکایت کی ساتھ ہی اس کی سخاوت بھی بیان کی۔ یہ بادشاہ بڑا لالچی تھا، معروف کی سخاوت اور دریا دلی سن کر وزیر سے کہنے لگا وہ ضرور مال دار ہوگا اگر اس کا سامان آگیا تو سب انھیں دے دے گا حالاں کہ اس کا زیادہ مستحق میں ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ میں اس سے محبت بڑھاؤں جب اس کا سامان آجائے تو بجائے اس کے کہ تاجر اسے لیں میں اس کا مالک بنوں اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کرکے اس کا مال بھی اپنے مال میں شامل کرلوں۔ وزیر

نے کہا جہاں پناہ، میرے خیال میں وہ دغاباز ہے اور دغاباز لالچی کے گھر کو اجاڑ دیتا ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نو سو ترانویں رات

نو سو ترانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب وزیر نے کہا کہ وہ دغاباز ہے تو بادشاہ بولا اچھا، میں اس کا امتحان لیتا ہوں اسے بلا کر ہیرے کا ایک ٹکڑا دکھاتا ہوں۔ اگر وہ اسے پہچان گیا اور اس کی قیمت بتادی تو وہ سچا ہے ورنہ میں اسے بُری موت ماروں گا۔ بادشاہ نے اسے بلوایا اور اپنے پہلو میں بٹھا کر پوچھا لوگ کہتے ہیں کہ ان کا تجھ پر ساٹھ ہزار دینار قرضہ ہے۔ معروف بولا سچ ہے جب میرا سامان آجائے گا تو میں ایک کے دو ادا کردوں گا۔ اب بادشاہ نے اسے ہیرا دکھا کر کہا بتا یہ کیسا ہے اور اس کی قیمت کیا ہے؟ بادشاہ نے اسے ایک ہزار دینار میں خریدا تھا اور اس کے پاس یہی ایک ہیرا تھا۔ معروف نے اسے زور سے دبا کر توڑ دیا اور ہنس کر کہنے لگا جہاں پناہ، یہ ہیرا نہیں بلکہ معمولی معدن ہے، اس کی قیمت ایک ہزار دینار ہوگی، ہیرا ستر ہزار دینار سے کم نہیں ہوتا۔ اس کو ہیرا نہیں کہتے بلکہ معدن۔ اگر ہیرے کا ٹکڑا اخروٹ سے چھوٹا ہو تو ہمارے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کیا تیرے پاس ایسے ہیرے ہیں جن کا تو ذکر کرتا ہے؟ وہ بولا بے شمار۔ بادشاہ نے کہا کیا تو مجھے ان ہیروں میں سے دے سکتا ہے؟ اس نے کہا بے شمار، میرا سامان آجانے دے، میں تجھے بے دام دے دوں گا۔ بادشاہ خوش ہوگیا اور اس نے تاجروں سے کہا تم

جاؤ جب اس کا سامان آجائے تو اپنے اپنے مجھ سے آکر لے جانا۔ یوں کر تاجر چلے گئے۔

یہ تو معروف اور تاجروں کا قصہ ہوا، اب بادشاہ کا حال سنو۔ اس نے وزیر سے کہا تاجر کے ساتھ بات چیت کرنرمی سے پیش آ اور اس کے آگے میری بیٹی کا ذکر کر تاکہ اس سے شادی کرلے اور اس کا مال متاع مجھے مل جائے وزیر بولا وہ تو مجھے مکار معلوم ہوتا ہے، ایسی باتیں جانے دے ایسا نہ ہو کہ بیٹی بھی تیرے ہاتھ سے جاتی رہے۔ اس وزیر نے پہلے بادشاہ سے درخواست کی تھی کہ وہ شاہ زادی کی شادی اس کے ساتھ کردے لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ اب بادشاہ نے وزیر سے کہا چوں کہ میں اس پر راضی نہ تھا کہ اپنی بیٹی تجھے دوں لہذا تو چاہتا ہے کہ وہ پڑی سڑتی رہے یہاں تک کہ وہ تجھے مل جائے۔ تیرا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کیوں کر جھوٹا اور دغاباز ہو سکتا ہے! اس نے میرے ہیرے کی قیمت بتادی اور اس کے پاس بے شمار جواہرات ہیں۔ جب وہ میری بیٹی سے ہم بستر ہوگا اور دیکھے گا کہ وہ بڑی خوب صورت ہے تو وہ اپنے سارے ہیرے جواہرات اسے دے دے گا۔ وزیر بادشاہ کے ڈر کے مارے چپ ہوگیا اور معروف کے پاس جاکر کہا بادشاہ تجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کردے۔ تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا مضائقہ نہیں لیکن میرا سامان آجانے دے کیوں کہ شاہ زادیوں کا مہر بہت زیادہ ہوتا ہے میرا سامان آجائے گا تو میں مال دار ہو جاؤں گا۔ کم از کم پچاس ہزار توڑے میں اس کے مہر میں دوں گا، ایک ہزار توڑے فقیروں کو بانٹوں گا ایک ہزار توڑے براتیوں پر خرچ کروں گا اور ایک ہزار سے لشکر والوں کی

دعوت کروں گا۔ سو ہیرے لونڈی غلاموں میں تقسیم کروں گا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار ننگوں کو کپڑے پہناؤں گا۔ یہ تمام باتیں اس وقت تک نہیں ہو سکتیں جب تک میرا سامان نہ آجائے۔

وزیر نے یہ تمام باتیں جاکر بادشاہ سے کہیں۔ بادشاہ بولا پھر بھی تو اسے جھوٹا اور دغاباز بتاتا ہے۔ اگر تو نے اپنا منہ نہ بند کیا تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ جاکر اسے میرے پاس لے آ، میں اس سے خود باتیں کروں گا۔ وزیر جاکر اسے لے آیا، بادشاہ نے کہا اس طرح کے عذر نہ کر، میرا خزانہ پڑا ہے، اس کی کنجیاں لے کر جتنا جس پر چاہے خرچ کر اور جب تیرا سامان آجائے تو تیرا جو جی چاہے اپنی بیوی کو دیجیو ہم مہر میں جلدی نہیں کرتے تیرے سامان کا انتظار کریں گے، ہم میں اور تجھ میں ہرگز کوئی فرق نہیں۔ بادشاہ نے شیخ الاسلام کو بلا کر دونوں کا نکاح نامہ لکھوا دیا جشن منانے کی تیاری کرنے لگا شہر سجایا گیا شادیانے بجنے لگے اور دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چُنے گئے۔ معروف کرسی پر بیٹھا اور بادشاہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ سونا چاندی لا اور معروف مٹھی بھر بھر کر فقیروں کو دینے لگا۔ وزیر یہ دیکھ کر تیش میں آیا جاتا لیکن زبان نہ کھول سکتا۔ تاجر علی تعجب کرتا اور اس سے کہتا کیا تاجروں کا مال تو نے کافی ضائع نہیں کیا کہ اب بادشاہ کے مال پر ہاتھ صاف کرتا ہے؟ معروف جواب دیتا تجھے اس سے کیا واسطہ؟ جب میرا سامان آجائے گا تو میں بادشاہ کو اس سے زیادہ دے دوں گا اور دل میں کہتا کہ جو ہوگا سو ہوگا، تقدیر سے مفر نہیں۔

چالیس دن تک جشن ہوتا رہا، اکتالیسویں دن شہزادی کی منہ دکھائی کی رسم ادا ہوئی اور معروف نے لوگوں پر خوب سونا چاندی

نچھاور کیا۔ اب اسے شہزادی کے پاس لے گئے پردہ گراکر دروازوں میں قفل ڈال دیے اور اسے دُلھن کے پاس چھوڑ کر چلتے ہوے۔ معروف دیر تک بیٹھا ہاتھ ملتا، اور لاحول پڑھتا رہا۔ شہزادی بولی ای میرے آقا! خیر تو ہی؟ تو رنجیدہ کیوں ہی؟ اس نے کہا میں کیوں کر رنجیدہ نہ ہوں؟ تیرے باپ نے ہری کھیتی کو آگ لگادی ہی۔ شہزادی بولی میرے باپ نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا میرا سامان آنے سے پہلے اس نے ہماری شادی کردی۔ میں چاہتا تھا کہ سو ہیرے تو تیری کنیزوں کو دوں کم از کم ایک ایک ہیرا تو ہر ایک کے حصے میں آئے وہ خوش ہوں اور کہیں جب ہمارا آقا ہماری مالکہ سے ہم بستر ہوا تھا تو ہمیں ایک ایک ہیرا دیا تھا۔ اس سے تیری عزت بڑھتی اور میں اس میں کمی نہیں کرتا کیوں کہ میرے پاس بہت ہیرے ہیں۔ شہزادی نے کہا بس اسی وجہ سے تو رنجیدہ ہی۔ میرا خیال نہ کر، میں تیرا سامان آنے تک انتظار کروں گی۔ رہیں کنیزیں ان سے تیرا کوئی تعلق نہیں۔ اٹھ اور اپنے کپڑے اُتار کر آرام سے بیٹھ۔ معروف نے کپڑے اتارے فرش پر بیٹھ گیا اور رازو نیاز کی باتیں ہونے لگیں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔

نو سو چورانویں رات

نو سو چورانویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! اس کے بعد معروف حمام گیا شاہانہ لباس پہن کر وہاں سے نکلا اور دربار پہنچا۔ بادشاہ نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور خزانچی کو حکم دیا کہ خلعتیں

لاکر وزیروں امیروں اور منصب داروں کو پہنا۔ بیس دن تک بادشاہ ہر ایک کو اس کے درجے کے مطابق انعام دیتا رہا لیکن سامان نہ آیا۔ اب خزانچی معروف کی غیبت میں بادشاہ کے پاس گیا دیکھا کہ وہ وزیر کے ساتھ اکیلا بیٹھا ہوا ہے زمین چوم کر کہنے لگا جہاں پناہ، میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، اگر نہ کہوں تو بعد میں تو مجھے لعنت ملامت کرے گا۔ خزانہ خالی ہو گیا ہے اب اس میں زیادہ باقی نہیں اور دس دن کے بعد وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ بادشاہ بولا میرے داماد کا سامان ابھی تک نہیں آیا اور نہ اس کی کوئی خبر آئی۔ وزیر ہنس پڑا اس نے کہا خدا تجھ پر مہربان ہو آخر تو کب تک اس جھوٹے دغا باز سے غافل رہے گا؟ قسم ہے تیرے سر کی سامان تو درکنار اس کے پاس دھاگے کی لچھی تک نہیں۔ وہ تجھے برابر دھوکا دیے چلا جا رہا ہے اس نے تیرا مال ضائع کر دیا اور تیری بیٹی سے مفت میں شادی کر لی۔ بادشاہ نے پوچھا پھر کیا کرنا چاہیے؟ وزیر نے کہا شوہر کا حال محض بیوی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ تو اپنی بیٹی کو پردے کے پیچھے بلا تاکہ میں اس کی حقیقت دریافت کروں۔ بادشاہ نے کہا بہت خوب، اگر ثابت ہو گیا کہ وہ چال باز ہے تو میں اسے بری موت ماروں گا۔ اس نے اپنی بیٹی کو پردے کے پیچھے بلوایا اور کہا کہ وزیر تجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ وزیر نے کہا اے میری آقا! تیرے شوہر نے تیرے باپ کا سارا مال خرچ کر دیا اور تجھ سے بلا مہر کے نکاح کیا ہے۔ وہ برابر سامان کا وعدہ کرتا جاتا ہے لیکن اس کا سامان کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو اپنے شوہر کا حال بتا۔ شہزادی بولی وہ باتیں تو بہت کرتا ہے اور ہر روز جواہرات، سامان اور قیمتی کپڑوں کا مجھ سے وعدہ کرتا ہے لیکن

اب تک میں نے کچھ دیکھا نہیں۔ وزیر نے کہا آج رات تو اس سے باتوں باتوں میں سچّی بات پوچھ لے۔ پھر وہ سب باتیں تو ہم سے بیان کر دے۔ شہزادی نے کہا ابّا جان میں اس سے تمام باتیں پوچھ لوں گی۔

یہ کہہ کر شاہ زادی چلی گئی عشا کے بعد اس کا شوہر معروف آیا تو وہ اس سے بغل گیر ہو گئی اور بڑا پیار جتانے لگی، خدا بچائے اس پیار سے جو عورتیں اپنا مطلب نکالنے کے وقت جتاتی ہیں! جب اس نے دیکھا کہ شوہر بالکل ست و بےخود ہو گیا تو کہنے لگی ای میرے پیارے آنکھ کے تارے! خدا مجھ میں اور تجھ میں کبھی جدائی نہ ڈالے! تیری محبّت میرے دل میں سما گئی ہی اور تیرے عشق کی آگ نے میرا جگر کباب کر دیا ہی، لیکن میں چاہتی ہوں کہ تو سچ سچ بتا دے کہ تیرا کیا قصّہ ہی۔ آخر تو کب تک میرے آگے جھوٹ بولا کرے گا؟ اگر تیرا بھید کھل گیا اور ہم اس کے لیے پہلے سے تیار نہیں تو وہ تجھ پر ناراض ہو گا۔ اور اگر تو نے سچ سچ بتا دیا تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آخر تو کب تک کہے جائے گا کہ میں تاجر اور مال دار ہوں میرا سامان آ رہا ہی؟ مدّت گزر گئی سامان ہی سامان پکارے جاتا ہی اور سامان کا کہیں پتا نہیں اس غم میں تیرا چہرہ مرجھایا ہوا ہی۔ اگر تو نے جھوٹ بولا ہی تو مجھ سے کہہ دے اور میں تیرے چھٹکارے کی کوئی تدبیر نکال دوں گی معروف نے کہا ای میری آقا! میں تجھ سے اپنا کچا چٹھا کہے دیتا ہوں، پھر تیرا جو جی چاہے کیجیو۔ شہزادی نے کہا کہہ اور سچ سچ کہہ، سچائی نجات کی ناؤ ہی۔ معروف نے کہا ای میری آقا! سن، نہ میں تاجر ہوں اور نہ میرے پاس سامان ہی۔ اپنے وطن میں میں رفوگر تھا

اور میری ایک بیوی تھی جس کا نام فاطمہ تھا لوگ اسے رنڈی کہتے تھے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ شہزادی یہ سُن کر ہنس پڑی اور کہنے لگی جھوٹ بولنے اور دغابازی میں تو بڑا ماہر ہے۔ اس نے کہا اے میری آقا! میرا پردہ فاش نہ کر، خدا تجھے سلامت رکھے!

شہزادی بولی سُن، تو نے میرے باپ کے ساتھ دغا کی اُسے اتنا دھوکا دیا کہ اس نے لالچ میں آکر مجھے تیرے ساتھ بیاہ دیا اور اس کا مال تو نے خوب اُڑایا حالاں کہ وزیر اس کے خلاف تھا اس نے کتنی بار میرے باپ سے کہا بھی کہ تو دھوکے باز ہے! میرے باپ نے اس کا کہنا اس لیے نہ مانا کہ اس نے ایک بار مجھ سے شادی کی درخواست کی تھی اور وہ راضی نہیں ہوا تھا۔ میری تجھ سے شادی ہو گئی۔ شادی کو بہت دن گزر گئے اور میرا باپ گھبرانے لگا تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھ سے گفتگو کروں اور اب میں نے تجھ سے گفتگو کی اور بھید کُھل گیا۔ میرا باپ تجھے سزا دینے پر مُصر ہے لیکن تو میرا شوہر ہو چکا ہے میں تجھے نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ اگر میں باپ سے کہہ دوں تو تیرا جُرم اس کے نزدیک معافی کے قابل نہ ہوگا وہ تجھے ضرور قتل کر دے گا اور لوگوں میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ میں نے ایک دغاباز سے شادی کی ہے اور میری بدنامی ہوگی، اگر میرے باپ نے تجھے قتل کر دیا اور چاہا کہ میں کسی دوسرے سے بیاہ کروں تو میں اسے مرتے دم تک گوارا نہیں کر سکتی۔ لہٰذا ابھی اُٹھ کر غلاموں کا بھیس بدل اور میرے پاس سے پچاس ہزار دینار لے اور گھوڑے پہ سوار ہو کر کسی ایسے مُلک میں نکل جا جہاں میرے باپ کا حکم نہ چلتا ہو۔

وہاں جا کر تجارت کر اور مجھے پوشیدہ خط لکھ کر تو کس مُلک میں ہے۔ مجھ سے جتنا ہو سکے گا بھیجتی رہوں گی اور تو امیر ہو جائے گا۔ اس اثنا میں اگر میرا باپ مر گیا تو میں تجھے بُلا بھیجوں گی تو بڑی عزّت کے ساتھ یہاں آجائے گا۔ اور اگر میں مر گئی یا تو مر گیا تو پھر قیامت کے دن ہم ملیں گے۔

جب تک ہم دونوں صحیح سلامت ہیں میں تجھے برابر خط اور مال بھیجتی رہوں گی۔ فی الحال چلا جا، کہیں ایسا نہ ہو کہ دن نکل آئے اور تیرا سر اُڑا دیا جائے۔ معروف نے اٹھ کر غلام کا بھیس بدلا اور سئیس سے کہا گھوڑا تیار کر اور شہزادی سے رخصت ہو کر آخری رات میں شہر سے نکل کھڑا ہوا۔ جو کوئی اسے دیکھتا یہی گمان کرتا کہ بادشاہ کا غلام کسی کام کے لیے جا رہا ہے۔ صبح ہوئی تو بادشاہ اور وزیر شہزادی کے پاس آئے۔ بادشاہ نے پوچھا بیٹی، کیا کہتی ہے؟ وہ بولی خدا تیرے وزیر کا منھ کالا کرے، وہ چاہتا ہے کہ مجھے اور میرے شوہر کو بدنام کرے۔ بادشاہ نے کہا کیوں کر؟ اس نے کہا قبل اس کے کہ کل میں اس سے گفتگو کروں فرج غلام ایک خط لے کر آیا اور کہا کہ دس غلام نیچے کھڑے ہوئے ہیں، انھوں نے مجھے یہ دے کر کہا کہ ہماری طرف سے معروف تاجر کے ہاتھ چوم اُسے یہ خط دے اور اس سے کہہ کہ ہم تیرے وہ غلام ہیں جو سامان کے ساتھ ہیں۔ ہمیں خبر ملی تھی کہ تو نے شہزادی سے شادی کی ہے اور ہم تجھے اپنی سرگزشت سُنانے آئے ہیں۔ میں نے خط لے کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا: "پانسو غلاموں کی طرف سے ان کے آقا حضرت معروف تاجر کے نام۔ تیرے جانے کے بعد دو ہزار بدو سواروں نے ہم پر حملہ کر دیا ہم میں اور ان میں سخت لڑائی ہوئی اور آج تیسواں دن ہے کہ برابر ہو رہی ہے اور

انھوں نے ہمارا راستہ روک رکھا ہے، اسی وجہ سے ہم اب تک تیرے پاس نہیں پہنچ سکے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

نوسو پچانویں رات

نوسو پچانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! اس کے بعد خط میں یہ تھا کہ بدو ہمارے دوسو گٹھے لے گئے ہیں اور پچاس غلاموں کو قتل کر ڈالا ہے۔ جب اسے یہ خبر ملی تو وہ کہنے لگا خدا ان کا ستیاناس کرے! محض دوسو گٹھوں کے پیچھے بدوؤں سے لڑ رہے ہیں، دوسو گٹھوں میں زیادہ سے زیادہ سات ہزار دینار کا مال ہوگا، بہتر ہے کہ میں جا کر ان سے کہوں کہ جلد چلے آئیں اور جو کچھ بدو لے گئے ہیں اُسے جانے دیں، میں سمجھوں گا کہ میں نے وہ مال ان پر صدقہ کر دیا۔ یہ کہہ کر وہ ہنستا ہوا چل دیا اور اس کے چہرے پر ذرا سی شکن بھی نہ آئی، نہ مال ضائع ہونے کا ملال تھا نہ غلاموں کے قتل پر افسوس۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے جھروکے میں سے جھانک کر دیکھا واقعی دس غلام کھڑے تھے چاند سے زیادہ خوب صورت دو ہزار کی پوشاکیں پہنے ہوئے۔ وہ انھیں لے کر چل دیا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں نے وہ باتیں اس سے نہ پوچھیں جو تو نے مجھ سے پوچھنے کے لیے کہی تھیں ورنہ وہ میرا اور تیرا دونوں کا مذاق اُڑاتا لیکن یہ ساری خرابی تیرے وزیر کی ہے اس نے میرے شوہر کے بارے میں ایسے ناشائستہ الفاظ کہے۔ بادشاہ نے کہا بیٹی! تیرے شوہر کے پاس بڑی دولت ہے اس لیے اسے ان باتوں کی پروا نہیں، جس روز سے وہ آیا ہے

فقیروں کو برابر خیرات دیتا ہے۔ خدا نے چاہا عنقریب اس کا سامان آجائے گا اور ہمیں اس سے بڑا فائدہ پہنچے گا۔ بادشاہ پر بیٹی کی چال چل گئی اس نے اسے تسلّی دی اور وزیر کو خوب ڈانٹا۔

یہ تو بادشاہ کا قصّہ ہوا، اب تاجر معروف کا حال سنو۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل بیابان میں نکل گیا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے دل میں کہتا کاش میں مر گیا ہوتا! چلتے چلتے دو پہر کے قریب ایک گانو کے پاس پہنچا دیکھا کہ ایک کسان دو بیل لیے کھیت جوت رہا ہے۔ بھوک سے وہ اتنا پریشان تھا کہ اس نے کسان کے پاس جا کر سلام کیا اس نے مرحبا کہا اور پوچھا کیا تو سلطان کے غلاموں میں سے ہے؟ معروف بولا ہاں۔ کسان بولا میرے ہاں آج تیری دعوت ہے۔ معروف نے کہا بھائی، تیرے پاس تو مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا، تو میری دعوت کیسے کرے گا؟ کسان نے کہا اتر تو سہی، میں قریب والے گانو میں جا کر تیرے لیے ناشتا اور تیرے گھوڑے کے لیے چارہ لے آؤں گا۔ معروف نے کہا اگر گانو اتنا قریب ہے تو جتنی دیر میں تو پہنچے گا میں بھی پہنچ جاؤں گا اور جو میرا جی چاہے گا بازار سے مول لے کر کھا لوں گا۔ کسان بولا یہ گانو محض ایک چھوٹی سی بستی ہے، نہ بازار ہے نہ لین دین کی کوئی صورت۔ تو یہیں ٹھیر، میں جا کر ابھی لیے آتا ہوں۔ معروف گھوڑے پر سے اتر پڑا، کسان ناشتا لینے چل دیا، یہ اس کا انتظار کرنے اور اپنے جی میں کہنے لگا میں نے اس کسان کو اس کے کام سے روکا ہے مجھے اس کے بدلے ہل چلانا چاہیے۔ اس نے تھوڑا ہی سا جوتا ہوگا کہ ہل نے کسی چیز سے ٹکر کھائی اور بیل ٹھیر گئے غور سے دیکھا تو ہل ایک سونے کے حلقے

میں پھنسا ہوا تھا اور حلقہ مرمر کی ایک گول سِل میں لگا ہوا جو چکّی کے برابر تھی۔

معروف نے کوشش کر کے سِل کو اپنی جگہ سے سرکایا تو اسے اس کے نیچے ایک تہ خانہ دکھائی دیا جہاں سیڑھیاں تھیں۔ وہ اُترا اور دیکھا کہ وہاں چار کمرے ہیں، پہلے میں نیچے سے اوپر تک مٹی بھری ہوئی ہے دوسرے میں زمرد، موتی اور مونگے، تیسرے میں یاقوت، بلخش اور فیروزے اور چوتھے میں ہیرے اور طرح طرح کے قیمتی جواہرات، صدر میں ایک بلور کا صندوق ہے جس میں لاجواب جواہرات ہیں جو اخروٹ کے برابر ہیں۔ صندوق کے اوپر ایک ڈبیہ بھی رکھی ہوئی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر اسے تعجّب بھی ہوا اور خوشی بھی اس نے اس ڈبیہ کو اٹھا کر کھولا جو صندوق کے اوپر رکھی ہوئی دیکھا کہ اس میں ایک سونے کی انگوٹھی ہے جس پر طلسمات کندہ ہیں۔ انگوٹھی کو وہ دیکھ ہی رہا تھا کہ اسے کسی چیز سے رگڑ لگی۔ رگڑ لگنی تھی کہ کسی نے آواز دی ای میرے آقا! میں حاضر ہوں، مانگ کیا مانگتا ہے؟ کوئی شہر تعمیر کر دوں یا کسی شہر کو اجاڑ دوں کسی بادشاہ کو قتل کر دوں یا نہر کھود دوں۔ معروف نے کہا ای خدا کے بندے! تو کون ہے؟ جواب آیا میں اس انگوٹھی کا موکّل ہوں، تو جو کچھ مانگے گا میں حاضر کروں گا۔ میں جنوں کی ایک قوم کا بادشاہ ہوں بہتّر قبیلے میرا لشکر ہے اور ہر قبیلہ بہتّر بہتّر ہزار کا ہے، ہر ہزار کے ماتحت ہزار دیو ہیں ہر دیو ہزار سرداروں پر حکومت کرتا ہے ہر سردار کے نیچے ہزار شیطان ہیں اور ہر شیطان کے نیچے ہزار جن، یہ سب میرے حکم کے تابع ہیں، میری مخالفت نہیں کر سکتے اور میں انگوٹھی کے

تابع ہوں اور اس کے مالک کی مخالفت نہیں کر سکتا اس وقت تو اس کا مالک ہے اور میں تیرا فرماں بردار۔ جب کبھی اور جہاں کہیں تجھے میری ضرورت ہو انگوٹھی کو رگڑیو اور میں تیرے پاس آموجود ہوں گا۔ لیکن خبردار دوبارہ نہ رگڑیو ورنہ میں جل کر مر جاؤں گا اور تو پچھتائے گا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نوسو چھیانویں رات

نوسو چھیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب انگوٹھی کے موکّل نے معروف کو سارے گُر بتا دیے تو اس نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ابوالسعادات۔ معروف نے کہا اے ابوالسعادات! یہ کیا جگہ ہے اور تجھے اس ڈبیہ میں کس نے بند کیا؟ اس نے جواب دیا یہ خزانہ شدّاد بن عاد کا ہے "جس نے کھمبے والے شہر اِرم کو آباد کیا جس کا جواب دنیا بھر میں نہیں پیدا کیا گیا" میں اس کے جیتے جی اس کا خادم تھا اور یہ اسی کی انگوٹھی ہے جسے اس نے اس خزانے میں رکھ چھوڑا تھا، یہ تیری قسمت میں لکھی تھی۔ معروف نے کہا کیا تو اس خزانے کو زمین کے اوپر نکال سکتا ہے؟ اس نے کہا اس سے آسان کوئی بات نہیں اور زمین کی طرف اشارہ کیا وہ پھٹی جن اس میں سما گیا اور تھوڑی دیر کے بعد دو چھوٹے خوب صورت لڑکوں کو لے کر نکلا جن کے ہاتھوں میں سونے کی پراتیں تھیں، وہ انھیں بھر بھر کر اوپر لاتے اور انڈیل جاتے یہاں تک کہ سارا تہ خانہ خالی ہو گیا۔ معروف نے پوچھا یہ لڑکے کون

ہیں؟ اس نے کہا میرے بیٹے، کیوں کہ اور جنوں کا لانا ٹھیک نہ تھا میرے بیٹوں نے تیرا کام کر دیا اور انھیں تیری خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ بتا اب اور کیا چاہتا ہے؟ معروف نے کہا کہ کیا تو اس مال کو صندوقوں میں بھر کر خچروں پر لاد سکتا ہے؟ جن بولا اس سے آسان کوئی بات نہیں اور ایک چیخ ماری اس کے آٹھ سو بیٹے آموجود ہوئے اس نے اُن سے کہا تم میں سے بعض خچر بن جائیں اور بعض ایسے خوب صورت غلام جن کا جواب کسی بادشاہ کے پاس نہ ہو، بعض گھوڑے بن جائیں جن پر سونے کے زین ہوں اور ان میں جواہرات ٹنکے ہوئے۔

اب معروف نے صندوق منگائے اور کہا ہر ایک جنس کو الگ الگ صندوق میں رکھو، انھوں نے ایسا ہی کر کے انھیں تین سو خچروں پر لاد دیا۔ معروف بولا اے ابوالسعادات! کیا تو عمدہ عمدہ تھان لا سکتا ہے؟ اس نے پوچھا مصری یا شامی، عجمی، ہندی یا رومی؟ معروف نے کہا ہر ایک قسم کے سو سو گٹھے سو خچروں پر۔ اس نے کہا کہ صبح تک حاضر ہو جائیں گے۔ معروف نے کہا میرے لیے ایک خیمہ لگا اس نے خیمہ لگا کر اس میں دستر خوان بچھا دیا اور معروف سے کہا اے میرے آقا! خیمے میں بیٹھ اور میرے بیٹے تیری پاس بانی کریں گے۔ ابوالسعادات جنوں کے پاس چلا گیا کہ انھیں کپڑے لینے بھیجے اور معروف خیمے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں کسان ایک پیالے میں مسور کی دال اور ایک کٹورے میں جو لیے پہنچا دیکھا کہ خیمہ لگا ہوا ہے اور غلام ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اس کا خیال ہوا کہ بادشاہ آگیا ہے وہ ششدر کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کاش میں بادشاہ کے لیے دو چوزے تل کر لایا ہوتا! وہ

لوٹنے ہی والا تھا کہ معروف کی نظر اس پر پڑ گئی اس نے آواز دی اور غلام اُسے معروف کے پاس لے گئے۔ معروف نے پوچھا کیا لایا ہے؟ اس نے کہا تیرا ناشتا اور گھوڑے کا چارا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بادشاہ آیا ہوا ہے تو دو چوزے ذبح کر کے میں اس کی دعوت کرتا۔ معروف نے کہا بادشاہ تو نہیں آیا ہے لیکن میں اس کا داماد ہوں اس سے ناراض ہو کر چلا آیا تھا۔ اب اس نے غلاموں کو بھیج کر مجھ سے صلح کر لی ہے اور میں شہر واپس جا رہا ہوں۔ تو نے بے مجھے پہچانے میری دعوت کی ہے اس لیے جو کچھ تو لایا ہے میں وہی کھاؤں گا۔ معروف نے پیالہ دسترخوان کے بیچ میں رکھا اور خوب پیٹ بھر کر کھایا کسان نے دسترخوان پر کے عمدہ عمدہ کھانے کھائے۔ جب پیالہ خالی ہو گیا تو اس نے اس میں سونا بھر دیا اور کہا اسے گھر دے آ اور میرے پاس شہر میں آئیو، میں تجھے انعام دوں گا۔ کسان پیالے اور بیلوں کو لے کر اپنے گانو چلا گیا۔

جب صبح ہوئی تو گرد اٹھی اور ابو السعادات سات سو خچروں پر تھانوں کے گٹھے لیے آ پہنچا خیمے کے پاس پہنچ کر خچر پر سے اُتر پڑا اور زمین چوم کر کہا اے میرے آقا! تیری ضرورت بالکل پوری ہو گئی اس تخت رواں پر ایک شاہانہ پوشاک ہے۔ اسے پہن کر تخت رواں پر سوار ہو جا اور مجھے حکم دے کہ میں اب کیا کروں۔ معروف بولا میں تجھے خط لکھ کر دیتا ہوں تو اسے لے کر میرے خسر بادشاہ کے پاس اختیان ختن جا لیکن اس کے پاس انسانی شکل میں جائیو۔ اور معروف نے ایک خط لکھ کر اس پر مُہر لگائی اور ابو السعادات سے لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ وزیر سے کہہ رہا ہے میرا دل داماد میں لگا ہوا ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں بدو

اُسے قتل نہ کر دیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کس طرف گیا ہے تو میں لشکر لے کر اس کی کمک کو پہنچتا! کاش اس نے جانے سے پہلے مجھے بتا دیا ہوتا! وزیر نے کہا خدا تیری اس غفلت پر رحم کرے! قسم ہے تیرے سر کی اُسے معلوم ہو گیا کہ ہم اسے پہچان گئے اور وہ مارے ڈر کے بھاگ گیا ہے۔

اتنے میں پیادے نے آکر بادشاہ کے آگے زمین چُومی اور دُعا دی۔ بادشاہ نے پوچھا تو کون ہے اور کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا مجھے تیرے داماد نے بھیجا ہے اور وہ سامان کے ساتھ آ رہا ہے، اس کا یہ خط ہے۔ بادشاہ نے خط لے کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ سلام کے بعد میرے خسر کو معلوم ہو کہ میں سامان لے کر آ گیا ہوں۔ لشکر کے ساتھ میرا استقبال کر۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا منہ کالا ہو تیرا! کب تک تو میرے داماد کی عزت آبرو پر دھبا لگاتا اور اسے جھوٹا اور دغاباز بناتا رہے گا؟ دیکھ وہ سامان لے کر آ گیا ہے۔ وزیر نے مارے شرم اور پشیمانی کے سر نیچا کر لیا اور کہا کہ جہاں پناہ، میں نے یہ اس لیے کہا تھا کہ اس کا کوئی سامان آتا نظر نہیں آتا تھا میں ڈرتا تھا کہ جو مال اس نے خرچ کر دیا ہے کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ بادشاہ بولا جب سامان آ گیا تو مال کی کیا حیثیت، اس کے بدلے وہ ہمیں بہت کچھ دے دے گا۔ اب بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر سجایا جائے اور بیٹی کو جا کر خوش خبری سُنائی کہ تیرا شوہر عنقریب سامان لے کر یہاں پہنچ جائے گا۔ دیکھ یہ اس نے خط بھیجا ہے اور میں اس کے خیر مقدم کے لیے جا رہا ہوں۔ بیٹی یہ سُن کر اچنبھے میں پڑ گئی اور دل میں کہنے لگی یہ عجیب و غریب ماجرا ہے۔ کیا وہ میرے ساتھ مذاق کرتا اور مجھے بے وقوف بناتا تھا؟ اس نے اپنے آپ کو فقیر بتا کر میرا امتحان لینا چاہا تھا؟ شکر

ہے خدا کا کہ مجھ سے اس کی شان میں کوئی گستاخی نہیں ہوئی۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا، اب تاجر علی مصری کا حال سنو۔ جب اس نے دیکھا کہ شہر سجایا جا رہا ہے تو اس کا سبب پوچھا، لوگوں نے کہا بادشاہ کا داماد تاجر معروف اپنا سامان لے کر آ رہا ہے۔ علی نے اپنے دل میں کہا اللہ اکبر، یہ کیا قصہ ہے؟ وہ تو اپنی بیوی سے بھاگ کر میرے پاس آیا تھا اور غریب تھا، پھر یہ سامان کہاں سے آگیا؟ ممکن ہے کہ شہزادی نے اس کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر نکال دی ہو۔ خدا اس کی پردہ پوشی کر رہا ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نو سو ستانویں رات

نو سو ستانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! تاجر علی بولا خدا اس کی پردہ پوشی کر رہا ہے، سارے تاجر خوش ہو گئے کہ اب ہمیں دام مل جائیں گے۔ اِدھر بادشاہ لشکر جمع کر کے نکلا اُدھر ابوالسعادات نے معروف کو جا کر خبر دی کہ میں خط پہنچا آیا ہوں۔ معروف نے شاہی لباس پہنا اور تخت رواں پر سوار ہو گیا وہ بادشاہ سے ہزار گنا زیادہ شان دار معلوم ہوتا تھا۔ آدھے ہی راستے پر پہنچا ہو گا کہ بادشاہ لشکر کے ساتھ آ پہنچا اور معروف کو شاہی لباس پہنے اور تخت رواں پر بیٹھا دیکھ کر لپٹ گیا سلام کیا تمام امرا نے بھی اسے سلام کیا اور انھیں یہ یقین آگیا کہ معروف سچا ہے اور اس کی کوئی بات جھوٹ نہیں۔ جب وہ جلوس کے ساتھ شہر میں داخل ہوا تو تاجر دوڑتے ہوئے آئے اور

اس کے آگے زمین چومی۔ تاجر علی نے کہا اے دغا بازوں کے استاد تو نے خوب چال چلی لیکن تو اس کا مستحق ہے اور خدا اپنے فضل سے تجھے اور دے گا۔ معروف ہنس کر چل دیا محل میں جاکر کرسی پر بیٹھا اور کہا میرا سونا بادشاہ کے خزانے میں داخل کر دو اور کپڑوں کے گٹھے یہاں لاؤ۔ انھوں نے ایک ایک گٹھا کر کے کھولنا شروع کیا یہاں تک کہ کل سات سو کے سات سو گٹھے کھول ڈالے۔ ان میں سے بہترین کپڑے چھانٹ کر شہزادی کو بھیجے کہ وہ انھیں کنیزوں میں تقسیم کر دے۔ اس کے بعد اس نے تاجروں کا قرضہ ادا کرنا شروع کیا، جس کا ایک ہزار تھا اسے دو ہزار بلکہ زیادہ کے کپڑے دیے۔ پھر فقیروں اور مسکینوں کو دینا شروع کیا غرض سات سو کے سات سو گٹھے دے ڈالے لشکریوں کو مٹھی بھر بھر کر معدنیات، زمرد، یاقوت، موتی اور مونگے دیے۔

بادشاہ نے کہا بیٹا، اتنی بخشش کافی ہے کیوں کہ تیرے سامان میں سے اب تھوڑا ہی سا بچا ہے۔ اس نے کہا میرے پاس اور بہت ہے۔ اب اس کی سچائی کا چرچا ہونے لگا کسی کی ہمت نہ پڑتی کہ اسے جھٹلائے۔ وہ بخشش کی بالکل پروا نہ کرتا کیوں کہ جو وہ چاہتا موکل لا موجود کرتا۔ اتنے میں خزانچی نے آکر بادشاہ سے کہا جہاں پناہ، خزانہ بھر گیا ہے اور سونا اور جواہرات ابھی باقی ہیں، انھیں کہاں رکھا جائے؟ بادشاہ نے کہا فلاں جگہ رکھو۔ شہزادی کو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی یا اللہ اتنی دولت کہاں سے آگئی؟ تاجر بھی اس کی بخششوں سے باغ باغ ہو گئے اور اسے دعائیں دینے لگے۔ تاجر علی بڑا متعجب تھا اور کہتا تھا یا اللہ، اس نے کون سی ایسی چال چلی کہ اس کے ہاتھ اتنے خزانے

لگ گئے۔ اگر یہ محض شہزادی کا دیا ہوا مال ہوتا تو وہ فقیروں کو اس دریا دلی سے نہ دیتا۔

یہ تو اس کا ماجرا ہوا، اب بادشاہ کا حال سنو۔ معروف کی سخاوت اور دریا دلی دیکھ کر اسے بے حد تعجب ہوا۔ جب وہ اپنی بیوی کے پاس گیا تو وہ مسکراتی ہوئی اس سے ملی اور اس کا ہاتھ چوم کر کہنے لگی کیا تو میرے ساتھ مذاق کرتا تھا یا یہ کہہ کر کہ تو فقیر ہے اور اپنی بیوی سے بھاگ کر یہاں آیا ہے میرا امتحان کرنا چاہتا تھا؟ خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے تیری شان میں کوئی گستاخی نہیں ہوئی، تجھ سے زیادہ مجھے کوئی پیارا نہیں خواہ تو امیر ہو یا غریب، لیکن بتا تو سہی کہ ایسی باتیں کرنے سے تیرا مقصد کیا تھا؟ معروف بولا میں تیرا امتحان کرنا چاہتا تھا کہ آیا تیری محبت خالص ہے یا محض مال اور دنیا کی وجہ سے، اب مجھے یقین ہو گیا کہ ہاں خالص ہے اور تیری قدر و قیمت معلوم ہو گئی۔ پھر اس نے ایک گوشے میں جا کر انگوٹھی رگڑی اور جب ابوالسعادات حاضر ہوا تو معروف نے کہا میں اپنی بیوی کے لیے شاہانہ پوشاک اور ایسا شاہانہ گہنا چاہتا ہوں جس میں چالیس نایاب موتیوں کا ایک ہار ہو۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور جا کر لے آیا۔ موکل کو واپس کر کے وہ اپنی بیوی کے پاس گیا اور وہ چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ مارے خوشی کے شہزادی کے ہوش جاتے رہے اس نے دیکھا کہ گہنوں میں دو پازیبیں ہیں جو سونے کی ہیں جواہرات سے مرصع اور بڑی کاری گری کی بنائی ہوئی۔ اس نے کہا میں انھیں عید کے دن پہنا کروں گی۔ معروف بولا نہیں بلکہ انھیں روز پہنا کر، ایسی میرے پاس بے شمار ہیں۔ کنیزیں یہ دیکھ کر خوش ہو گئیں اور اس کے ہاتھ چومنے لگیں۔

اب بادشاہ نے وزیر سے کہا بتا اب تو کیا کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا جہاں پناہ، ایسی باتیں تاجروں سے تو ظاہر ہوتی نہیں وہ ایک ٹکڑا کتان کا بھی بے نفع لیے نہیں بیچتے، ان کے پاس ایسی چیزیں کہاں سے آئیں جو بادشاہوں کو بھی میسر نہیں؟ اس میں کوئی نہ کوئی بات ہے۔ اگر تو میرا کہنا ملنے تو میں اس کی تحقیق کر کے تجھے بتا دوں گا۔ بادشاہ بولا بہت خوب۔ وزیر نے کہا اس سے مل کر محبت جتا اور باتیں چیتیں کر اور کہہ کہ اے میرے داماد! میں تو اور وزیر چل کر باغ کی سیر کریں، وہاں پہنچ کر ہم کھائیں پئیں گے اور جب شراب اسے ذرا چڑھ جائے گی تو اس سے سارا بھید لے لیں گے۔ میں کہتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لشکر کو مال و دولت دے کر اپنی طرف کر لے اور حکومت تیرے ہاتھ سے جاتی رہے۔ بادشاہ بولا تو سچ کہتا ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند . . . . .

نوسو اٹھانویں رات

نوسو اٹھانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ نے وزیر سے کہا تو سچ کہتا ہے اور دونوں اس پر متفق ہو گئے۔ صبح کو بادشاہ اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ نوکروں اور سائیسوں نے آکر کہا ہم نے ان گھوڑوں اور خچروں کو باندھ دیا تھا جو سامان لے کر آئے تھے لیکن سویرے ہمیں معلوم ہوا کہ غلام گھوڑوں اور خچروں کو چرا کر بھاگ گئے۔ ہم نے تمام اصطبل چھان مارے نہ وہاں کوئی گھوڑا ہے نہ خچر۔ اس کے بعد ہم نے اس جگہ جا کر دیکھا جہاں غلام اترے تھے تو ایک کا بھی پتا نہیں نہ

جانے وہ بھاگ کیسے گئے۔ بادشاہ بولا اے مردود، ایک ہزار چوپاے اور پانسو غلام بھاگ گئے اور تمھیں خبر تک نہ ہوئی۔ جاؤ جب تمھارا آقا حرم سرا سے نکلے تو اس سے کہنا۔ اتنے میں معروف حرم سرا سے نکلا اور انھیں رنجیدہ دیکھ کر وجہ پوچھی۔ انھوں نے سارا قصّہ سنایا تو وہ کہنے لگا ان کی قیمت ہی کتنی ہوگی کہ تم افسوس کرتے ہو! چلو بھاگ جاؤ۔ یہ سُن کر بادشاہ وزیر سے کہنے لگا یہ شخص کیا بلا ہے؟ اس کے سامنے دولت کی حقیقت ہی نہیں۔ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ نے کہا اے داماد! میں چاہتا ہوں کہ میں، تو اور وزیر باغ میں چل کر سیر و تفریح کریں۔ اس نے کہا بہت خوب اور تینوں باغ پہنچے۔ وزیر نے اچھی اچھی کہانیاں سنانی شروع کیں اور معروف سنا کیا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھایا گیا اور شراب کی صراحیاں لائی گئیں، وزیر نے ایک جام بھر کر پہلے بادشاہ کو دیا پھر دوسرا معروف کو۔ معروف نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا شراب، اور اس کی اتنی تعریف کی کہ معروف خود جام بھر بھر کر پینے لگا۔

جب وزیر کو یقین ہوگیا کہ اسے شراب کا نشہ خوب چڑھ گیا ہے تو اس نے کہا اے تاجر معروف! مجھے تعجب آتا ہے کہ تجھے ایسے جواہرات کہاں سے ہاتھ لگے جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں؟ نہ ہم نے عمر بھر تجھ جیسی سخاوت دیکھی، یہ تو بادشاہوں کی خاصیت ہے نہ کہ تاجروں کی۔ معروف بولا نہ میں تاجر ہوں نہ بادشاہ، یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا حال شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ وزیر نے کہا خدا کے لیے ہمیں بھی وہ انگوٹھی دکھا ہم بھی دیکھیں وہ انگوٹھی کیسی ہے۔ معروف

بدستت تو تھا ہی انگوٹھی اُتار کر وزیر کو دے دی۔ اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہنے لگا اگر میں اسے رگڑوں تو موکل آجائے گا؟ معروف نے کہا ہاں، رگڑ موکل آجائے گا اور تو اس کا تماشا دیکھیو۔ وزیر نے انگوٹھی کو رگڑا ہی تھا کہ آواز آئی ای میرے آقا! مانگ کیا مانگتا ہی؟ تو کوئی شہر اجاڑنا یا بسانا چاہتا ہی یا کسی بادشاہ کو قتل کرنا چاہتا ہی؟ وزیر نے معروف کی طرف اشارہ کرکے کہا اس کم بخت کو لے جاکر جنگل بیابان میں پھینک آ جہاں وہ بھوک پیاس سے مر جائے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ موکل معروف کو لے کر اُڑا، معروف نے کہا ای ابوالسعادات! تو مجھے کہاں لیے جارہا ہی؟ اس نے کہا ای بے وقوف جس کے پاس ایسا طلسم ہو کہیں وہ اسے لوگوں کو دیتا ہی کہ وہ اس کا تماشہ دیکھیں۔ جو مصیبت تجھ پر اُتری ہی بجا ہی۔ اگر مجھے خدا کا ڈر نہ ہوتا تو میں ایک ہزار قدم کی بلندی سے تجھے پھینک دیتا اور زمین تک پہنچتے پہنچتے ہوا سے تیرے پُرزے پُرزے اُڑ جاتے۔ معروف چپ ہو گیا اور جن نے اُسے غیر آباد زمین میں لاکر اُتار دیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی . . . . .

نوسو ننانویں رات

نوسو ننانویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! جن نے معروف کو لے جاکر غیر آباد زمین میں پھینک دیا۔ اُدھر وزیر نے بادشاہ سے کہا دیکھا نہ وہ کیسا جھوٹا اور دغاباز نکلا۔ بادشاہ نے کہا

اے وزیر! تو سچا ہے دکھا تو مجھے انگوٹھی، دیکھوں تو وہ کیسی ہے۔ وزیر نے طیش میں آکر اس کے منھ پر تھوک دیا اور کہا اے بے وقوف! تجھے کیوں دوں؟ کیا تیرا مالک ہونے کے بعد پھر تیرا غلام بن جاؤں۔ دیکھ میں تیرا بھی خاتمہ کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی رگڑی اور جن آپہنچا، اس نے کہا اس بدتمیز کو بھی وہیں جا کر پھینک آجہاں تو اس کے داماد کو پھینک آیا ہے۔ جن اسے لے کر اڑا تو اس نے کہا اے خدا کے بندے! میرا کیا جرم ہے؟ جن بولا مجھے معلوم نہیں، میرے مالک نے یہی حکم دیا ہے، جس کے پاس یہ طلسمی انگوٹھی ہوگی میں اس کی مخالفت نہیں کرسکتا۔ وہ اُڑتا اُڑتا اس جگہ پہنچا جہاں معروف تھا اور وہاں اسے پھینک کر چلا آیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ معروف وہاں بیٹھا رو رہا ہے نہ اس کے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے نہ پینے کی اس کے پاس جاکر اپنا قصہ سنایا اور دونوں بیٹھ کر رونے لگے۔

یہ تو ان دونوں کا ماجرا ہوا، اب وزیر کا حال سنو جب وہ معروف اور بادشاہ سے پیچھا چھڑا چکا تو باغ سے نکل کر سارے لشکر کو بلوایا دربار کیا انھیں انگوٹھی کا قصہ سنایا اور کہا میں نے معروف اور بادشاہ کو نکال باہر کیا ہے اگر تم نے مجھے اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کیا تو میں موکل سے کہوں گا وہ تمھیں بھی وہیں جاکر پھینک آئے گا اور تم بھوکے پیاسے مر جاؤ گے۔ انھوں نے کہا ہمیں نقصان نہ پہنچا، ہم تجھے اپنا بادشاہ مانتے ہیں اور تیرا ہر حکم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ انھوں نے مجبوراً اُسے بادشاہ تسلیم کرلیا اور اس نے انھیں خلعت عطا کیے۔ اس کے بعد اس نے شہزادی کو کہلا بھیجا کہ تیار رہ، میں آج رات تیرے ساتھ

ہم بستر ہوں گا کیوں کہ میں تیرا اشتاق ہوں۔ شہزادی رونے اور اپنے باپ اور معروف پر افسوس کرنے لگی اور جواب میں کہلا بھیجا کہ عدّت پوری ہو جانے دے اس کے بعد نکاح نامہ لکھوا کر حلال طریقے سے ہم بستر ہو جیو۔ وزیر نے جواب دیا میں عدّت ودّت نہیں جانتا نہ اتنی مدّت ٹھیر سکتا ہوں نہ مجھے نکاح نامے کی ضرورت ہے نہ میں حلال اور حرام میں فرق جانتا ہوں، آج رات ہی میں تجھ سے ہم بستری کروں گا۔ شہزادی نے کہا کوئی حرج نہیں، مرحبا۔ یہ اس کی چال تھی۔

یہ جواب سُن کر وہ خوش ہو گیا اور سب لوگوں کے لیے کھانا منگوایا اور کہا کھاؤ، یہ ولیمہ ہے کیوں کہ میں آج رات شہزادی سے ہم بستر ہوں گا۔ شیخ الاسلام نے کہا جب تک اس کی عدّت پوری نہ ہو اور تیرا نکاح نامہ مرتّب نہ ہو جائے ہم بستری حرام ہے۔ اس نے کہا میں عدّت ودّت نہیں جانتا، باتیں زیادہ نہ بنا۔ شیخ الاسلام مارے ڈر کے چُپ ہو رہا اور لشکر والوں سے کہا کہ وہ کافر ہے، اس کا کوئی دین و مذہب نہیں۔

جب رات ہوئی اور وہ شہزادی کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بہترین کپڑے پہنے اور بناؤ سنگار کیے بیٹھی ہے۔ جب اس کی نظر وزیر پر پڑی تو اس نے کہا مرحبا، اگر تو نے میرے باپ اور شوہر کو قتل کر دیا ہوتا تو زیادہ اچھا تھا۔ اس نے کہا میں انھیں بے مارے نہیں چھوڑوں گا۔ شہزادی نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اس سے ہنسی مذاق اور محبت کا اظہار کرنے لگی۔ یہ پیاری پیاری باتیں اور مُسکراہٹ دیکھ کر وزیر کے ہوش جاتے رہے اور وہ وصال کا طالب ہوا لیکن جب وہ شہزادی کے قریب آیا وہ دُور ہٹ کر رونے لگی اور کہا دیکھ وہ شخص میری

طرف دیکھ رہا ہی۔ خدا کے لیے اُسے یہاں سے دور کر۔ اگر وہ ہماری طرف برابر دیکھتا رہے گا تو تو کیوں کر ہم بستر ہو گا؟ وزیر کو غصّہ آگیا اس نے کہا کہاں ہی وہ شخص؟ شہزادی بولی کہ وہ کیا انگوٹھی کے نگ میں بیٹھا ہوا ہی اور سر نکالے ہماری طرف دیکھ رہا ہی۔ وزیر بولا ڈر نہیں وہ انگوٹھی کا موکل ہی اور میرا فرماں بردار۔ شہزادی نے کہا مجھے بھوت پریتوں سے ڈر لگتا ہی، انگوٹھی اتار کر مجھ سے دور پھینک دے۔ وزیر نے انگوٹھی اُتار کر تکیے پر رکھ دی اور جوں ہی شہزادی کے پاس آیا اس نے اس زور سے وزیر کے دل پر ایک ٹھوکر ماری کہ وہ چت ہو گیا اور اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ شہزادی نے کنیزوں کو آواز دی چالیس کنیزوں نے آکر وزیر کو پکڑ لیا اور اس نے انگوٹھی کو تکیے پر سے اٹھا کر رگڑا۔ ابوالسعادات نے آکر کہا کہ ای میرے آقا! حاضر ہوں۔ شہزادی نے کہا کہ اس کافر کو لے جا کر قید خانے میں بند کر آ اور اس کے پانووں میں سخت بیڑیاں ڈال دے۔ جب وہ اسے قید خانے میں بند کر کے واپس آیا تو شہزادی نے کہا میرے باپ اور شوہر کو تو کہاں لے گیا ہی؟ اس نے کہا دنیا کے غیر آباد حصّے میں۔ شہزادی نے کہا میں تجھے حکم دیتی ہوں کہ انھیں فوراً لے آ۔ جب جن ان کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ دونوں بیٹھے رو رہے ہیں اور ایک دوسرے سے شکوے شکایت کر رہے ہیں۔ جن نے کہا غم نہ کرو، خوشی کے دن قریب ہیں، یہ یہ واقعات پیش آئے ہیں اور میں وزیر کو اپنے ہاتھ سے قید کر آیا ہوں۔

یہ کہہ کر وہ انھیں شہزادی کے پاس اٹھا لایا شہزادی نے انھیں

سلام کیا بٹھا کر کھانا اور حلوا کھلایا۔ دوسرے دن دونوں کو شاہی پوشاکیں پہنا کر باپ سے کہا کر تو شاہی کرسی پر بیٹھ اور پہلے کی طرح حکومت کر، میرے شوہر کو میمنے کا وزیر بنا لشکر کو بلا کر انھیں سارا ماجرا سنا اور وزیر کو قید خانے سے نکال اور قتل کر کے جلا دے، وہ کافر ہے چاہتا تھا کہ بے نکاح کے زبردستی میرے ساتھ ہم بستر ہو۔ یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کافر ہے اور اس کا کوئی دین مذہب نہیں۔ بادشاہ نے کہا بیٹی، تیرا کہنا سر آنکھوں پر لیکن انگوٹھی مجھے یا اپنے شوہر کو دے دے۔ شہزادی نے کہا نہ تو اس کا اہل ہے نہ وہ، انگوٹھی میرے پاس رہے گی کیوں کہ میں اس کی حفاظت تم دونوں سے بہتر کر سکتی ہوں۔ تمھارا جو جی چاہے مجھ سے مانگنا اور میں موکل سے منگوا کر تمھیں دے دوں گی، جب تک میں زندہ ہوں کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا اور جب میں مر جاؤں تو انگوٹھی کا جو چاہا کرنا۔ اب بادشاہ اپنے داماد کو لے کر دربار میں گیا۔ لشکر نے ساری رات بڑے رنج و غم میں گزاری تھی انھیں معلوم تھا کہ وزیر شہزادی کے ساتھ بے نکاح کے زبردستی ہم بستر ہونا چاہتا ہے جو اسلام کی توہین ہے۔ جب وہ دربار پہنچے تو شیخ الاسلام کو برا بھلا کہنے لگے کہ تو نے وزیر کو اس زبردستی سے روکا کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا لوگو! وہ کافر ہے اور انگوٹھی کا مالک بن بیٹھا ہے ہم تم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ خدا اس سے سمجھے گا، تم چپ رہو ورنہ وہ کہیں تمھیں قتل نہ کر دے۔ لشکر والے دربار میں بیٹھے یہی باتیں کر رہے تھے کہ بادشاہ اپنے داماد معروف کے ساتھ داخل ہوا اور شہرزاد کو صبح ہوتی ....

ایک ہزارویں رات

ایک ہزارویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! جب لشکر والوں نے بادشاہ اور اس کے داماد معروف کو دربار میں آتے دیکھا تو وہ خوش ہو کر کھڑے ہو گئے اور اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ کرسی پر بیٹھا انھیں سارا ماجرا سنایا اور ان کا غم غلط ہو گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر سجایا جائے اور وزیر کو قید خانے سے لایا جائے وزیر آیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے بری موت مارو۔ لوگوں نے اسے قتل کر کے جلا دیا اور وہ بری حالت میں جہنم واصل ہوا۔ اس کے بعد پانچ سال تک عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے بعد چھٹے سال بادشاہ کا انتقال ہو گیا شہزادی نے معروف کو اس کی جگہ بادشاہ بنایا لیکن انگوٹھی نہ دی۔ اس اثنا میں اس کے ایک نہایت حسین و جمیل لڑکا پیدا ہوا وہ پانچ برس کا ہوا تو ماں بیمار پڑی اور اس نے معروف کو بلا کر کہا مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بیٹے کو حفاظت سے رکھیو بلکہ یہ کہ انگوٹھی کی خبر گیری کیجیو۔ یہ کہہ کر اس نے انگوٹھی اُتاری اور معروف کو دے دی۔ دوسرے دن اس کا انتقال ہو گیا معروف نے بادشاہ بن کر حکومت کرنی شروع کر دی۔ ایک دن جب اس نے دربار برخاست کیا اور امرا کے ساتھ دیر تک شراب نوشی میں مشغول رہا آدھی رات کے بعد انھوں نے اجازت چاہی اور چلے گئے اور وہ کپڑے بدل کر سو گیا تو نیند میں اسے محسوس ہوا کہ کوئی چیز اس کے پاس فرش پر ہے ڈر کر اُٹھ بیٹھا اور اعوذ باللہ پڑھ کر آنکھیں کھول دیں دیکھا کہ اس کے پاس

ایک بدصورت سی عورت بیٹھی ہوئی ہے پوچھا کہ تو کون ہے؟ عورت نے جواب دیا ڈر نہیں میں تیری بیوی فاطمہ ہوں۔ معروف نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور باوجود صورت کے مسخ ہو جانے اور دانتوں کے بڑھ جانے کے اُسے پہچان لیا اور کہا تجھے یہاں کون لایا؟ بیوی نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ اس نے کہا خیتان ختن اور تو کب مصر سے چلی؟ بیوی نے کہا ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔ معروف نے کہا یہ کیسے؟ بیوی نے کہا جب میں نے تجھ سے لڑائی دنگا کرنا شروع کیا شیطان نے مجھے ورغلایا کہ تجھے نقصان پہنچاؤں اور میں نے حکام سے جاکر تیری شکایت کی تھی تو انھوں نے تجھے تلاش کیا لیکن تو نہ ملا۔ دو دن کے بعد میں پچھتائی مجھے معلوم ہوا کہ خطا میری ہے لیکن پچھتانے سے کیا ہوتا تھا۔ مدت تک میں تیری جدائی میں بیٹھی رو یا کی ناداری کی وجہ سے بھیک مانگنے لگی اور آج تک بھیک مانگنے کی ذلت اٹھا رہی ہوں۔ کل جب بھیک مانگنے نکلی تو دن بھر کسی نے کچھ نہ دیا جس کے پاس روٹی کا ٹکڑا مانگنے جاتی وہ مجھے بُرا بھلا کہتا اور کچھ نہ دیتا۔ رات کے وقت میرے پاس کچھ کھانے کو نہ تھا اور میں مارے بھوک کے پریشان تھی کیا دیکھتی ہوں کہ ایک شخص میرے سامنے کھڑا کہہ رہا ہے ای عورت! کیوں رو رہی ہے؟ میں نے کہا میرا شوہر جو مجھے کھلاتا پلاتا تھا کھو گیا ہے اور میں مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اس نے پوچھا تیرے شوہر کا کیا نام ہے؟ میں نے کہا معروف۔ اس نے کہا میں تیرے شوہر کو جانتا ہوں، وہ ایک جگہ کا بادشاہ ہے تو چاہے تو میں تجھے اس کے پاس پہنچا دوں۔ میں نے کہا خدا کے لیے مجھے اس تک پہنچا دے۔ وہ مجھے لے کر اُڑا اور اس

محل میں پہنچ کر کہا اس حجرے میں جا، وہاں تیرا شوہر تخت پر پڑا سو رہا ہے۔ اندر آکر میں نے تیری شان و شوکت دیکھی۔ میرا ہمیشہ یہی خیال رہا کہ تو مجھ سے نہیں چھوٹ سکتا کیوں کہ میں تیری بیوی ہوں۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں ملا دیا!۔

معروف بولا میں نے تجھے چھوڑا ہے یا تو نے مجھ کو؟ تو ہی تو ایک قاضی سے دوسرے کے پاس جاکر میری شکایت کرتی تھی اور بالآخر باب عالی پہنچی اور میرے اوپر قلعے سے بلا نازل ہوئی اور میں تیرے ڈر کے مارے بھاگا۔ اس کے بعد اس نے اپنا سارا ماجرا سنایا اور کہا اب میں بادشاہ ہوں اور شہزادی کے ساتھ شادی کی تھی لیکن اس کا انتقال ہوگیا، اس سے میرا ایک بیٹا ہے جس کی عمر سات سال کی ہے۔ بیوی نے کہا جو کچھ ہوا وہ قسمت کی لکیر تھی جو مٹ نہیں سکتی اب میں نے توبہ کی ہے اور تیری پناہ میں ہوں۔ مجھے نہ چھوڑ اور خیرات میں کھانے کو دے۔ وہ برابر خوشامد کرتی رہی یہاں تک کہ اس کا دل پسیج گیا اس نے کہا توبہ کر اور میرے ساتھ رہ، تیرے لیے خوشی ہی خوشی ہے، لیکن اگر تو نے پھر شرارت کی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اب مجھے کسی کا ڈر نہیں نہ یہ اندیشہ ہے کہ تو باب عالی میں جاکر میری شکایت کرے گی، میں بادشاہ ہوں لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اور میں سوا خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ میرے پاس ایک انگوٹھی ہے، جب اسے میں رگڑتا ہوں تو اس کا موکل حاضر ہو جاتا ہے اور جو کچھ میں اس سے مانگتا ہوں وہ لا حاضر کرتا ہے۔ اگر تو اپنے وطن جانا چاہے تو میں تجھے وہاں ایک دم میں پہنچا دوں گا اور تجھے اتنا کچھ دوں گا کہ عمر بھر کے لیے کافی ہو، اور اگر تو یہاں رہنا چاہے تو میں

تیرے لیے ایک محل خالی کرا دوں گا اس میں خاص ریشمی فرش بچھوا دوں گا تیری خدمت کے لیے بیس کنیزیں دوں گا اور اچھے سے اچھا کھانا اور عمدہ سے عمدہ پوشاکیں دیا کروں گا تو ملکہ بن کر رہے گی اور بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرے گی۔

بیوی نے کہا میں تیرے ہی پاس رہنا چاہتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے معروف کا ہاتھ چوما اور شرارت سے توبہ کی۔ معروف نے اس کے لیے ایک محل خالی کرا دیا اُسے کنیزیں اور غلام دے کر ملکہ بنا دیا۔ بیٹا جیسے اپنے باپ کے پاس آیا جایا کرتا، اس کے پاس بھی آتا جاتا لیکن وہ اس سے نفرت کرتی تھی کیوں کہ وہ اس کا بیٹا نہ تھا۔ جب بیٹے نے اس کے یہ اطوار دیکھے تو وہ بھی اس سے نفرت کرنے لگا۔ اُدھر معروف خوب صورت خوب صورت کنیزوں کے ساتھ رہنے لگا اپنی بیوی فاطمہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی کیوں کہ وہ بوڑھی اور بدصورت ہو چکی تھی سوا اس کے معروف وہ بُرائیاں بھی نہیں بھولا تھا۔ جو اس نے اس کے ساتھ کی تھیں۔ مثل ہے کہ بُرائی مقصد کی جڑ کاٹ ڈالتی اور دل دل میں دشمنی پیدا کر دیتی ہے۔ تاہم وہ برابر اس کے ساتھ بھلائی کرتا رہا کیوں کہ وہ چاہتا تھا کہ خدا اس سے خوش رہے۔

دینا زاد نے اپنی بہن شہرزاد سے کہا تو نے کیسی اچھی اچھی کہانیاں سُنائی ہیں! شہرزاد بولی کہ یہ تو کچھ بھی نہیں، اگر بادشاہ نے مجھے زندہ رکھا اور قتل نہ کیا تو کل کی کہانی اس سے بھی اچھی ہوگی۔ جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو بادشاہ نے اپنے دل میں کہا جب تک باقی کہانی نہ سُن لوں اسے قتل نہیں کروں گا۔ دربار میں آیا تو وزیر دستور کے موافق بغل میں کفن

اسے پہنچا۔ بادشاہ دن بھر احکام جاری کرتا رہا اور اس کے بعد حرم سرا میں اپنی بیوی شہرزاد کے پاس گیا۔

ایک ہزار پہلی رات

ایک ہزار پہلی رات ہوئی اور بادشاہ حرم سرا میں اپنی بیوی شہرزاد کے پاس گیا تو دنیازاد نے اپنی بہن سے کہا معروف کی کہانی پوری کرے۔ وہ بولی سر آنکھوں پر بہ شرطے کہ بادشاہ اجازت دے۔ بادشاہ نے کہا میں اجازت دیتا ہوں کیوں کہ میرا دل بھی اسی میں لگا ہوا ہے اور میں اس کے سننے کا مشتاق ہوں۔ شہرزاد نے کہا اے بادشاہ! بادشاہ معروف اپنی بیوی کی طرف متوجہ نہ ہوتا اور محض خدا کی خوشنودی کے لیے اسے کھانے پینے کو دیتا۔ بیوی نے یہ دیکھا تو اسے معروف سے دشمنی پیدا ہوگئی اور شیطان نے اسے یہ پٹی پڑھائی کہ اس سے انگوٹھی لے کر اسے قتل کردے اور اس کی جگہ خود ملکہ بن بیٹھے۔ یہ پختہ ارادہ کرکے وہ ایک رات اپنے محل سے نکلی اور اپنے شوہر بادشاہ معروف کے محل کی طرف چل کھڑی ہوئی۔ اس رات بادشاہ اپنی ایک چہیتی کنیز کے پاس تھا جو بڑی خوب صورت تھی۔ وہ اسم اعظم کا اتنا احترام کرتا کہ جب کسی سے ہم بستر ہوتا تو انگوٹھی اتار ڈالتا اور جب تک پاک نہ ہوجاتا نہ پہنتا۔ اس کی بیوی فاطمہ نے روانہ ہونے سے پہلے یہ پتا لگا لیا تھا کہ جس وقت وہ جماع کرتا ہے تو انگوٹھی اتار کر تکیے پر رکھ دیتا ہے۔ معروف کا دستور تھا کہ ہم بستری کرلینے کے بعد کنیز کو کمرے سے باہر کردیتا تاکہ انگوٹھی جاتی نہ رہے اور

کمرے میں قفل لگا کر حمام جاتا اور وہاں سے نکل کر انگوٹھی پہن لیتا۔ فاطمہ کو یہ ساری باتیں معلوم ہو چکی تھیں، اسی لیے وہ رات کے وقت نکلی کہ جب وہ سوتا ہو گا تو میں محل میں جا کر انگوٹھی چرا لاؤں گی اور اسے خبر نہ ہو گی۔

وہ نکلی تو شہزادے نے اسے اندھیرے میں سے دیکھ لیا کہ وہ تیز تیز اس کے باپ کے محل کی طرف جا رہی ہے، اپنے دل میں کہنے لگا دیکھو یا تو سہی یہ چڑیل اس وقت اندھیرے میں اپنے محل سے نکل کر کیوں میرے باپ کے محل کی طرف جا رہی ہے، ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے۔ اور وہ اس کے پیچھے پیچھے اس طرح سے ہو لیا کہ وہ اُسے دیکھ نہ سکے۔

اس کے پاس ہمیشہ ایک چھوٹی سی تیز تلوار رہتی اور وہ اسے اتنی پیاری تھی کہ جب کبھی وہ باپ کے دربار میں جاتا تو اسے لگا کر جاتا۔ باپ اسے دیکھ کر ہنستا اور کہتا بیٹا، ماشاءاللہ تلوار تو بڑی شان دار ہے لیکن نہ تو اسے لے کر کسی لڑائی پر گیا ہے نہ کسی کا سر اُڑایا ہے۔ وہ جواب دیتا اگر کسی کو دیکھوں گا کہ وہ سر اُڑائے جانے کے قابل ہے تو اس کا سر اُڑا دوں گا۔ باپ یہ سُن کر قہقہہ لگاتا۔ اب جب کہ وہ اپنی سوتیلی ماں کے پیچھے چلا تو تلوار میان میں سے نکال کر ہاتھ میں لے لی جب وہ باپ کے محل میں داخل ہوئی تو شہزادہ دروازے پر ٹھیر گیا اور دیکھنے لگا کہ وہ کیا کرتی ہے دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہے یا اللہ، اس نے انگوٹھی کہاں رکھی؟ اور اسے ڈھونڈھ رہی ہے بیٹے کو یقین ہو گیا کہ وہ انگوٹھی کی تلاش میں ہے۔ اتنے میں اس کی نظر انگوٹھی پر پڑی اس نے یہ کہہ کر کہ مل گئی اُسے اٹھا لیا اور باہر جانے لگی شہزادہ کواڑ کے پیچھے چھپ گیا، عورت دروازے سے نکل اور انگوٹھی کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی اور چاہتی ہی تھی کہ اسے رگڑے

شہزادے نے تلوار اٹھا کر اس زور سے اس کی گردن پر ماری کہ وہ ایک چیخ مار کر گر پڑی اور مر گئی۔ معروف کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی مری پڑی ہے لہو بہہ رہا ہے اور اس کا بیٹا تلوار کھینچے کھڑا ہے۔ اس نے کہا بیٹا، کیا ہے؟ بیٹے نے کہا ابا جان، تو کتنی بار مجھ سے کہہ چکا ہے کہ تیری تلوار تو بڑی شان دار ہے لیکن نہ تو تو اسے لے کر کبھی لڑائی پر گیا ہے نہ کسی کا سر اڑایا ہے۔ دیکھ اب میں نے ایک شخص کا سر اڑا دیا جو اس قابل تھا۔ یہ کہہ کر اس نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔

اس کے بعد معروف انگوٹھی ڈھونڈنے لگا وہ کہیں نظر نہ آئی اس نے دیکھا کہ لڑکا اسے مٹھی میں لیے ہوئے ہے اس نے اسے اس کی مٹھی میں سے نکال لیا اور کہنے لگا تو واقعی میرا بیٹا ہے۔ جیسے تو نے مجھے اس ناپاک عورت سے نجات دی خدا تجھے دنیا اور آخرت میں نجات دے! اب معروف نے اپنے نوکروں کو بلا کر ان سے فاطمہ کی حرکت بیان کی۔ انھوں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا اور قبر کھود کر گاڑ آئے۔ مصر سے اس کی مٹی وہاں لے گئی تھی۔ پھر معروف نے اس کسان کو بلوایا جس کے پاس بھاگتے وقت وہ مہمان رہا تھا اسے میمنے کا وزیر بنایا اور جب اسے معلوم ہوا کہ کسان کی ایک بڑی حسین و جمیل بیٹی ہے تو اس نے اس کے ساتھ شادی کر لی تھوڑے دنوں کے بعد اپنے بیٹے کی بھی شادی کر دی اور وہ عیش و عشرت اور خوشی کی زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا، صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی اور بھرے گھرانوں کو اجاڑنے، بیٹیوں اور بیٹوں کو یتیم کرنے والی موت آ پہنچی، پاک ہے وہ ذات جو زندہ ہے اور کبھی مرتی نہیں اور جس کے ہاتھ میں ملک اور حکومت کی کنجیاں ہیں۔

اس مدت میں شہرزاد کے تین بیٹے بادشاہ سے پیدا ہو چکے تھے۔ جب وہ یہ کہانی کہہ چکی تو اس نے اٹھ کر بادشاہ کے سامنے زمین چومی اور

کہا جہاں پناہ! میں تیری لونڈی ہوں اور ایک ہزار ایک راتیں ہو چکیں کہ میں تیرے سامنے پرانے لوگوں کے قصّے کہانیاں سنا رہی ہوں۔ اگر تو اجازت دے تو میں تجھ سے کچھ مانگوں۔ بادشاہ بولا جو مانگے گی پائے گی۔ شہرزاد نے دائیوں اور غلاموں کو آواز دی کہ میرے بچوں کو لے آؤ اور وہ دوڑ کر لے آئے۔ یہ تین لڑکے تھے، ایک پاؤں پاؤں چلتا تھا دوسرا گھٹنوں کے بل اور تیسرا دودھ پیتا تھا۔ اس نے ان تینوں کو لے کر بادشاہ کے آگے ڈال دیا اور زمین چوم کر کہا جہاں پناہ! یہ تیری اولادیں ہیں اور میں تجھ سے یہ مانگتی ہوں کہ ان کے طفیل میں مجھے قتل نہ کر۔ اگر تو مجھے قتل کر دے گا تو یہ بچے بے ماں کے رہ جائیں گے اور انھیں کوئی عورت نہ ملے گی جو اچھی طرح ان کی تربیت کر سکے۔ یہ سن کر بادشاہ رونے لگا اس نے اپنے بیٹوں کو چھاتی سے لگا لیا اور کہا کہ شہرزاد! ان بچوں کے آنے سے پہلے ہی میں تجھے معاف کر چکا تھا کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ تو بڑی نیک پارسا اور پاک باز ہے۔ خدا برکت دے تجھے اور تیرے باپ کو، تیری ماں کو اور سب تیرے اگلوں اور پچھلوں کو! میں خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ہر بات سے باز آیا جس سے تجھے تکلیف پہنچے۔ شہرزاد خوش ہو گئی اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگی اور کہا خدا تیری عمر بڑھائے تیرا دبدبہ اور شان زیادہ کرے! یہ خوش خبری شاہی محل اور پھر سارے شہر میں پھیل گئی۔ بادشاہ کو بھی اتنی خوشی ہوئی کہ سویرا ہوتے ہی اس نے سارے لشکر کو بلوایا اور شہرزاد کے باپ وزیر کو ایک نہایت شان دار خلعت دیا اور کہا خدا تجھے اپنی امان میں رکھے کہ تو نے اپنی نیک بیٹی سے میری شادی کرائی جس کی وجہ سے میں نے لوگوں کی بیٹیوں کو قتل کرنے سے توبہ کی۔ میں نے دیکھ

لیا کہ وہ نیک پارسا اور پاک باز ہے اور خدا نے اس سے مجھے تین بیٹے عطا کیے۔ اس کی اس مہربانی کا لاکھ لاکھ شکر! اس کے بعد اس نے تمام وزیروں اور امیروں کو خلعت بخشے تیس دن تک شہر سجایا گیا اور اس کا بار کسی شہر والے پر نہیں ڈالا بلکہ سارا خرچ شاہی خزانے سے ادا کیا۔ شہر کبھی پہلے اس طرح نہیں سجایا گیا تھا شادیانے بجائے گئے اور باجوں کے تمام استادوں نے اپنی اپنی صنعت دکھائی۔ بادشاہ نے انھیں بڑے بڑے انعام دیے فقیروں اور غریبوں کو خیراتیں دیں اور ساری رعیت کے تمام لوگ عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا، صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جسے زمانہ کبھی فنا نہیں کر سکتا، اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اور ایک کام دوسرے کام کو بھلاتا نہیں اور اس میں ہر صفت کمال کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اور درود اور سلام اس شخص پر جو اس کے دربار کا سردار اور بہترین مخلوق ہے: ہمارے سرتاج محمدؐ جو دنیا کے سردار ہیں، اور ہم ان کے وسیلے سے خدا سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمارا خاتمہ بالخیر کرے!